علمی لطائف

ترجمہ اردو

کتاب الاذکیاء

مترجم: مولانا عبدالرؤف صاحب غازی

مکتبہ تھانوی دیوبند

علمی لطائف

ترجمہ اردو

کتاب الاذکیاء - ابن الجوزی

مترجم

مولانا عبدالرؤف صاحب عالی

باهتمام

وقار علی ابن مختار علی

ناشر

مکتبہ تھانوی دیوبند (یو۔پی)

۲۴۷۵۵۴

جملہ حقوق بنام وقار علی ابن مختار علی محفوظ ہیں

نام کتاب ——— علمی لطائف

مترجم ——— مولانا عبدالرؤف صاحب عالی

سن اشاعت ——— ۱۹۹۹ء

کتابت ——— طارق ابن ثاقب (دیوبند)

طباعت ——— تھانوی آفسیٹ پرنٹرس دیوبند

باہتمام ——— وقار علی بن مختار علی

ناشر

مکتبہ تھانوی دیوبند

(یو، پی)

فہرستِ مضامین

مضمون	صفحہ
مقدمہ مصنف	۶
باب ۱	
فضیلتِ عقل	۹
باب ۲	
عقل کی حقیقت	۱۴
عقل کے چار مشترک معنیٰ	
مقامِ عقل	۱۶
باب ۳	
ذہانت، فہم اور ذکاوت	۱۶
باب (۴)	
عقل اور ذکاوت کی پہچان	۱۷
عقل کی ظاہری پہچان	۱۸
عقل کی معنوی پہچان	۱۹
حضرت لقمان کی بیٹے کو نصیحتیں	
باب ۵	

مضمون	صفحہ
انبیاء کی ذہانت کے واقعات	۲۱
باب ۶	
پچھلی امتوں کی دانشمندانہ باتیں	۲۵
وادیٔ سبا کا سیلاب	
باب ۷	
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فطری ذہانت کے واقعات	۳۰
باب ۸	
صحابہؓ کی فطری ذہانت کے واقعات	۳۶
سویبط کا ذہانت بھرا مذاق	۴۸
حضرت معاویہؓ کی دانشمندی	۴۹
حذیفہ بن یمان کی جنگی تدابیر	۵۰
مغیرہ بن شعبہ کی عقل و ذہانت	۵۱
حضرت عمرو بن العاص کی دانشمندی	۵۴
ایک کامل الایمان کی ذہانت	۵۶
دشمنوں سے چالاکی برتنے کا ایک عجیب واقعہ	۵۷

مضمون	صفحہ
جنگی حکمتِ عملی	۶۱
اہلِ بیت سے تعلق کے لیے حُسنِ تدبیر	۶۴
قیافہ اور حافظہ کی قوت	۶۵
باب ۹	
دوسرے خلفاء کے واقعات۔	۶۷
دشمن کی فتنہ انگیزی سے بچاؤ۔	〃
خلیفہ عبدالملک کی تربیت۔	۶۸
خلیفہ سفاح کی چالاکیاں۔	۶۹
خلیفہ منصور کی ذہانت۔	۷۱
خلیفہ مہدی کا حیلہ۔	۷۶
ہارون رشید کی شعر فہمی۔	۷۸
مامون الرشید کی نکتہ شناسی۔	۷۹
معتضد باللہ کی فیاضی	۸۰
معتضد باللہ کی ذہانت کے واقعات۔	۸۴
باب ۱۰	
وزیروں کے واقعات۔	۹۱
خاندانِ برامکہ کی فیاضیاں۔	〃

مضمون	صفحہ
ورزاء کی فیاضیاں اور دانشمندیاں۔	
باب ۱۱	
عضدالدولہ کی فراست۔	۹۹
جلال الدولہ کا انصاف	۱۰۷
سزا کی جگہ جاں بخشی	۱۰۸
ریاکاری کا کھوٹا سکہ	۱۰۹
باب ۱۲	
قاضیوں کی ذکاوت کے حالات	۱۲۳
ایاس کی مردم شناسی	۱۲۷
واسط کے قاضی کا فیصلہ	۱۲۹
باب ۱۳	
علماء اور فقہاء کے واقعات	
ابوحنیفہؒ کی ذہانت کے چند واقعات	
ابویوسف کی خوش طبعی	۱۵۰
ابوالعینا، نابینا کی ذہانت	
باب ۱۴	
زاہد و عابد لوگوں کی ذہانت کے واقعات	۱۵۲

مضمون	صفحہ
باب ۱۵	
علماء عربیت کے حیرتناک واقعات	۱۵۳
ایک دیہاتی کی عجیب وغریب ذہانت	۱۵۹
باب ۱۶	
ذکی لوگوں کے حیلے	۱۶۳
مغیرہ بن شعبہ کو جُل دینے والا۔	۱۶۴
حفظِ قرآن کی ترغیب	۱۶۷
جعلسازی کا ایک واقعہ	۱۶۹
بغداد کا ایک عیار عابد	〃
ابو دلامہ شاعر کا خلیفہ مہدی سے حسنِ طلب	۱۷۴
ایک جرم کو چھپانے کا زبردست حیلہ	۱۷۷
باب ۱۷	
ایسے حیلے جو خود کرنے والوں پر الٹ گئے	۱۸۴
دور اندیش خلیفہ	〃
ایک بگلہ بھگت پادری	۱۸۶
جان بچانے کی جان لیوا تدبیر	۱۸۹
اسی ہزار درہم میں خود اپنی موت خریدنے کا قصہ	۱۹۱

مضمون	صفحہ
خلیفہ منصور کا ناکام منصوبہ	۱۹۲
قیصر کے سامنے قاضی باقلانی کی خوش تدبیری	۱۹۴
ضد کا نتیجہ چپڑ	۱۹۵
بدخطی کا نادر نمونہ	〃
باب ۱۸	
حضرت عمرؓ کے سامنے شاعر کی بدیہہ گوئی	۱۹۷
ایک چرواہے کا بادشاہ سے مقابلہ	۱۹۸
ایک یہودی عالم کا حسنِ تدبیر	۱۹۹
جان بچانے کا ایک دلچسپ واقعہ	۲۰۰
خلیفہ کو زچ کرنے اور اسکی بیوی سے خراج وصول کرنے والا مصاحب	〃
دو سوکنوں کو خوش کرنیکی تدبیر	۲۰۵
قاضی صاحب کے طلاق سے بچنے کا پُرلطف حیلہ	۲۰۷

مضمون	صفحہ
جاں بخشی کیلیے بہترین درخواست	۲۹۰
فرشتوں کی بدولت رہائی	۲۱۰
جھوٹی خوشامد کے ذریعہ جان بخشی	〃
اصمعی کی وقت شناسی	۲۱۱
خوارج کے ہاتھ سے بچنے کی قرآنی تدبیر	۲۱۲
حجاج کے درگزر کے اواقعات	۲۱۳
باب ۱۹ gatecrasher	
ذہین واعظ	۲۱۶
ہنسی میں گل پھنسی	〃
فی البدیہہ شعر گوئی اور حسنِ معذرت	۲۱۷
باب ۲۰	
ایسے افعال واقوال کے بیان میں جو متوسط اور عام طبقہ کے اہلِ ذکاوت کے متعلق ہیں	۲۱۸
باب ۲۱	
ذکی لوگوں کے ایسے جوابات جو احتیاط اور ذہانت کے ساتھ دیے گئے ہیں	۲۲۴
باب ۲۲	
شاعروں اور قصیدہ نگاروں کی ذہانتیں	۲۴۱

مضمون	صفحہ
باب ۲۳	
جنگی حیلے اور چالیں	۲۴۹
باب ۲۴	
اطباء کی ذہانت کے واقعات	۲۷۱
باب ۲۵	
بن بلائے مہمانوں کے بیان میں	۲۲۸
باب ۲۶	
چوروں کی چالاکیوں کے بیان میں	۲۹۹
باب ۲۷	
ذہین بچوں کی ذکاوت کے بیانمیں	۳۳۰
باب ۲۸	
ذی عقل دیوانوں کے بیانمیں	۳۳۹
باب ۲۹	
فہم وفراست والی بیبیوں کے بیان میں	۳۴۷
باب ۳۰: ایسے چوپائے جانوروں کا بیان جن کی حرکتیں انسانوں کے مشابہ ہیں۔	۴۰۳

❊ ❊ ❊ ❊ ❊

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از: مصنف

ہر تعریف کی مستحق اس کی ذات ہے جس نے ہمیں فہم بخشا، زیورِ علم سے آراستہ کیا، عقل عطا کی اور بولنے کی قوت دی، ہم اپنے فکر کو زنگ لگنے اور ذہن کے کُند ہونے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، اے ربِ کریم اس ذاتِ بابرکات پر اپنی رحمتیں نازل فرما جس کو تو نے اس امت کے لیے جامع کلمات دے کر بھیجا جو سابقہ امتوں سے زیادہ دانش مند ہے، اپنے دامانِ رحمت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متبعین کو ڈھانپ لے اور محمدی نقوشِ قدم پر چلنے والوں پر بہت بہت سلامتی ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ عقل اللہ کا سب سے بڑا عطیہ ہے، کیوں کہ اس سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ خیر کے اصول معلوم ہوتے ہیں، انجام پر نظر جاتی ہے، باریکیاں سمجھ میں آتی ہیں اور فضائل تک آدمی پہنچتا ہے۔ تاہم عقل کی یہ نعمت سب کو یکساں نہیں دی گئی، عقل مندوں کے بھی درجات ہیں اور ان درجات میں باہم فرق ہے تجربات اور علم کی پختگی کے لحاظ سے یہ اختلاف اور فرقِ مراتب بھی ضروری ہے۔

اس وجہ سے میں نے یہ ارادہ کیا کہ ان ذکی اور دانشور لوگوں کے واقعات کا ایک مجموعہ مرتب کر دوں جن کی عقل تیز اور ذکاوت روشن ہے، اور اس کے تین

فائدے میرے سامنے ہیں۔

اوّل یہ کہ جن لوگوں کے واقعات قلم بند کروں گا ان کی عقلی عظمت معلوم ہوگی دوسرے یہ کہ ان واقعات کو پڑھ کر آدمی میں اگر عقل و دانش کے اس مقام تک پہنچنے کی استعداد ہو تو نکتہ آفرینی کی صلاحیت اُبھرے گی کیوں کہ دانش مندوں کی ہم نشینی بہت مفید ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کے واقعات بھی ان کی صحبت سے کچھ کم مؤثر نہیں ہوتے۔

یحییٰ ابنِ اکثم نے مامون الرشید کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عقلوں کا باہم موازنہ بڑی دل چسپ چیز ہے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ایسے عجیب وغریب اور حیرت انگیز واقعات پڑھ کر اس شخص کی اصلاح ہوگی جس کا ذہن بات کی تہ تک تو پہنچ نہیں پاتا مگر وہ خود رائی کے زعم میں مبتلا ہے۔

میں نے اس تصنیف کا نام کتاب الاذکیاء تجویز کیا ہے۔ یعنی عقل مند اور ذکی لوگوں کے حالات کی کتاب،، جو ۳۳ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کا ایک مستقل عنوان ہے۔

(۱) عقل کی فضیلت (۲) عقل کی حقیقت

(۳) فہم و ذکا اور ذہانت (۴) ذکاوت کی پہچان۔

(۵) پیغمبروں کی قوی ذہانت (۶) سابقہ امتوں کی ذہانت کے واقعات

(۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن رسا کے بعض واقعات۔

(۸) صحابہ کرام کی ذہانت کے بعض واقعات (۹) خلفاءِ راشدین کی ذہانت کے بعض واقعات (۱۰) وزیروں کی ذہانت و ذکاوت کے واقعے (۱۱) سلاطینِ حکام شاہی مصاحبوں وغیرہ کے ایسے ہی واقعات (۱۲) قاضیوں کی ذکاوت کے

(۱۳) امتِ محمدیہ کے مشہور علماء و فقہا کی ذہانت کے بعض احوال (۱۴) گوشہ نشینوں اور عابدوں کی ذہانت کے واقعات (۱۵) اہلِ عرب کی ذہانت و ذکاوت (۱۶) ذکی لوگوں کے حیلے (۱۷) ایسے حیلے جن کا نتیجہ مقصد کے خلاف نکلا (۱۸) حیلوں کے ذریعہ مصائب سے نجات پانے کے واقعات۔ (۱۹) ایسے الفاظ جن کا لغوی مفہوم کچھ ہو مگر جن سے مراد کچھ اور لی گئی ہو (۲۰) ان لوگوں کے واقعات جو اپنے دشمن پر محض الفاظ کی مدد سے غالب آگئے (۲۱) ان تمام لوگوں کا ذکر جن کی ذکاوت کے سامنے حکّام مغلوب ہو گئے (۲۲) عام لوگوں اور درمیانی طبقے کے ذکی و ذہین لوگوں کے واقعات (۲۳) وہ ذکی لوگ جنھوں نے الفاظ سے ڈھال کا کام لیا۔ (۲۴) شاعروں اور مزاح نگاروں کے احوال (۲۵) جنگ میں استعمال کیے جانے والے حیلے۔ (۲۶) اطبّاء کی ذہانت کے واقعات (۲۷) طفیلیوں اور بن بلائے ہوئے مہمانوں کے بعض واقعات (۲۸) چوروں کی چالاکیاں (۲۹) ذہین بچّوں کے واقعات (۳۱) عقل مند دیوانوں کے واقعات (۳۱) دانش مند اور ذہین و ذکی نیک عورتوں کے واقعات (۳۲) چوپائے جو اپنے بعض احوال میں انسانوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ (۳۳) عرب اور دوسرے دانشمندوں کی کہاوتیں جو جانوروں کے حوالے سے منقول ہیں اور واقعۃً عقل آموز ہیں۔

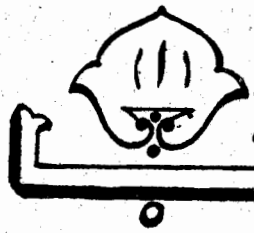

باب (۱۱)

فضیلتِ عقل

(۱) حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ کی خدمت میں ایک مرتبہ یہ سوال پیش کیا کہ ام المومنین! ایسے دو آدمیوں میں سے آپ کے نزدیک کون سا شخص بہتر ہے۔ جو ذکر و نوافل میں مشغول ہو کر شب بیداری زیادہ نہیں کرتا بلکہ رات کا بیش تر حصہ سونے میں گزارتا ہے یا وہ شخص جو کم سوتا ہے، اور شب بیداری زیادہ کرتا ہے، اس پر حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ:

"یہی سوال میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ ان میں وہ آدمی بہتر ہے جو زیادہ سمجھ دار ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضور میرا سوال ان دونوں کی عبادت کے متعلق ہے، آپؐ نے اس پر فرمایا کہ اے عائشہ رضؓ ہاں ان دونوں سے صرف عقل ہی کے بارے میں پرسش ہوگی، جو شخص دنیا و آخرت دونوں کے لحاظ سے عقل مند ہے وہ کم سمجھ آدمی پر فضیلت رکھتا ہے۔"

یعنی عقل مند آدمی وہ ہے جو دنیا ہی کی عقل نہ رکھتا ہو آخرت کی فکر بھی اس کو ہو اور اس کی دور اندیشی نظر دنیا ہی تک محدود نہ ہو بلکہ دوسری دنیا اور موت کے بعد کی زندگی پر بھی ہو اس دنیا میں اچھی زندگی گزارنے کے ساتھ آخرت

کی زندگی کو بھی اچھی بنانے کی کوشش عقلِ صحیح کا تقاضا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے اسلام کو معیاری قرار دینے سے پہلے اس کی عقل کا جائزہ لے لو۔

یعنی اسلام کی پختگی اور اس کی بلند معیاری کا تعلق صرف آدمی کے عمل سے نہیں بلکہ اس کے فہم اور اس کی عقل سے بھی ہے۔ اگر کسی کا نہ فہم درست ہے اور نہ عقل صحیح ہو تو اس کے اعمال میں بھی خرابی پیدا ہو جائے گی اور تم محض عمل کو دیکھ کر غلط فہمی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔

"اللہ نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا کیا وہ قلم ہے پھر نون (دوات) کو پیدا کیا، پھر قلم کو لکھنے کا حکم دیا، قلم نے پوچھا کہ کیا لکھوں؟ اس پر اسے حکم دیا گیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اسے لکھ، اس کے بعد عقل کو پیدا کر کے اسے خطاب کیا اور فرمایا کہ مجھے اپنی عزت کی قسم میں پسندیدہ شخص کو تیرے ذریعہ زینت بخشوں گا اور اس کی خلقت مکمل کروں گا۔ اور ناپسندیدہ شخص کو تیرا تھوڑا حصہ عطا کروں گا۔"

قلم اور دوات کی تخلیق کی یہ حقیقی صورت کچھ بعید نہیں ہے اور اگر تمثیلی کیفیت ہے، تو پھر تو کچھ بھی اشکال نہیں ہے، تاہم اس ارشاد کا حاصل یہی ہے کہ اسلام دینِ عقل ہے، جس کو اللہ نے زیادہ عقل و شعور بخشا ہے اس پر ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں اور جواب دہی کا بوجھ بھی زیادہ ہے۔

(۴) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اللہ نے عقل کو پیدا کرنے کے بعد پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اس نے اس پر عمل کیا پھر آگے بڑھنے کا حکم دیا وہ آگے آگئی اس اطاعت امر پر اللہ نے فرمایا کہ مجھے اپنی عزت کی قسم میری مخلوقات تو سب سے بہتر مخلوق ہے ہم اپنی بخشش اور عطاء میں بھی تیرا لحاظ رکھیں گے اور چیزوں کے واپس لینے میں بھی اور ہم اپنی گرفت اور پرسش میں بھی تجھے ملحوظ رکھیں گے۔

اس ارشاد کا حاصل بھی وہی ہے جو اوپر ۳ کی روایت میں گزر چکا ہے عقل ہی کی بناء پر آدمی میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اطاعت کا مادہ جسمیں زیادہ ہے وہی اللہ کا پسندیدہ ہے۔ عقل نے جس طرح آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے میں اطاعتِ خداوندی کا مظاہرہ کیا وہ دراصل مومنِ کامل کی صفت ہے جس سے فرشتے تک بھی محروم ہیں کہ وہ بڑائی اور نافرمانی کے رجحان تک سے محروم ہیں جب کہ نیکی اور برائی کے درمیان موازنہ کرنے اور صحیح راہ تک پہنچنے کے لیے اللہ نے انسان کو عقل کا وہ آلہ عطا کیا ہے جس کی بدولت انسان اشرف المخلوقات قرار پایا۔

(۵) وہب ابن منبہ کا قول ہے کہ اللہ نے اپنے بعض پیغمبروں کو یہ خبر دی کہ شیطان کے لیے جو چیز سب سے زیادہ گراں ہے وہ ایک مردِ مومن وعاقل کی ذات ہے۔ حالانکہ وہ سو جاہلوں کو گوارہ کرلیتا ہے کیوں کہ وہ بآسانی اس کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ ان جہلاء کی گردنوں پر سوار ہو جاتا ہے جدھر چاہتا ہے انھیں گھماتا ہے جب کہ اسے عقل مند مومن سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے وہ لڑائی میں اسے سخت بھاری پڑتا ہے اور اس دانش مند سے وہ کچھ بھی چھین کر نہیں لے جا سکتا۔

(۶) ان ہی وہب ابن منبہؒ کا مقولہ ہے کہ شیطان کے لیے پہاڑ کی ایک ایک چٹان اور ایک ایک پتھر کو جدا کر کے اس پورے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا بہت آسان ہے لیکن کسی عقل مند مومن سے مقابلہ بہت دشوار ہے کہ مومن اپنی عقل و بصیرت کی وجہ سے شیطان کے لیے پہاڑ سے زیادہ بوجھل اور لوہے سے زیادہ سخت ثابت ہوتا ہے، شیطان کا ہر حیلہ اس کے مقابلے میں ناکام ہوتا ہے اور وہ اپنی ناکامی پر افسوس کرتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اس صاحبِ عقل مومن سے ناامید ہو کر جاہل آدمی کا رُخ کر کے اُسے اپنا قیدی بنا کر اس پر مسلط ہو ہو جاتا ہے اور اسے ایسی جگہ لا پھینکتا ہے جہاں رسوائی اور آخرت کی ذلت سے قبل اس کے لیے بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے نتیجہ میں کبھی وہ اپنی بدکرداریوں کے پاداش میں کوڑوں کی مار کھاتا ہے کبھی سنگ ساری کی سزا پاتا ہے کبھی مُنہ کالا کر کے تشہیر کی جاتی ہے، کبھی ہاتھ پاؤں کے کٹنے کی نوبت آتی ہے اور کبھی پھانسی پر چڑھا دیا جاتا ہے۔

(۷) یہ بھی وہب ابن منبہ کا مقولہ ہے کہ بعض مرتبہ ایک ہی طرح کی نیکی دو آدمی کرتے ہیں لیکن ان میں سے جو زیادہ عقلمند ہوتا ہے وہ اُونچا سے اونچا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اور ان دونوں کے درجوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔

یعنی نیک عمل انجام دینے پر دنیا میں لوگ اچھی نگاہ سے دیکھیں گے اور آخرت میں بھی اس کا اجر ملے گا مگر جو شخص زیادہ عقل مند ہوگا وہ اسی نیک عمل کو اس خوش اسلوبی اور اتنے مصالح کی رعایت سے انجام دے گا کہ اس کی نیک عملی دنیا میں بھی زیادہ سے زیادہ نفع بخش ثابت ہوگی اور آخرت میں بھی اس کا وزن بڑھ جائے گا۔

(۸) یہ وہی وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ :

اے بیٹے ! اللہ کے بارے میں بہت ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے کیوں کہ ایسے ہی آدمی کے اعمال بھی اچھے ہوتے ہیں شیطان بھی عقل مند آدمی سے بھاگتا ہے اور ہرگز اس سے بازی نہیں لے جا سکتا، لہٰذا اے فرزند! سمجھ داری کے ساتھ جو عبادت کی جائے کوئی عبادت اس سے نہیں بڑھ سکتی۔

مطلب یہ ہے کہ خدا کی بندگی میں بھی عقل کی ضرورت ہے، ایسی ہی عبادت اللہ کے یہاں بھی مقبول اور دنیا میں بھی بابرکت ثابت ہوتی ہے۔

(۹) مطرف کا قول ہے کہ بندے کو ایمان کے بعد بہترین چیز جو دی گئی ہے وہ عقل ہے۔

(۱۰) معاویہ بن قرۃ فرماتے ہیں کہ :

سب ہی لوگ حج، روزہ، نماز، عمرہ اور جہاد کرتے ہیں۔ مگر قیامت کے روز ان کو ان کی عقلوں کے مطابق ہی اجر دیا جائے گا۔ یعنی گو افعال سب کے یکساں ہوں گے مگر ان افعال کی ادائیگی میں عقل و دانش کا جتنا استعمال کیا جائے گا، اجر آخرت میں بھی اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔

(۱۱) ابوزکریا کا مقولہ ہے کہ ہر مومن اپنی عقل کے مطابق ہی جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوگا۔

باب ۲

عقل کی حقیقت اور اُس کا مقام

(۱) امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عقل انسان کی حقیقت میں پیوست ہے۔ اس لحاظ سے وہ انسانی طبیعت کا جزو ہے۔

(۲) محاسبی عقل کو نور قرار دیتے ہیں۔

(۳) کچھ اور دانشور کہتے ہیں کہ عقل ایک ایسی قوت ہے جو معلوماتی حقائق کو ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز کر دیتی ہے۔

(۴) بعض لوگوں کے نزدیک عقل لازمی اور ضروری علوم کی ایک نوع اور ایسا علم ہے جس کی بدولت کسی بات کے درست ہونے یا ممکن ہونے یا نا درست اور ناممکن ہونے کا انکشاف ہو سکے۔

(۵) بعض فلسفی عقل کو اپنی اصطلاح میں جوہر بسیط کہتے ہیں۔

(۶) بعض عقل کو ایک شفاف جسم قرار دیتے ہیں۔

(۷) اور سب سے آسان اور سیدھی سچی بات وہ ہے جو ایک دیہاتی نے کہی تھی کہ عقل تجربات کا پنجوڑ ہے جو غنیمت کے طور پر ہاتھ لگ جائے۔

(۸) تجزیہ کرنے کے بعد جو بات نکلتی ہے وہ یہ کہ عقل کو چار مشترک معنیٰ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اوّلاً عقل وہ انسانی وصف ہے، جو اسے چوپایوں اور دوسری مخلوقات سے ممتاز بناتا ہے کہ اس صفتِ عقل کی بدولت انسان کو نظری

علوم حاصل کرنے کی استعداد حاصل ہوتی ہے اور فکر و ذہن کی جولانیوں سے صنعتی اور سائنسی ترقی کی صلاحیت اجاگر ہوتی ہے، جن حکماء نے اسے انسانی طبیعت کا جز قرار دیا ہے اس کا مطلب یہی ہے یعنی وہ ایک ایسی روشنی ہے جو قلبِ انسانی سے نکلتی ہے اور اسی کے ذریعہ سے انسان میں ادراک و استنباط کی صلاحیت ابھرتی ہے۔

دوسرے عقل اس علم کو بھی کہا جاتا ہے جو انسانی طبیعت میں پیدائشی طور پر رکھ دیا گیا ہے جس سے کسی بات کا امکان یا اس کا محال ہونا ثابت ہو۔

تیسرے، تجربات سے حاصل شدہ علم کو بھی عقل کہا جاتا ہے۔

چوتھے طبعِ انسانی میں پیوست اور اس کا جز ہونے کی بنا پر اس کو طبیعتِ عزیزہ کہا گیا۔ اس لیے اس قوتِ عزیزہ کے کمال کو بھی عقل کہا جاتا ہے، اور کمال یہ ہے کہ یہ قوت انسان کی ان خواہشات کو مٹا ڈالے جو عاقبت سے غافل کر کے آدمی کو لذت کوشی اور فوری راحت طلبی کی ترغیب دیتی ہیں، یہ معنیٰ صوفیہ کے نقطۂ نظر سے زیادہ لائق ترجیح اور قرآن و حدیث کے متعدد مضامین سے قریب تر ہیں چنانچہ علماء نے اس کو عقل معاد کہا ہے کہ جو آخرت سے غافل کرنے کے بجائے اس کی فکر اور تیاری کی طرف آدمی کو متوجہ کر دے۔

یہاں عقل کے جو چار معنیٰ بیان کیے گئے ہیں اس میں لوگ یکساں نہیں ہیں بلکہ اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار کے مختلف درجوں اور مختلف سطحوں پر لوگوں کو عقل ملی ہے اور اسی لحاظ سے وہ اس کا استعمال کرتے ہیں۔ ہاں چیزوں کے ممکن و ناممکن ہونے کا جو عقلی تصور انسانی طبیعت میں شامل ہے اس میں درجات کا فرق نہیں، بہرحال یہ ایک باریک بحث ہے جس کی تفصیل کے بغیر اتنی اجمالی بات ہی یہاں بیان کر دینا کافی ہے۔

(۸) ثعلب کہتے ہیں کہ عقل کا لفظ عربی زبان میں دراصل امتناع یعنی روکنے اور باندھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے عَقَلْتُ النَّاقَةَ یعنی میں نے اونٹ (رسی سے) باندھ دیا، یا عَقَلَ بَطَنَ الرَّجُلِ یعنی آدمی کے دست رُک گئے۔

مقامِ عقل امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ عقل انسان کے دماغ میں ہوتی ہے امامِ اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی یہ ہی منقول ہے، امام احمد بن حنبل ہی کے پیروکار کچھ علماء کے نزدیک عقل کا اصل مقام قلب ہے۔ امام شافعیؒ سے بھی یہی بات منسوب ہے اس کی دلیل یہ آیتِ کریمہ ہے فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا اور ایک دوسری آیت ہے لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ یعنی یہاں قلب سے عقل مراد ہے۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلب ہی مقامِ عقل ہے۔

باب ۳

ذہانت فہم اور ذکاوت

ذہانت، یا ذہنِ انسانی دماغ کی وہ قوت ہے جس سے رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ جب نہایت قوی اور اعلیٰ درجے کی ہو تو اس کا نام فہم ہے اور جب فہم کے ساتھ حدس یعنی بات کی تہ تک بہت جلد پہنچنے کی صلاحیت بھی شامل ہو جائے تو اسے ذکاوت کہا جاتا ہے جسے اردو محاورہ میں تُرت بُدّھی کہا جاتا ہے۔ ذکی آدمی کسی بات کو سنتے ہی فوراً اس کے معنی سمجھ لیتا ہے اگرچہ بعض علماء کے نزدیک فہم بھی اسی کو کہتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ ذکاوت سرعتِ فہم اور باریک بینی ہی کا نام ہے۔ اس کے مقابلے میں ذہن کے محدود

ہونے اور بات کی تہ تک نہ پہنچنے کو بَلَادَت اور کند ذہنی کہتے ہیں۔

رجاج نے اس کی لغوی تعریف یہ کی ہے کہ ذکاء کسی چیز کے مکمل ہو جانیکو کہتے ہیں۔ عربی میں اَلذَّکَاءُ فِی السِّنِّ عمر پوری ہو جانے پر بولا جاتا ہے اسی مناسبت سے فہم جب حدّ کمال کو پہنچ جائے اسے اَلذَّکاء فی الفہم کہتے ہیں۔ جب آگ پوری پوری سُلگ جائے تو اس وقت ذَکَیْتُ النَّارَ بولتے ہیں۔ ابوبکر ابن الانباری کہتے ہیں فُلَانٌ ذَکِیٌّ یعنی فلاں شخص عقل کامل اور پوری سمجھ رکھتا ہے۔ اسی لغوی مناسبت سے استعمال ہوتا ہے کہ جب آگ سُلگانے کا کام پورا ہو جائے۔ اور مِسْکٌ ذَکِیٌّ یعنی مشک کی خوشبو فضا میں پوری طرح سرایت کر جائے۔ اسی طرح کہتے ہیں قَدْ ذَکَّیْتُ الشَّاۃَ یعنی جب میں نے بکری کو پوری طرح ذبح کر دیا اور اس کام سے فارغ ہو گیا، غرض اس طرح کی عربی زبان میں بہت سی مثالیں بھی ہیں۔

ذکاء پختگیٔ عقل کو بھی کہتے ہیں جس کو ایک شاعر نے اپنے شعر میں استعمال کیا ہے، اسی طرح زہیر شاعر نے ذکاء کو کمالِ سن اور پختہ عمر کے معنیٰ میں بھی لیا ہے لیکن اس معنیٰ میں ذکاء مد کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ اور آگ پوری طرح سُلگ جانے کے لیے جب یہ لفظ بولتے ہیں تو اس میں ذکاء کے الف پر مد نہیں آتا۔

باب ۲

عقل اور ذکاوت کی پہچان

یہ شناخت اور پہچان دو طرح کی ہے ایک ظاہری اور مادی جس کا تعلق

آدمی کی جسمانی ساخت اور چہرے مہرے سے ہے۔ دوسری معنوی اور حسی جس کا تعلق آدمی کے احوال و افعال سے ہے۔

ظاہری پہچان

حکماء نے کہا ہے کہ اعتدالِ مزاج اور تناسبِ اعضا قوی عقل اور روشن ذہن کی علامت ہے، گردن کی فربہی دماغی قوت کی زیادتی کی دلیل ہے۔ آنکھوں کی تیزی اور جلد جلد نقل و حرکت مکاری، حیلہ بازی اور چوری کی علامت ہے، سیاہ پتلی اچھی سمجھی جاتی ہے۔ سیاہ آنکھ جس میں نہ چمک ہو نہ سرخی اور زردی بھی نہ جھلکتی ہو تو ایسی آنکھ بلند حوصلگی کی علامت ہے، چھوٹی اور اندر دھنسی ہوئی آنکھ مکاری اور حسد پر دلالت کرتی ہیں۔ سُتا ہوا چہرہ سمجھ دار شخصیت اور اہم کاموں پر نظر رکھنے کی دلیل ہے کمزور چہرے اور پست قد سے لطف و مہربانی کی زیادتی معلوم ہوتی ہے۔ درمیانہ قد والے شخص کے حالات اچھے ہوتے ہیں۔

عجلان سے منقول ہے کہ ان سے زیاد نے فرمائش کی کہ کسی عقل مند آدمی کو لے کر آؤ، عجلان نے پوچھا، آپ کیسا آدمی چاہتے ہیں۔ زیاد نے کہا کہ عقل مند شخص چہرہ اور قد دیکھنے کے بعد آدمی کی نظر سے چھپ نہیں سکتا، عجلان کہتے ہیں کہ میں تلاش میں نکلا تو ایک قد آور چرب زبان اور وجیہ آدمی پر نظر پڑی میں اسے زیاد کے پاس لے گیا، تو زیاد نے اس سے کہا کہ کیا آپ ایک معاملے میں مجھے مشورہ دینا پسند کریں گے، اس شخص نے جواب دیا کہ مجھے پیشاب کا تقاضہ ہے۔ ایسی حالت میں میری رائے قابلِ اعتماد نہ ہوگی، زیاد نے یہ سن کر مجھ سے کہا کہ اس شخص کو بیت الخلاء پہنچاؤ جب وہ فارغ ہو کر آیا تو اس نے اشتہار ظاہر کی اور کہا کہ بھوک کی حالت میں جو رائے وہ بھروسہ کے قابل نہیں ہوتی، زیاد نے اسے کھانا کھلوایا اس نے فارغ ہو کر زیاد سے کہا اب جو بات آپکے نزدیک

مشورہ طلب ہو پوچھیے۔

عجلان کا بیان ہے کہ پھر توزیاد نے اس سے جس معاملے میں بھی رجوع کیا اس نے بہت مناسب اور درست جواب دیا۔

یوسف بن حسین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ذوالنون مصری کا یہ قول سُنا کہ تم جس شخص کے اندر یہ پانچ اوصاف دیکھو اس کو سعادت مند سمجھو! چاہے اس کو یہ سعادت مرنے سے کچھ پہلے ہی میسّر آئے۔ لوگوں نے ان پانچ اوصاف کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا:

تناسبِ اعضاء، واعتدالِ مزاج، رُوحِ یعنی خون کا لطیف ہونا۔ عقل کی رسائی، صاف اور نکھری ہوئی توحید، اور پاکیزہ طبیعت،

معنوی پہچان برمحل خاموشی، نیچی نگاہ، مناسب نقل وحرکت ــــ اور عاقبت اندیشی عقل مندی کی دلیل ہے، بہترین عقل وہی ہے جسے خواہشاتِ نفسانی بہکا نہ سکیں جو آخرت کے لحاظ سے نقصاندہ نہ ہوں۔

سچا عقل مند وہی ہے جو خورد ونوش اور قول وفعل میں اسی پہلو کو اختیار کرے جو انجام کے لحاظ سے بہتر ہو اور جس میں نقصان کا اندیشہ ہو اس کو چھوڑ دے۔ اس کام میں لگے جس کو پورا کر سکے۔

حضرت ابو درداء رضؓ فرماتے ہیں کہ عاقل کی یہ علامتیں ہیں کہ وہ بڑوں سے تواضع کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ چھوٹوں کو حقیر نہیں سمجھتا، بات کرتے وقت ڈینگیں نہیں مارتا، مجلس میں آدابِ معاشرت کا لحاظ رکھتا ہے۔ ایسے عقلمند کا تعلق خدا سے کھرا اور پائدار ہو جاتا ہے تو وہ لوگوں کے درمیان اس طرح چلتا پھرتا ہے کہ اس تعلق کی بھنک بھی کسی کو نہ پڑے اور اس تعلق میں کوئی کمی

بھی نہ آئے۔

وہب ابن منبہ سے منقول ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو یہ قیمتی نصیحتیں فرمائیں۔

اے فرزندِ عزیز!!

جب تک یہ دس اوصاف آدمی میں پیدا نہ ہوں اس کی عقل کامل نہیں ہوسکتی۔ (۱) تکبّر اور شیخی سے محفوظ ہونا (۲) نیک باتوں کی رغبت رکھنا۔ (۳) بقدرِ ضرورت اسبابِ دنیا پر قناعت کرنا (۴) زائد از ضرورت سرمایہ اور سامان کو راہِ خدا میں خرچ کر دینا (۵) کبر کے مقابلے میں تواضع کو اچھا سمجھنا (۶) اپنے نفس کو کمتر خیال کرنا (۷) عقل و دانش کی بات کی ہمیشہ جستجو کرنا۔ (۸) اپنی کسی ضرورت کے لیے حکمًا یا جبرًا کسی سے کام نہ لینا (۹) کسی کے معمولی احسان کو بڑا اور اپنے زیادہ احسان کو تھوڑا سمجھنا (۱۰) آخری صفت جو بڑی ہمت کی طلب اور نیک نامی بخشنے والی ہے وہ یہ کہ دنیا کو اپنے سے بہتر اور خود کو ان سے کم تر سمجھنا۔ نیز یہ کہ کسی کی اپنے سے اچھی حالت پائے تو اس پر خوش ہو اور اس کے اچھے اوصاف کو خود اختیار کرنے کی کوشش کرے اور کسی کے احوال بُرے دیکھے تو انجام پر دھیان دے کہ شاید اللہ تعالٰے اس کو نجات دے اور ہم کسی جُرم کی پاداش میں پکڑے جائیں۔ یہ اوصاف جس میں پیدا ہو جائیں تو سمجھو کہ اسے عقلِ کامل مل گئی۔

مکحول نے حضرت لقمان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

اے فرزند!

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے اور مخدومِ عالم بننے کی وجہ محض حسنِ عقل ہے، جس کی عقل اعلیٰ ہوگی وہ اس کی غلطیوں کے لیے پردہ پوش

ہوجائے گی اور اس کی کوتاہیوں کی تلافی کردے گی جس سے اسے رضائے خداوندی نصیب ہوگی۔

مہلب بن ابی صفر کا قول ہے کہ آدمی کی عظمت اسی سے ہے کہ عقل زبان سے بڑھ کر ہو نہ کہ زبان عقل سے زیادہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ بات کہنے سے پہلے سوچے اور سوچ کر منھ سے نکالے ایسا نہ ہو کہ بے سوچے سمجھے بات کہہ دے اور پھر سوچے تو پچھتانا پڑے۔

باب ۵

انبیاء کی ذہانت کے چند واقعات

یہ بات معلوم اور مسلم ہے کہ پیغمبروں کو ذہانت کا سب سے بڑا درجہ ملتا ہے حسب ذیل ..... بعض واقعات سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی اہلیہ حضرت سارہؓ نے یہ محسوس کیا کہ حضرت ابراہیم بحیثیت شوہر حضرت ہاجرہ کی طرف زیادہ مائل ہیں تو بشریت کے تقاضے سے طبعی طور پر حضرت سارہ میں جذبۂ غیرت پیدا ہوا اور اس نے اتنی شدّت اختیار کی کہ اسی حالت میں انھوں نے قسم کھالی کہ وہ ہاجرہ کا کوئی عضو ضرور کاٹ کر چھوڑیں گی، حضرت ہاجرہؓ کو یہ معلوم ہوا تو اپنی حفاظت کے خیال سے ذرہ پہننی شروع کردی جس کے دامن بھی بہت لمبے رکھے اس طرح گویا انہوں نے ہی سب سے پہلے عورتوں کے لباس میں لمبے دامن کا اضافہ کیا، اس لمبے چوڑے دامن کا منشا یہ تھا کہ وہ جب اس دامن کو گھسیٹتے ہوئے چلیں گی تو ان کی آمد و رفت کے نشان زمین پر نہیں رہیں گے۔ اور حضرت

سارہؓ کو ان کے آنے جانے کا علم نہ ہو سکے گا، اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؓ سے فرمایا کہ اگر تم خیر کی طالب ہو تو معاملہ اللہ پر چھوڑ دو اور ہاجرہؓ کے خیال سے باز آؤ، مگر سارہؓ قسم کھا چکی تھی۔ کہنے لگیں کہ یہ قسم کیسے پوری ہوگی، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تم گوشت ہی کاٹنا چاہتی ہو تو اسی جگہ کا گوشت کاٹو جس سے کوئی بدنمائی نہ پیدا ہو۔ بلکہ عورتوں کے لیے اس کی قطع برید بہتر ہے۔ اس لیے یہ طریقہ عورتوں میں رائج ہو جائے گا اور تمھاری قسم کے پورے ہونے کی صورت بھی پیدا ہو جائے گی۔

چنانچہ یہ بات حضرت سارہ کی سمجھ میں آگئی اور انہوں نے حضرت ہاجرہ کی ختنہ کر کے اپنی قسم پوری کر لی، اس وقت سے عربوں میں ختنہ کا طریقہ رائج ہو گیا۔ حتیٰ کہ عہدِ اسلام میں بھی باقی رہا، مگر اسلام نے ختنہ کی سُنّت کو مردوں کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ عورتوں کے لیے ضروری نہیں سمجھا، گویا حضرت ابراہیمؑ نے انتہائی ذہانت سے کام لے کر حضرت سارہ کی قسم کو ٹوٹنے سے بھی بچایا اور حضرت ہاجرہ کو بھی اس قسم کی تکمیل کے نتیجے میں کسی بڑی تکلیف اور جسمانی بدنمائی سے محفوظ رکھا۔

(۲) یہ روایت بھی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت اسماعیلؑ نے قبیلۂ جرہم میں جب پہلی شادی کی تو حضرت ابراہیمؑ بیٹے سے ملنے کے لیے مکّے آئے گھر پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اسماعیل علیہ السّلام تلاشِ معاش میں کہیں نکلے ہوئے ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے گھر کے حالات، خیریت اور کیفیت معلوم کی تو حضرت اسماعیلؑ کی بیوی نے تنگ حالی اور معاشی پریشانی کی شکایت کی، حضرت ابراہیمؑ نے چلتے وقت فرمایا کہ اپنے شوہر سے ہمارا سلام پہنچا کر یہ کہہ دینا کہ گھر کی چوکھٹ بدل دیں۔ بیوی نے حضرت اسماعیلؑ سے ان کے واپسی کے بعد باپ کا یہ پیغام

پہنچا دیا۔ حضرت اسماعیلؑ یہ بات سُن کر والد کی مراد کو پا گئے، اور بیوی سے کہا کہ وہ میرے باپ ابراہیمؑ تھے اور وہ گویا تجھے طلاق دینے کا حکم دے گئے ہیں۔

اس روایت سے اس خانوادۂ نبوت کی دونوں شخصیتوں یعنی باپ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام اور بیٹے یعنی حضرت اسماعیلؑ کی اعلیٰ درجے کی ذہانت ظاہر ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سلیمانؑ کے متعلق روایت نقل کی ہے کہ دو عورتیں شریک سفر تھیں۔ ہر ایک کے پاس شیر خوار بچہ تھا، اتفاق سے ایک عورت کے بچے کو بھیڑیا اٹھا لے گیا، دوسرے بچے پر ان دونوں عورتوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کا بچہ ہے۔ مقدمہ حضرت داؤدؑ کی کچہری میں پہنچا، انھوں نے بڑی عمر والی کے حق میں فیصلہ دے دیا، اگرچہ گواہ یا ثبوت ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی موجود نہ تھا۔ جب عورتیں عدالت سے لوٹیں تو حضرت سلیمانؑ نے معاملے کی نوعیت پوچھی تو انھوں نے تفصیل بتائی، اس پر انھوں نے کہا کہ انصاف کا فیصلہ تو اسی طرح ہوگا کہ اس بچے کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں، لہٰذا چاقو لاؤ تاکہ میں اس کی صحیح تقسیم کر دوں، یہ سن کر چھوٹی عمر والی عورت نے حضرت سلیمانؑ سے پوچھا کہ کیا آپ واقعی بچے کو دو ٹکڑے کر دیں گے، انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، اس پر وہ بولی کہ تو اچھا آپ یہ بچہ اسی عورت کے پاس رہنے دیجیے جس کے حق میں حضرت داؤدؑ نے فیصلہ کیا ہے میں اپنا حق اسی کو بخشتی ہوں۔ اس کی یہ بات سن کر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ بس اب اصلیت ظاہر ہو گئی، بچہ درحقیقت اسی چھوٹی کا ہے، چنانچہ بڑی سے لے کر وہ بچہ اس کو دلوا دیا، پورا قصہ بخاری و مسلم شریف میں موجود ہے۔

(۴) عبیداللہ بن عبید بن عمر سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ نے ایک سرکش جن کو گرفتار کر کے اپنے دربار میں بلوایا جب وہ دروازے پر آیا تو اس نے

اپنے ہاتھ کے برابر ایک خشک لکڑی دیوار کے اوپر سے اس طرح پھینکی کہ وہ حضرت سلیمانؑ کے سامنے جاکر پڑی، اُنھوں نے جب تحقیق کی کہ گرفتار شدہ جن کی یہ حرکت ہے تو آپ نے درباریوں سے فرمایا کہ اس بات سے وہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ تم میرے ساتھ جو معاملہ چاہے کرو مگر ایک دن تمھاری حیثیت بھی میرے سامنے ایسی ہو جائے گی جیسی یہ لکڑی ہے کہ زمین سے ہری بھری نکلی تھی پھر خشک ہو کر مردہ ہو گئی۔

(۵) حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ ایک بار حضرت سلیمانؑ اپنے درباریوں کے ساتھ گزر رہے تھے کہ انھوں نے ایک عورت کو دیکھا جو اپنے بیٹے کو یا لاذین کہہ کر پکار رہی تھی وہ اس پر چونکے اور ٹھہر کر اس عورت کو قریب بلوا کر پوچھا کہ اللہ کا دین تو ظاہر ہے تو ایسا جملہ کیوں کہہ رہی ہے اس نے جواب دیا کہ میرا خاوند کاروبار کے سلسلے میں باہر گیا تھا اس کے ایک شریک نے آکر بتایا کہ میرے خاوند کا انتقال ہو گیا اور یہ وصیت کر گیا کہ اگر میرے ہاں لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام لاذین رکھنا، یہ سُن کر حضرت سلیمانؑ نے اس شخص کا کھوج لگایا اور بلوا کر معلومات کیں آخر اس نے تسلیم کیا کہ اس عورت کے خاوند کو اس نے جان سے مار دیا تھا، چنانچہ اس کے قصاص میں حضرت سلیمانؑ نے اس شخص کو قتل کر دیا

(۶) محمد بن کعب القرظی کی روایت ہے کہ ایک بار حضرت سلیمانؑ سے ایک شخص نے شکایت کی کہ اے اللہ کے نبی، میرے بعض پڑوسی میری بطخ چرا لیتے ہیں، حضرت سلیمانؑ نے اس پر لوگوں کو جمع کرنے کے لیے نماز کا اعلان کر دیا اور جب لوگ جمع ہو گئے تو خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص پڑوس کی بطخ چراتا ہے اور مسجد میں جب آتا ہے تو بطخ کا پر اس کے سر پر لگا ہوتا ہے۔

یہ بات سن کر جو شخص چور تھا اس نے فوراً اپنے سر پر ہاتھ پھیرا، حضرت سلیمانؑ نے اسی وقت اسے پکڑ لینے کا حکم دیا کہ بس یہی بطخ کا چور ہے۔

(۷) شیطان نے ایک بار حضرت عیسیٰؑ سے کہا کہ تمہارا عقیدہ تو یہی ہے نا کہ جو کچھ خدا نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی ہوتا ہے حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا کہ ہاں یہی عقیدہ ہے۔ اس پر وہ بولا کہ تو پھر اس پہاڑ سے اپنے کو نیچے پھینک دو۔ اگر خدا نے تمہاری تقدیر میں زندگی طے کر دی ہے تو پھر تمہاری موت کا کیا سوال!

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا مردود!! بندے کی آزمائش کرنے کا حق خداوند قدوس کو تو ہے مگر خدا کا امتحان لینے کا بندہ بالکل مجاز نہیں۔

باب ۶

پچھلی اُمتوں کی دانشمندانہ باتیں

(۱) حضرت لقمان، لقمان حکیم کے نام سے مشہور تھے، افریقہ کی نوبی قوم سے تعلق رکھنے کی بنا پر سیاہ فام تھے اور ایک یہودی کے غلام تھے۔ مگر خدا نے حکمت و دانش عطا کی تھی۔ اس یہودی نے انھیں ساڑھے ۴ مثقال کے عوض خریدا تھا، لقمان حکیم دن رات ان کی خدمت میں لگے رہتے وہ چوسر کھیلنے اور بازی لگانے کی لت میں مبتلا تھا۔

اس یہودی کا مکان ایک نہر کے کنارے پر تھا، چنانچہ ایک روز وہ اسی شرط پر چوسر کھیلا کہ ہارنے والے کو نہر کا سارا پانی پینا پڑے گا یا اپنا فدیہ ادا کرنا پڑے گا اتفاق سے لقمان حکیم کا آقا ہار گیا تو جیتنے والے نے شرط پوری کرنے کا

مطالبہ کیا کہ یا تو سارا پانی پیو یا فدیہ دو، ان کے آقا نے پوچھا کہ فدیہ کیا ہوگا اس پر جیتنے والے نے کہا کہ فدیہ تیری دونوں آنکھیں ہیں جنھیں میں پھوڑونگا یا جو کچھ تیرے پاس ہے وہ سب میں تجھ سے لے لوں گا۔ اس پر اس نے ایک دن کی مہلت مانگی اور اسی بات کی سوچ میں رہا کہ اس پریشانی سے کیسے چھٹکارا پاؤں، کچھ دیر بعد لقمان حکیم لکڑیوں کا گٹھا کمر پر لٹکائے ہوئے پہنچے، انہوں نے آقا کو سلام کر کے گٹھا اتار کر رکھا اور آقا کے پاس آئے ان کے آقا کا معمول تھا کہ ان کی باتوں سے دل بہلایا کرتا، اور ان کی حکیمانہ باتیں سُن کر اسے بہت تعجب ہوتا، چنانچہ اس وقت بھی لقمان حکیم نے آقا سے ہمدردانہ باتیں کیں اور اسے متفکر اور غمگین دیکھ کر اس کی وجہ پوچھی تو خاموشی اختیار کی آخر جب انھوں نے کہا کہ آپ اصل بات مجھے بتا دیجیے، ممکن ہے کہ آپ کی مشکل حل کر سکوں، تب ان کے آقا نے تفصیل بتائی، پھر لقمان حکیم نے کہا کہ آپ فکر نہ کیجیے، اس کا حل یہ ہے کہ جب بازی جیتنے والا شرط پوری کرنے کے لیے نہر کا سارا پانی پینے کا مطالبہ کرے تو پہلے اس سے یہ معلوم کرنا کہ نہر کے دونوں کناروں کے درمیان جو پانی ہے یا نہر کی لمبائی کا، مگر وہ ضرور کناروں کے درمیان کا پانی پینے کا مطالبہ کرے گا اس وقت اس سے یہ بات کہو کہ جب تک میں درمیان کا پانی نہ پی لوں اس وقت تک وہ نہر کا آگے بہنے والا پانی روکے رکھے، لیکن یہ بات اس کے لیے محال ہے۔ لہٰذا تم پر شرط پوری کرنے کی ذمے داری نہ رہے گی، لقمان کی اس تدبیر سے ان کے آقا کی پریشانی دور ہوئی اور اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

چنانچہ اس یہودی نے لقمان حکیم کی اس تدبیر پر عمل کر کے شرط جیتنے والے کو چپ کر دیا اور اس ناممکن شرط کی تکمیل سے نجات پائی۔

مکحولؒ کہتے ہیں کہ اس خوش تدبیری کے عوض لقمان حکیم کو ان کے آقا نے غلامی سے آزاد کر دیا۔

(۲) محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اے لختِ جگر! تم کسی کے ساتھ بھائی چارہ چاہو تو پہلے ذرا اسے غصہ دلاؤ۔ اگر غصے میں بھی اس نے انصاف کی بات کی تو پھر اس لائق ہے کہ اس سے بھائی چارہ قائم کرو، ورنہ اس سے بے نیاز ہو جاؤ۔

(۳) عبداللہ بن ازدی وادی سبا کے رہنے والے تھے، انصارِ مدینہ انہی کی اولاد ہیں اور انھوں نے اپنی اولاد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپؐ کا ساتھ دینے کی وصیت اور حضورؐ کی بعثت کی پیشین گوئی کی تھی ان ہی عبداللہ بن ازدی نے سبا کے مشہور بند کو محفوظ رکھنے کی تدبیر اپنی قوم کو بتائی تھی۔

قرآنِ کریم میں اس کا ذکر اس آیت میں ہے لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ، جس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ:

"وادیٔ سبا میں بسنے والوں کو اللہ نے ہرے بھرے باغات دیے تھے دیے تھے جن پر گرمی و سردی ہر موسم میں پھل آتے تھے لیکن انہو انہوں نے کفرانِ نعمت کیا اور بدکاریوں میں مبتلا ہو گئے اس کی پاداش میں خداوندِ قدوس نے سَیْلَ عَرِمْ یعنی عَرِم کا سیلاب بھیج دیا جس سے عرم کا وہ بند ٹوٹ گیا جو پہاڑوں کے بیچ میں بنایا گیا تھا۔"

اس مضبوط بند کی تباہی کی صورت یہ ہوئی کہ بند کے ایک جانب سے یہ لوگ آب پاشی کا کام لیتے تھے اس کی دوسری جانب اللہ نے ایسے بڑے بڑے جنگلی چوہے پیدا کر دیے جن کے پنجے اور دانت لوہے کی طرح تھے۔ ان

چوہوں نے اس بند کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن عامر ازدی اسی وادی کے رہنے والے تھے وہ اتفاق سے پہاڑ پر چڑھے تو ان کی نظر اس پر پڑی کہ یہ بڑے بڑے عجیب و غریب چوہے پنجوں سے بند کے نیچے کی زمین کھود رہے ہیں اور دانتوں سے بند کے سنگین تختوں کو کاٹ رہے ہیں انھوں نے بند کی پچھلی جانب یہ حال دیکھا تو آکر اپنے گھر والوں کو بتایا اور پھر اپنی سب اولاد کو لے جا کر بند کی یہ سب کیفیت دکھائی اہلِ سبا کو بند کے ان چوہوں کی بابت معلوم ہوا تو انھوں نے ان چوہوں کو بھگانے کی بہت سی تدبیریں کیں جو ناکام ہو گئیں، آخر میں یہ تدبیر کی کہ بلیوں کو لا کر وہاں چھوڑا گیا، مگر چوہے بلیوں سے کیا ڈرتے بلیاں ہی ان چوہوں کو دیکھ کر بھاگ نکلیں۔

عبداللہ بن ازدی نے اپنے متعلقین اور اولاد کو یہ سب باتیں سُنا کر یہ کہا کہ اب اس بند کو کسی طرح ٹوٹنے سے نہیں روکا جا سکتا کیوں کہ اللہ کا حکم معلوم ہوتا ہے لہٰذا اب یہاں سے نکل چلنے کا کوئی حیلہ کرو۔

یہ عبداللہ بن عامر ازدی اپنے قبیلے کے نہایت سربرآوردہ اور باعزت تھے۔ روزانہ قبیلے کے عزت دار اور بڑے بڑے لوگ شام کے وقت ان کے یہاں چوپال میں جمع ہوتے، انہوں نے اپنی سب اولاد کو جمع کر کے اپنے چھوٹے بیٹے کو خطاب کر کے کہا، آج جب سب لوگ بیٹھک میں آکر بیٹھیں تو میں تمھیں کسی کام کے لیے کہوں گا تم اس کو لاپروائی سے ٹال دینا، اس پر تمھیں کچھ بُرا بھلا کہوں گا تو تم میرا سامنا کرنا اور میرے تھپڑ مار دینا اور اس منظر کو تم باقی سارے طائی خاموشی سے دیکھتے رہنا، جب مجلس کے لوگ یہ دیکھیں گے کہ چھوٹے لڑکے کی حرکت پر تم میں سے کوئی بھی نہیں بولا تو پھر ان میں سے بھی کوئی کچھ

کہنے کی جرأت نہ کرے گا، بس ٹھیک اسی وقت میں وہ قسم کھاؤں گا جس کا کوئی کفارہ نہ ہو سکے گا۔ میں قسم کھا کر کہوں گا کہ:

"میں ایسی قوم میں ہرگز نہ رہوں گا جہاں چھوٹا بیٹا باپ کے منہ پر اٹھ کے تھپڑ مار دیتا ہے اور قوم کے ذمے داروں میں سے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیتا، گویا انھوں نے اس طرزِ عمل کی تائید کی اور سب نے اس کو بالاتفاق تسلیم کر لیا۔"

دوسرے روز معمول کے مطابق جب لوگ بیٹھک میں جمع ہوئے اور عبداللہ نے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنایا تو بیٹے کے تھپڑ مارنے پر لوگوں کو بہت اچنبھا ہوا مگر جب عبداللہ کے دوسرے بیٹوں کو انھوں نے خاموش پایا تو وہ بھی چپ چاپ یہ نظارہ دیکھتے رہے اور سر جھکائے بیٹھے رہے، اس وقت عبداللہ بن عامر ازدی نے قسم کھائی کہ اب میں یہاں سے ہجرت کر جاؤں گا اور ان لوگوں میں نہ رہوں گا جنھوں نے اولاد کو مقابلہ کرتے دیکھا اور ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اس پر ان لوگوں نے معذرت کی کہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ لڑکے کی اس غلطی کا زیادہ اثر نہ لیں گے اس بنا پر ہم دخل اندازی سے باز رہے۔

عبداللہ نے کہا کہ بس اب تو جو ہونا تھا ہو چکا، تم دیکھ چکے اب تو یہاں سے نکل جانے کا معاملہ طے ہے، چنانچہ اس گفتگو کے بعد انہوں نے اپنا گھریلو سامان نکال نکال کر لوگوں کے سامنے فروخت کرنے کے لیے ڈھیر لگا دیا، اچھا سامان دیکھ کر بستی کے لوگوں نے خوب بڑھ چڑھ کے بولی لگائی، آخر کار یہ اپنے سامان کی اچھی خاصی قیمت وصول کر اہل وعیال سمیت وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

عبداللہ ابن عامر ازدی کو یہاں سے گئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ بند چوہوں کی نذر ہو گیا اور ایک دن اچانک ٹوٹ گیا، رات کا وقت تھا،

سب لوگ پڑے سو رہے تھے کہ سیلاب نے آناً فاناً سوتوں کو گھیر لیا، ان کے گھر، مویشی اور سامان کو تنکے کی طرح بہالے گیا، اس وادی کی ساری آبادی برباد، اور بستیاں اجڑ گئیں اور وادیٔ سبا کے لوگوں کے بچے کھچے کھنڈر بعد کے آنے والوں کے لیے داستانِ عبرت بن گئے۔

باب ۲

وہ ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو آپؐ کی فطری ذہانت کی واضح دلیل ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت پیغمبر جو کمالات اور رازِ روئے وحی جو ترقی حاصل ہوئی وہ ہمارا موضوع نہیں کہ ان کا شمار کرنا ہی مشکل ہے یہاں صرف ذہانت کی پہلی قسم یعنی طبعی فطانت کے بارے میں خاص خاص واقعات کا اظہار مقصود ہے۔

(۱) حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ غزوۂ بدر میں جب ہم لوگ نکلے تو ہم نے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے قریب دو آدمی لگے ہوئے ہیں، ہم نے ان کا تعاقب کیا تو پتہ چلا کہ ایک قریشی شخص ہے اور دوسرا عقبیٰ ابن محیط کا ایک غلام ہے، قریشی تو کہیں روپوش ہوگیا، مگر غلام ہمارے ہاتھ آگیا۔ ہم نے اس سے پوچھ تاچھ شروع کی، ہم دشمن کی تعداد کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے مگر وہ یہی کہتا رہا کہ خدا کی قسم ان کا لشکر بے شمار ہے، ان کی تعداد بہت ہے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں نے حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے مار پٹائی بھی کی حضورؐ کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا، حضورؐ نے بھی اس سے کفار کی تعداد کو

پوچھنا چاہا مگر اس کا ایک ہی جواب تھا کہ وہ بہت ہیں۔ اس مجمل جواب سے اصل مسئلہ حل ہونا مشکل تھا۔ اسی لیے حضورؐ نے ایک ترکیب سے حقیقت دریافت فرمائی وہ یہ کہ اس سے یہ پوچھا کہ لشکر میں کتنے اونٹ ذبح ہوتے ہیں۔ اس پر غلام نے کہا کہ روزانہ دس اونٹ ذبح ہوتے ہیں، تب حضورؐ نے فرمایا کہ بس معلوم ہو گیا کہ ایک ہزار کے لگ بھگ ہیں کہ ایک اونٹ تقریباً سو آدمیوں کے لیے کفایت کرتا ہے۔ دس اونٹ ایک ہزار آدمی کے لیے کافی ہوتے ہوں گے۔

(۲) کعب بن مالک سے منقول ہے کہ کبھی کبھی کسی غزوہ کے موقع پر حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر کے بارے میں سمتِ سفر کے خلاف چلنے کا اشارہ فرماتے۔ مثلاً اگر مشرق کی جانب کا سفر ہوتا مغرب کی طرف جانے کا ارادہ فرماتے تاکہ دشمن اور منافق غلط فہمی میں پڑ کر آپ کی جنگی حکمتِ عملی کے نتیجے میں شکست کھا جائیں اور اسلام کے فروغ اور استحکام میں اس سے مدد مل سکے، یہ روایت بخاری اور مسلم میں آئی ہے۔

(۳) ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ شراب کی حرمت میں پہلے ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا کہ اے لوگو! تمھیں اللہ تعالیٰ شراب سے بچانا چاہتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلد ہی شراب کے بارے میں کوئی وحی نازل ہوگی تو جس کے پاس شراب کا ذخیرہ ہے وہ اس کو دے کر لاکر جو کچھ اس کے عوض حاصل کر سکتا ہے کر لے۔

چنانچہ حضورؐ کے ارشاد کے کچھ ہی دنوں کے بعد شراب حرام کر دی گئی۔ جسے آیتِ حرمت شراب کا علم ہو جائے اور اس کے پاس شراب موجود ہو تو اب نہ تو اسے پیئے اور نہ فروخت کرے۔ حرمت کا یہ حکم سنتے ہی لوگ اپنے شراب کے ذخیرے گھروں سے نکال لائے اور اطاعتِ نبوی کے نتیجے میں

اپنی ساری شراب باہر گلیوں میں بہا ڈالی، یہ روایت مسلم شریف میں ہے۔
اس سے ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے الہاماتِ ربانی کی نوعیت سے یہ سمجھ لیا کہ شراب کے متعلق آئندہ کیا احکامات آنے والے ہیں۔ اس لیے پہلے سے لوگوں کو اس کے بارے میں خبردار کر دیا تاکہ عین اس وقت جب شراب کی قطعی بندش کا حکم آئے تو اس کی تعمیل میں کسی قسم کی تاخیر نہ ہو۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میرا ایک پڑوسی مجھے بہت تکلیف پہنچاتا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اچھا تو جا کر اپنے گھر سے سامان نکال نکال کر راستے پر رکھ دے۔ اس شخص نے جا کر یہی کام شروع کر دیا، لوگوں نے دیکھا تو اکٹھے ہو گئے اور اس کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ ایک پڑوسی سے مجھے بہت ایذا پہنچتی ہے۔ میں نے حضورؐ سے اس کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنا سامان اٹھا کر باہر راستے پر رکھ دو۔ میں نے حضورؐ کے اسی مشورے پر عمل کیا ہے لوگوں نے یہ سن کر اس کے پڑوسی کو لعن طعن شروع کیا پڑوسی کو اس کی خبر پہنچی دوڑا آیا اور اس شخص سے معافی تلافی کی اور عہد کیا کہ وہ واپس چلا آئے۔ آئندہ کیلیے اُسے نہ ستانے کی قسم کھائی۔

(۴) زید بن اسلم سے منقول ہے کہ حضرت حذیفہ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ روزِ حشر ہم خدا سے آپ کی شکایت کریں گے کہ انہوں نے صحبتِ رسولؐ کا فیض پایا، وہ مقدس زمانہ دیکھا اور ہم محروم رہ گئے، آپؐ نے زیارت کی اور ہمیں نصیب نہ ہوئی، یہ بات سُن کر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ یہ بات ہے تو پھر ہم اللہ سے یہ شکایت کریں گے کہ ان لوگوں کو ہم سے افضل ایمان مملا حالاں کہ انھیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار میسّر نہیں آیا اور پھر یہ آپ پر ایمان لائے۔

اے میرے بھتیجے! خدا کی قسم! تجھے کیا معلوم کہ اگر تو عہدِ رسالت میں ہوتا تو تیرے اعمال کیسے ہوتے، تمھیں پتہ ہے کہ ہم غزوۂ خندق کی رات میں رسول اللہ ﷺ کے ہم راہ تھے، یہ رات بہت ٹھنڈی، بڑی اندھیری اور ہولناک تھی، سامنے میدان میں ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لیے موجود تھا اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دشمن کے حالات معلوم کر کے آئے اور ہمیں ان سے مطلع کرے اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائے گا۔ سب لوگ خاموش رہے، اور کوئی شخص نہیں اٹھا، حضور ﷺ نے پھر فرمایا، کون ہے جو ہمیں دشمن کے حالات کا پتہ چلا کر بتائے، اسے آخرت میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کی رفاقت نصیب کرے گا، اس پر کوئی نہ اٹھا اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ آپؐ حذیفہؓ کو بھیجدیجیے۔ تب حضورؐ نے مجھے خطاب فرمایا کہ اے حذیفہ! میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حاضر ہوں، میرے والدین آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم جانے کے لیے تیار ہو، میں نے عرض کیا، واللہ! یا رسول اللہ! مجھے نہ مارے جانے کی پروا ہے نہ پکڑے جانے کی آپؐ نے فرمایا تم ہرگز گرفتار نہیں ہو سکتے، میں نے عرض کیا تو پھر اب آپؐ جو حکم مجھے دینا چاہیں اس کے لیے میں تیار، آپؐ نے فرمایا کہ تم جا کر دشمنوں کی صف میں گھس جاؤ اور قریش کے لوگوں کے پاس جا کر ان سے خطاب کر کے کہو کہ اے قریشیو!

" لوگوں کا خیال ہے کہ کل وہ تمھیں آواز دیں گے اور کہیں گے کہ قریش کہاں ہیں، ہمارے سردار کہاں ہیں، لوگوں کے رہنما کدھر ہیں، پھر لوگ تمھیں ہی آگے رکھیں گے تاکہ آغازِ جنگ تم ہی سے ہو اور پہلے تم ہی مارے جاؤ، اس کے بعد اے حذیفہ تم قبیلہ قیس کے لوگوں کے پاس جا کر ان سے کہو کہ۔

اے قیس والو! لوگوں کا ایسا خیال ہے کہ کل صبح وہ تمھیں پکار کر کہیں گے، کہاں ہیں گھوڑے سوار! کہاں ہیں شہسوار! پھر وہ تمھیں جنگ میں آگے بڑھا دیں گے تاکہ لڑائی کی ابتدا تمھیں سے ہو اور پہلے تم ہی لوگ کام آؤ۔

حذیفہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد سُن کر میں دشمنوں کی طرف چل دیا، اور ان کے لشکر میں پہنچکر آگ کے الاؤ پر لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر تاپنے لگا اور جو بات حضورؐ نے مجھ سے فرمائی تھی اس کے مطابق لوگوں سے کہنے سننے لگا جب صبح ہونے کو آئی تو ابوسفیان نے اٹھ کر بتوں کی قسم کھائی اور پکار کر لوگوں سے کہا ہر آدمی ہوشیار رہے اور یہ دیکھے کہ اس کے برابر دوسرا شخص کون بیٹھا ہے کیوں کہ میرے پاس ان ہی مسلمانوں میں کا ایک شخص بیٹھا آگ تاپ رہا تھا حذیفہ کہتے ہیں، یہ سن کر میں نے جھپٹ کر اپنے برابر والے کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو اس نے بتایا کہ میں فلاں ہوں اور فلاں شخص کا لڑکا ہوں تب میں نے کہا کہ یہ تو اپنا آدمی ہے، آخر کو صبح ہوئی تب لوگوں نے آواز دی کہ قریش کدھر ہیں، لوگوں کے سردار کہاں ہیں، تیر انداز کدھر ہیں، تب لوگوں نے کہا واقعی رات جو ہمیں اطلاع ملی تھی وہ صحیح تھی چنانچہ وہ اب آپس میں ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنے لگے اور اسی رات میں اللہ نے ان پر آندھی بھیجدی جس سے نہ کوئی خیمہ سلامت رہا اور نہ کوئی برتن الٹے بغیر رہا، حتیٰ کہ ابوسفیان کا حال میں نے یہ دیکھا کہ وہ اپنی اونٹنی کے پاس جھپٹ کر پہنچا مگر ہوا کے زور سے سیدھا کھڑا نہ رہ سکا، آخر میں اپنا کام پورا کر کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، جب میں نے پورا واقعہ بیان کر کے ابوسفیان کا حال حضورؐ سے عرض کیا تو سُن کر آپؐ کو اتنی ہنسی آئی کہ آپؐ کے دندانِ مبارک نظر آنے لگے۔ اور مجھے آپؐ کی ڈاڑھیں تک دکھائی دینے لگیں۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ میدانِ جنگ میں حضورؐ نے کیسی اعلیٰ درجے کی جنگی تدابیر اختیار فرمائی اور محض چند جملوں کو بر محل استعمال کر کے بغیر کسی ہتھیار اور بغیر کسی فوجی نقل و حرکت کے دشمنوں کو واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

(۵) حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص ایک دوسرے آدمی کو پکڑ لایا جس نے اس کے کسی عزیز کو مار دیا تھا۔ حضورِ اکرمؐ نے پوچھا کہ تم اس قتل کے بدلہ میں خون بہا، قتل کا مالی معاوضہ چاہتے ہو اس نے عرض کیا حضورؐ نہیں، پھر آپؐ نے فرمایا تو کیا اس قاتل کو معاف کرتے ہو! اس شخص نے کہا کہ حضرت میں معاف کرنا نہیں چاہتا، تب آپؐ نے حکم دیا کہ اچھا تو اس قاتل کو لیجا کر قتل کر دو، یہ سُن کر وہ مدعی وہاں سے چل دیا، اس وقت آپؐ نے حاضرینِ مجلس سے فرمایا اگر اس شخص نے اس کو قتل کر دیا تو وہ بھی اسی قاتل کے درجے میں آجائے گا، حضورِ اکرمؐ کا یہ ارشاد کسی نے جا کر اس شخص کو سنا دیا تو اُس نے فوراً اس قاتل کو چھوڑ دیا جب کہ وہ اسے گردن میں رسّی باندھے کھینچے لیے جا رہا تھا۔

حضورِ اکرمؐ کے ارشاد کا مطلب یہ نہیں تھا کہ جس طرح قاتل ایک بے گناہ کے مارنے کا مجرم اور سزا کا مستحق ہے اسی طرح مدّعی بھی خطاوار ہو جائے گا۔ بلکہ منشا یہ تھا کہ جب اس قاتل سے قصاص اور بدلہ لے لیا تو اب بات ختم ہو گئی، جرم کا بدلہ لینے کے بعد وہ شخص اب گنہگار اور مجرم نہ رہا، اور جہاں تک ایک آدمی کی جان لینے کا تعلق ہے تو اس معاملے میں دونوں برابر ہو جائیں گے۔

حضورؐ چوں کہ اپنی ذات سے رحمۃ للعٰلمین تھے قتل و قصاص بالعموم آپکو پسند نہ تھا۔ اس لیے آپؐ نے یہ سمجھا کہ بظاہر یہ مدعی معاف کرنے پر تیار نہیں ہے ایسا جملہ فرمایا کہ جس سے دو طرح کا مفہوم نکلتا ہے، کہ وہ آپؐ بھی اپنے آپکو

قاتل تصوّر کر کے قتل کو بری بات خیال کر کے درگزر کرے۔ حالاں کہ پہلا شخص ایسا قاتل تھا جس نے بلا وجہ اور بے خطا ایک جان لی اور یہ دوسرا شخص ایسا قاتل ہوتا جو شرعی حکم کے مطابق ایک مجرم کو قصاص میں قتل کرتا۔

حضورِ اکرمؐ کے متعدد ارشادات میں اس طرح کی گفتگو کی جھلک ملتی ہے جو ایک نہایت لطیف اور بلیغ اندازِ گفتگو ہے، اور پیغمبرانہ شان رکھتا ہے۔ اس ایک واقعہ سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

باب ۸

صحابہؓ کی فطری ذہانت

(۱) حضرت ابو بکرؓ کا واقعہ حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ ہجرت کے وقت حضورؐ نے اونٹ پر سفر کیا، ابو بکرؓ آپؐ کے رفیقِ سفر اور اونٹ پر ہم رکاب تھے وہ چوں کہ شام کی طرف اپنے کاروباری سلسلے میں آتے جاتے رہتے تھے اس لیے راستے سے واقف تھے، راستے میں جب لوگ انھیں ملتے تو پوچھتے کہ ابو بکر تمھارے آگے کون بیٹھا ہے تو وہ جواب دیتے کہ ہادی ہیں، یعنی راستے کے راہ بر ہیں، کس خوبصورتی سے حضرت ابو بکرؓ نے ہجرت کے مقصد اور حضورؐ کی ذات کو پوشیدہ رکھا، لوگوں نے یہ سمجھا کہ راستہ بتانے والے کوئی شخص ابو بکر کے ہمراہ ہیں اور حضرت ابو بکرؓ کے ذہن میں ہادی کا وہ مفہوم تھا جو شرعاً دینی رہنمائی کے معنی میں آتا ہے۔

حضرت حسنؓ کی روایت سے بھی اس واقعہ کی تائید ہوتی ہے کہ جب غارِ ثور سے نکل کر حضورؐ اور ابو بکرؓ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں جو بھی

ابوبکر کا شناسا ملتا اور حضورؐ کے بارے میں ان سے پوچھتا تو وہ یہی جواب دیتا کہ یہ میرے ہادی ہیں یعنی راستہ دکھانے والے ہیں، حضرت حسنؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم ابوبکرؓ نے بالکل سچ کہا۔

(۲) حضرت ابوسعید سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ چاہے دنیا میں رہے اور چاہے اللہ کے پاس جو نعمتیں موجود ہیں انھیں پسند کرلے، تو اس بندے نے اللہ کی نعمتوں کو پسند کرلیا، ابوبکرؓ نے خطبہ سنا تو انھیں رونا آگیا۔

ابوسعید کہتے ہیں کہ ہمیں ان کا رونا عجیب سا لگا، کہ اس بات پر یہ کیوں روئے مگر بعد میں ہم سمجھے کہ حضورؐ نے جس بندے کا ذکر فرمایا تھا وہ حضورؐ ہی تھے اور ابوبکر زیادہ باریک بیں اور حقیقت شناس تھے۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق اسلم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس یمن سے کچھ کپڑوں کے جوڑے آئے آپ نے ان کی تقسیم شروع کی تو ان میں ایک جوڑا کچھ ناقص سا نکلا تو یہ خیال ہوا کہ اسے ناقص سمجھ کر کون لے گا انہوں نے اٹھا کر اپنی پشت کے نیچے تہ کرکے اس طرح رکھ لیا کہ اس کا کچھ حصہ دکھائی دیتا تھا آپؓ جوڑے تقسیم کرنے میں لگے ہوئے تھے کہ زبیر بن العوام آئے اور انہوں نے اس زیر نشست جوڑے کو غور سے دیکھا جس کا ایک پلّہ باہر نکلا ہوا تھا، آخر حضرت عمرؓ سے پوچھ بیٹھے کہ یہ جوڑا کیسا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم اس جوڑے کا دھیان چھوڑ دو لیکن زبیر بن العوام نے کہا کہ یہ جوڑا مجھے دے دیجیے، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تمھیں پسند نہیں آئے گا زبیر نے کہا کہ میں نے اسے پسند کرلیا، آخر جب حضرت عمرؓ نے خوب قول و قرار لے لیا اور وعدہ کرالیا کہ اسے لے کر واپس نہیں کریں گے تب انہوں نے

وہ جوڑا نکال کر ان کے سامنے ڈال دیا حضرت زبیر نے اسے دیکھا تو پتہ چلا کہ بے کار جوڑا ہے تب انہوں نے کہا کہ میں تو یہ لینا نہیں چاہتا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم تو آپ کے حصے سے نمٹ چکے اور اس جوڑے کو ان ہی کے حصہ میں لگا دیا۔ اور اسے واپس نہیں لیا۔

یہ صورت چوں کہ مفت تقسیم کی تھی اس لیے اس میں عیب دار چیز کی واپسی کا مسئلہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

(۴) جریر کہتے ہیں کہ جب مسلمان عراق میں ایرانی لشکر سے برسرِ جنگ تھے اس وقت حضرت عمرؓ نے جریر سے فرمایا کہ تم اپنے لوگوں کو لے کر میدانِ جنگ میں چلے جاؤ تمھارے ہاتھ جو مالِ غنیمت آئے گا اس میں چوتھائی تمھارا حق ہے چنانچہ جب مسلمان کامیاب ہوئے اور بے حساب مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو جریر نے چوتھائی پر اپنے حق کا دعویٰ کیا تو سعد بن وقاصؓ نے جو سردار لشکر تھے حضرت عمر کو اس کی اطلاع بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے جواب بھیجا کہ جریر کا دعویٰ درست ہے، میں نے اس سے اس کا وعدہ کیا تھا اگر جریر اور اس کی قوم نے مال کی خاطر لڑائی میں حصہ لیا ہے تو اس کو اس کا معاوضہ دے دو۔ ہاں اگر اس نے محض اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے جہاد کیا ہے تو وہ عام مسلمانوں میں کا ایک فرد ہے جتنا ایک مسلمان کا حق ہے اتنا ہی اس کا بھی ہے اور جو فرائض ایک مسلمان کے ہیں وہی اس پر بھی ہوں گے۔ جب یہ خط سعد بن وقاص کے پاس پہنچا تو جریر کو اس مضمون سے آگاہ کیا، جریر نے سن کر کہا کہ امیرالمومنین نے جو فرمایا وہ ٹھیک ہے مجھے اس مال کی کوئی ضرورت نہیں ہیں تو ایک عام مسلمان ہی کی حیثیت میں خوش اور راضی ہوں۔

(۵) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمرؓ

تشریف رکھتے تھے کہ ایک آدمی پر آپ کی نظر پڑی اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک زمانہ میں فراست حاصل تھی۔ اگر یہ شخص نجوم اور کہانت میں کچھ درک رکھتا ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میری رائے ناقابلِ اعتماد ہوگی۔ اس کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اس سے تحقیق کی کہ کیا تم کسی وقت علم نجوم اور کہانت میں کچھ دخل رکھتے تھے اس نے اس کا اقرار کیا۔

(۶) حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ رات کے وقت مدینہ منورہ کا گشت کیا کرتے تھے، دورانِ گشت آپ نے دیکھا کہ ایک خیمہ میں آگ جل رہی ہے آپ نے رک کر آواز دی کہ اے روشنی، یعنی آگ والو۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ خیمہ کے اندر چولہے میں آگ جلتے دیکھ حضرت عمرؓ نے یا اہل النار کے لفظ کے بجائے یا اہل الضوء کے لفظ سے پکارا کہ قرآن میں اسی طرح کا خطاب بالعموم دوزخیوں کے لیے آیا ہے۔ یہی ان کی ذکاوت و ذہانت کی دلیل ہے۔

(۷) ایک شخص کی شادی ہونے کو تھی حضرت عمرؓ نے اس سے معلوم کیا کہ شادی ہوگئی یا نہیں تو اس نے جواب دیا عربی کا یہ جملہ کہا لَا، اَطَالَ اللّٰہ بقاءک نہیں ہوئی، اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اہلِ علم ہو کر تم نے بے علمی کی بات کی۔ یہ جملہ تم نے اس طرح کیوں نہ کہا۔ لَا وَاطَالَ اللّٰہ بقاءک لا اور اطال کے درمیان اگر واؤ ہو تو پھر جملے کا ایک دوسرا مفہوم ذہن میں نہیں آسکتا، ورنہ اس شخص کے جواب کے مطابق عربی جملے کے یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں۔ "اللہ آپ کو طویل عمر نہ دے۔"

(۸) ابوالبختری سے منقول ہے کہ حضرت علی کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور آپ کی نہایت مبالغہ آمیز تعریف کرنے لگا حالانکہ حقیقۃً اس کے دل میں

آپ کی طرف سے بغض بھرا ہوا تھا، حضرت علیؓ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ بھائی تم زبان زبان سے جو کچھ میری صفات بیان کر رہے ہو میرے اندر وہ باتیں قطعاً نہیں ہیں ہاں جو کچھ میرے متعلق تمہارے دل میں ہے اس سے میں ضرور بہتر ہوں۔

(۹) عبداللہ بن سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ خطاب کرتے ہوئے سنا کہ میں اس وقت تک اپنے سر کے بال صاف نہ کراؤں گا جب تک بصرہ کو جا کر آگ نہ لگا دوں اور لوگوں کو لاٹھی کے زور سے مصر نہ بھیج دوں، ـــــ ان کا بیان ہے کہ میں ابو سعید بدری کے پاس کے پہنچا اور ان سے ذکر کیا کہ علیؓ بعض ایسے فقرے بعض مرتبہ کہہ دیتے ہیں جنھیں لوگ پسند نہیں کرتے، واقعہ یہ تھا کہ علیؓ کے سر کے بال بڑھے ہوئے تھے، طشت کی طرح بال صاف تھے اور بعض بال چھوٹی کیلوں کی طرح نمودار تھے، گویا طشت کی طرح تھا ـــــ ایسی شکل میں سر کو دھونے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی،

(۱۰) خنیس بن المعتمر کی روایت ہے کہ ایک قریشی عورت کے پاس دو شخص آئے اور اس کو سو دینار بطور امانت سپرد کیے اور کہا ہم میں سے کسی ایک کو نہ دینا بلکہ جب ہم دونوں ایک ساتھ آئیں تب یہ امانت ہمارے حوالے کر دینا۔

ایک سال کے بعد ان میں سے ایک شخص آیا اور اس قریشیہ سے کہا کہ میرا رفیق تو مر گیا اب وہ امانت واپس کر دو اس پر اس عورت نے کہا کہ میں تو تمہارے قول کے مطابق تنہا ایک شخص کو امانت نہ واپس نہ کروں گی بلکہ جب دونوں ساتھ آئیں اس وقت امانت واپس کر دوں گی اس عورت کے انکار پر وہ شخص چپ نہ بیٹھا بلکہ اس عورت کے پڑوسیوں اور متعلقین سے امانت واپس دلانے کے لیے برابر اصرار کرتا رہا، اور اس کے اصرار پر وہ لوگ بھی اس عورت سے امانت

واپس دینے کی سفارش کرتے رہے، غرض اس کے تقاضے سے وہ خاصی تنگ آگئی۔ اس بات پر پورا ایک سال گزر گیا۔ اب دوسرا شخص اب دوسرا شخص بھی آگیا اور اس نے بھی امانت کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

اس شخص کو اس عورت نے جواب دیا کہ تمھارا دوسرا ساتھی یہ کہہ کر مجھ سے رقم لے گیا کہ تمھارا انتقال ہو چکا ہے، آخر کار مقدمہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پہنچا، حضرت عمرؓ مقدمہ کی روداد سُن کر فیصلہ کرنے والے تھے کہ وہ عورت بولی۔

اے عمرؓ! آپ کو خدا کی قسم۔ یہ فیصلہ آپ نہ کیجیے اور ہمارا مقدمہ علیؓ کے یہاں بھیجد یجیے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے مقدمہ حضرت علیؓ کے پاس منتقل کر دیا۔ حضرت علیؓ اپنی طبعی فراست سے تاڑ گئے کہ ان دونوں آدمیوں نے اس عورت سے فریب دہی کا معاملہ کیا ہے، انہوں نے ان دونوں کو بُلا کر اس شخص سے کہا تم نے اس عورت سے نہیں کہا تھا کہ یہ رقم ہم میں سے تنہا کسی ایک شخص کو مت دینا جب تک دوسرا شخص ساتھ نہ ہو، اس نے کہا، بے شک یہی کہا تھا، تب حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمھاری امانت ہمارے پاس موجود ہے جاؤ اپنے دوسرے ساتھی کو لے آؤ، اور تمھاری امانت تمھیں واپس دی دی جائے گی۔

(۱۱) ایک شخص نے قسم کھائی کہ اگر رمضان کے مہینے میں دن کے وقت بیوی سے ہم بستر نہ ہوں تو بیوی کو تین طلاق۔ اب رمضان کے روزہ میں صحبت کا مسئلہ بھی اہم اور سخت وعید کا موجب، اور ادھر بیوی تین طلاق پڑ رہی ہیں اس مشکل کا حل کیا ہو۔ اس کے لیے فریقین کی طرف سے یہ مقدمہ حضرت علیؓ کے یہاں آیا، آپ نے فرمایا۔

نہ رمضان کا روزہ توڑنے کا گناہ سر لو اور نہ بیوی کو تین طلاقیں دو۔ اسکی

صورت یہ ہے کہ رمضان میں سفر کو جاؤ حالتِ سفر میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے۔ اور اس وقت بیوی سے صحبت حرام نہ ہوگی، تمہاری قسم بھی پوری ہو جائیگی اور تم روزہ توڑنے کے گناہ گار بھی نہ ہو گے۔

(۱۲) حضرت حسنؓ واقعہ ابوالوفا، ابن عقیل نے لکھا ہے جب ابن ملجم (قاتلِ علیؓ) حضرت حسنؓ کے پاس لایا گیا تو، اس نے حضرت حسنؓ سے کان میں کوئی بات کرنا چاہی، تو حضرت حسنؓ نے منع کر دیا اور فرمایا کہ اس کا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا کان دانتوں سے چبالے، بعد میں ابن ملجم شقی نے بھی لوگوں سے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ اگر مجھے موقع مل جاتا تو ان کے کان کو سوراخ کی جڑ سے پکڑ کر کتر دیتا۔

ابن عقیل یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حسن رائے لائق داد ہے کہ حضرت علیؓ کی شہادتِ کی مصیبتِ عظمیٰ سے سب ہی لوگ حیران و پریشان تھے۔ مگر انہوں نے حواس برقرار رکھے اور کس باریک بینی و دقیقہ رسی سے کام لیا، ادھر اس کم بخت کا معاملہ کہ ایسی حالت جب حضرت علیؓ کی شہادت پر ہر ایک اس کے خلاف غم و غصہ سے بھرا ہوا تھا اور خود قصاص میں مارا جانے والا تھا، مگر ایسے وقت میں بھی اپنی خباثتِ باطنی سے باز نہ آیا۔

(۱۳) ابراہیم بن رباح موصلی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت حسینؓ پر دیوانی کا دعویٰ کیا، فریقین قاضی کے یہاں حسبِ قاعدہ حاضر ہوئے اس شخص کے مالی دعوے کے جواب میں حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ یہ اپنے دعوے میں سچا ہے تو قسم کھالے میں اس کا مطالبہ ادا کر دوں گا، اس نے قسم کھائی کہ وَاللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یعنی اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اس پر حضرت حسنؓ نے کہا کہ ان سب الفاظ کی ضرورت نہیں بلکہ تم صرف اسم ذات یعنی لفظ اللہ کی قسم کھاؤ۔

واللہ ، واللہ ، واللہ یعنی ذاتِ خداوندی کی قسم میرا مال حسینؓ کے ذمے واجب الادا ہے ۔

چنانچہ اس شخص نے اس طرح قسم کھالی، قسم کھاکر وہ کھڑا ہی ہوا تھا کہ ڈگمگا کر گر پڑا اور مر گیا۔

حضرت حسینؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے قسم کے الفاظ کیوں تبدیل کرائے ۔ تو فرمایا مجھے اس کے جملے سے یہ خیال ہوا کہ اللہ کی صفت و بزرگی بیان کرکے قسم کھا رہا ہے شاید اسی پر اس کی چشم پوشی کی جائے ۔

(۱۴) رزبن کی روایت ہے کہ حضرت عباسؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، کہا بڑے تو مجھ سے وہی ہیں البتہ میری پیدائش حضورؐ سے پہلے ہوئی ۔

(۱۵) حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ غزوۂ بدر سے نمٹنے کے بعد لوگوں کی رائے ہوئی کہ اب قریش کے قافلے پر حملہ کیا جائے جو بے سر و سامان گزرنے والا تھا اور جس کے پاس کوئی حفاظتی انتظام اور قوت نہ تھی ۔ حضرت عباؓ بن مطلب عبدالمطلب بدر کے قیدیوں میں شامل تھے اور پاس ہی خیمے میں رسّی سے بندھے ہوئے تھے ۔ انھوں نے جب یہ سنا کہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قافلے پر حملے کی رائے دے رہے ہیں انہوں نے چلّا کر کہا کہ ۔ یہ بات تمھارے لیے اچھی نہ ہوگی ، حضورؐ نے فرمایا کیوں ؟ تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ اللہ نے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت پر اللہ فتح دلائے گا ۔ میدانِ بدر میں تمھاری شکست سے اللہ کا وعدہ پورا ہو گیا ۔

(۱۶) مجاہد سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صحابۂ کرام کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ فضا میں ریح کی بو محسوس ہوئی ، حضورؐ نے فرمایا کہ جس کی ریح خارج

ہوئی ہو اسے اٹھ کر وضو کرنا چاہیے۔ جس کی ریح نکلی اس کو اٹھتے ہوئے شرم آئی۔ کچھ دیر بعد آپؐ نے پھر وضو کے متعلق فرمایا کہ ریح والے کو وضو کرنے میں شرمانا نہ چاہیے۔ اللہ تعالیٰ حق بات کے اظہار سے نہیں شرماتے۔

اس پر حضرت عباسؓ نے حکیمانہ انداز سے یہ مشورہ پیش کیا کہ یا رسول اللہؐ! کیوں نہ ہم سب ہی اٹھ کر وضو کر لیں۔

(۱۷) حضرت عمرؓ کی مجلس میں بھی ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا۔ اس مجلس میں جریر بن عبداللہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، اور دوسرے لوگ بھی تھے کچھ دیر حضرت عمرؓ کو بدبو سی محسوس ہوئی تو انہوں نے کہا کہ کسی کی ریح نکلی ہو تو اسے جا کر وضو کر لینا چاہیے، ابن جریر نے کہا کہ اے امیر المومنین! ہم سب ہی کیوں نہ وضو کر لیں

یہ بات حضرت عمرؓ کو پسند آئی اور فرمایا کہ جریرؓ اللہ کی رحمت ہو تم پر، دورِ جاہلیت میں تم بہت عمدہ لوگوں میں تھے اور عہدِ اسلام میں بھی بہت اچھے ثابت ہوئے۔

(۱۸) ابو ملیک سے منقول ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہ بن جعفرؓ سے ایک مرتبہ کہا کہ تمھیں وہ وقت یاد ہے جب بچپنے میں تم میں اور عبداللہ ابن عباس حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے،

عبداللہ بن جعفر نے فرمایا کہ ہاں! وہ منظر مجھے اچھی طرح یاد ہے، حضورِ اکرمؐ نے ہم دونوں یعنی عبداللہ ابن جعفر اور عبداللہ ابن عباس کو آغوشِ مبارک میں اٹھا لیا تھا اور تمھیں نہیں اٹھایا تھا۔

(یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔)

(۱۹) عکرمہ جو ابن عباسؓ کے غلام رہے ہیں اور بڑے پائے کے راوی ہیں

وہ کہتے ہیں کہ رات کے وقت عبداللہ ابن رواحہ اپنی اہلیہ کے پاس تھے وہاں سے اٹھ کر اندر حجرے میں گئے تو وہاں ان کی ایک باندی تھی ان کی بیوی کی آنکھ کھلی تو شوہر کو بستر پر نہ پا کر باہر نکلیں، اپنے شوہر کو باندی کے کمرے میں پایا تو ازراہِ بشریت حسد اور غصہ آیا۔۔۔۔ اور ان کے پاس جا کر بہت بُرا بھلا کہنے لگیں۔

شوہر نے غصہ کا سبب پوچھا تو بیوی نے کہا کہ میرا حق تم نے باندی کو کیوں دیا؟ شوہر نے اپنی صفائی پیش کی تو بیوی نے اس کے ثبوت کے لیے ان سے تلاوتِ قرآن کا مطالبہ کیا کہ حالتِ جنابت میں تلاوت ممنوع ہے، عبداللہ ابن رواحہؓ نے اس وقت چند اشعار نعتِ رسولؐ کے اس انداز میں پڑھے کہ بیوی بے چاری غصے اور نیند کی حالت میں تمیز نہ کر سکی کہ یہ قرآن پڑھ رہے ہیں یا کچھ اور۔ بولیں واقعی میرا مشاہدہ غلط تھا اور میں اللہ پر ایمان لائی، یعنی تمہاری صفائی مجھے تسلیم ہے۔

عبداللہ ابنِ رواحہؓ صبح کو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ قصہ نقل کیا تو آپؐ ہنس پڑے اور اس ہنسی میں آپؐ کے دندانِ مبارک نظر آ رہے تھے۔

(۲۰) حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں کے سرگروہ کعب بن اشرف کی مکروہ سازشوں سے مجھے مطمئن کرنے کے لیے کوئی باہمت شخص موجود ہے؟ کہ کعب بن اشرف نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو ستانے میں کسر نہیں چھوڑی ہے، اس پر محمد بن مسلمہؓ نے کہا، کہ یارسول اللہ! آپؐ کی مرضی یہ ہے کہ میں اس دشمنِ خدا کو ختم کر دوں، حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں! محمد بن سلمہؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ یہ کام میرے ذمے ہے لہٰذا مجھے اس کی اجازت ہونی چاہیے کہ میں اس سے لگاوٹ اور بناوٹ کی جو بات مناسب سمجھوں وہ کر سکوں، آپؐ نے فرمایا۔ جو تم مناسب سمجھو کرو۔

چنانچہ محمد بن سلمہؓ نے کعب بن اشرف کے پاس جا کر اس طرح کی

بات کی کہ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے اب ہم سے صدقات کے طور پر مال بھی لینا شروع کر دیا، اور بہت پریشان کر دیا، ہم تو اس سے تنگ آچکے۔

کعب بن اشرف نے سُن کر کہا کہ خدا کی قسم یا تو اس کا مقابلہ کرو، ورنہ تم ہمیشہ تکلیفیں اٹھاتے رہو گے، مجھے یقین ہے کہ آخر ایک دن تمھیں یہ ہی کرنا پڑے گا۔

محمد بن مسلمہؓ نے کہا، اب ہم میں مزید اطاعت کی تاب نہیں رہی. ہم یہ اندازہ کر رہے ہیں کہ وہ کہاں تک بڑھتا ہے، مشکل یہ ہے کہ اب اس کے ساتھ لگنے کے بعد اس کا ساتھ بھی چھوڑنا آسان نہیں ہے، اب ہم اس کے انجام کار کے منتظر ہیں، اس وقت میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ آپ مجھے اُدھار کچھ کھجوریں دے دیجیے۔

کعب بن اشرف بولا کہ کھجوریں اسی شرط پر ادھار ملیں گی جب تم اپنی عورتوں کو میرے ہاں رہن رکھ دو۔

محمد بن سلمہؓ نے کہا، عورتیں کس طرح رہن رکھ دیں تم عرب کے حسین ترین لوگوں میں ہو، ہماری عورتیں تم پر فریفتہ ہو جائیں گی۔

کعب بن اشرف بولا، تو پھر اپنی اولاد رہن رکھ دو۔

محمد بن مسلم نے جواب دیا کہ پھر ہماری اولادیں ہمیشہ کے لیے داغدار ہو جائیں گی، اگلے لوگ کہا کریں گے کہ ہم نے دو چار من کھجوروں کی خاطر اپنی اولاد کو گروی رکھ دیا۔

کعب بن اشرف بولا تو پھر کیا رہن رکھ سکتے ہو؟

محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ ہم اپنے ہتھیار گروی رکھ دیں گے۔

کعب بن اشرف نے یہ بات مان لی، محمد بن مسلمہ ہتھیار لانے کے وعدے سے

اپنے دوسرے ساتھیوں کے پاس لوٹ آئے۔ پھر وعدہ کے مطابق کعب بن اشرف کے یہاں پہنچے تو ان کے ساتھ ابو نائلہ بھی تھے جو کعب بن اشرف کے دودھ شریک بھائی تھے، ان کے علاوہ دو آدمی اور بھی تھے۔ محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کو بتا دیا تھا کہ، میں کعب بن اشرف کے لمبے بال پکڑوں گا تو جب اپنا ہاتھ اس کے بالوں میں دے دوں، تو اس وقت اس کا کام فوراً تمام کر دینا۔

غرض، اس اسکیم کے تحت یہ لوگ رات کے وقت کعب بن اشرف کے یہاں پہنچے، محمد بن مسلمہ نے ساتھیوں کو کھجور کے پیڑوں کی آڑ میں چھپنے کی تاکید کر دی اور خود آگے بڑھ کر کعب بن اشرف کو آواز دی جب وہ آواز سن کر باہر آنے لگا تو بیوی نے کہا نا وقت کہاں جا رہے ہو وہ بولا فکر کی بات نہیں یہ تو محمد بن مسلمہ اور میرا رضائی بھائی ابو نائلہ ہے۔ وہ باہر نکلا تو ایک ہی کپڑا اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے جسم سے عطر وغیرہ کی اچھی خوشبو آ رہی تھی۔ محمد بن مسلمہ نے کہا کہ:

تمہارا جسم کتنا خوب صورت ہے اور کیسی اچھی خوشبو تمہارے بدن سے آ رہی ہے، کعب بن اشرف نے کہا کہ:

میرے گھر میں فلاں کی لڑکی ہے اور خواتین عرب میں سب سے زیادہ عطر کی شائق ہے۔

محمد بن مسلمہ نے کہا کہ میں اس خوشبو کو سونگھ سکتا ہوں۔

کعب بن اشرف نے کہا، ہاں ہاں ضرور۔

محمد بن مسلمہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کا سر سونگھ کر کہا کیسی عجیب خوشبو ہے، اس خوشبو کو جا کر میں اپنے ساتھیوں کو بھی سنگھا دوں۔ کعب بن اشرف نے اجازت دے دی۔ انھوں نے اپنا بھرپور ہاتھ اپنے بالوں میں ڈال دیا اور بالوں کو پیٹے میں لے کر اپنے ساتھیوں کو بلا کر اشارہ کیا۔ ان سب نے

مل کر اس پر حملہ کر کے اسے ختم کر دیا اور بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی تفصیل بتائی۔

اسی سلسلے میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک کام تمام کرنے کے لیے بھیجنا چاہا، انھوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ خدمت اسی وقت ممکن ہے جب مجھے وہاں حسب منشا گفتگو کرنے اور بات بنانے کی اجازت دیں، حضورؐ نے فرمایا کہ جنگ تو حیلہ اور دشمن کو جُل دینے ہی کا نام ہے تم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔

نعمان اور سُوَیبط کا ذہانت بھرا مذاق

حضرت اُمِ سلمہؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال قبل حضرت ابوبکرؓ نے بغرض تجارت بصرہ کا سفر کیا، ان کے رفیق سفر نعمان اور سُوَیبط تھے جو اصحاب بدر میں سے ہیں، نعمانؓ کے ذمے کھانے وغیرہ کا نظم تھا، سُوَیبط ایک خوش مزاج آدمی تھے، راہ چلتے سُوَیبط نے نعمان سے کھلانے پلانے کی فرمائش کی، انھوں نے کہا۔ اچھا ابوبکر کو آجانے دو۔ اس پر سویبط نے کہا کہ یہ بات ہے تو اب موقع پر تمھاری خبر لوں گا۔ اتفاق سے ایک جگہ انھوں نے پڑاؤ ڈالا تو وہاں کے لوگوں سے سویبط نے ذکر کیا کہ تمھیں ضرورت ہو تو میرے پاس ایک غلام برائے فروخت ہے، ان لوگوں نے خریداری کا معاملہ کر لیا، سُوَیبط نے ان سے کہا کہ معاملہ تو تم لوگوں نے کر لیا مگر غلام کی یہ عادت ہے کہ وہ خود کو آزاد بتاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو آزاد بتائے گا اس وقت تم لوگ پیچھے نہ ہٹ جانا، وہ لوگ خریداری کے لیے تیار ہو گئے اور دس اونٹ کے عوض معاملہ طے کر لیا چنانچہ دوسرے وقت آکر انھوں نے عرب کے رواج کے مطابق نعمان کے گلے میں

چادر ڈالی اور لے جانے لگے، نعیمان نے ان سے بہت کہا کہ میں تو آزاد شخص ہوں، غلام ہرگز نہیں ہوں، سُوَیبط نے تم لوگوں سے مذاق کیا ہے، ان لوگوں نے کہا، ہمیں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے جو تمھاری عادت ہے وہ ہم جانتے ہیں۔ غرض وہ دس اونٹ دے کر نعیمان کو کھینچے چلے گئے۔ ابو بکر جب واپس لوٹے اور انھیں واقعہ کا علم ہوا تو ان کے دس اونٹ لے کر ان لوگوں کے پیچھے پیچھے گئے اور اونٹ واپس دے کر نعیمان کو آزاد کرایا۔

جب اس تجارتی سفر سے ان سب کی واپسی ہوئی اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کو یہ پوری تفصیل سنائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سویبط کے اس مذاق پر بہت ہنسی آئی اور سال بھر تک جب بھی آپؐ کی مجلس میں یہ قصہ یاد آتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ہنسی آجاتی۔

حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کی دانش مندی (۲۲)

ربیعہ بن ناقہ کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے اتنی اعلیٰ درجے کی عقل کہاں سے پائی۔ انھوں نے کہا کہ میں کسی پر بھروسہ کر کے بے فکر نہیں بیٹھتا۔

حضرت معاویہؓ ہی کے بارے میں ثعلب کا بیان ہے کہ لڑائی میں انھوں نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا تو ایک سمت بے ترتیب دکھائی دیا، آپ نے ترتیب قائم کرنے کا حکم دیا تو فوراً پوری صف سیدھی ہو گئی، دوسری جانب نظر ڈالی تو وہاں بھی ٹیڑھا پن محسوس ہوا اس کو ایک اشارے سے سیدھا کر دیا۔ اس پر ایک رفیق نے پوچھا کہ کیا آپ نے اس ڈھنگ سے جنگ کرنے پر حضرت عثمانؓ کے وقت سے غور و فکر شروع کر دیا تھا تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں اس طریقہ

جنگ کے بارے میں زمانۂ عمر فاروق سے سوچ رہا تھا۔

(۲۳) ہمیں یہ روایت پہنچی کہ ایک شخص حضرت معاویہؓ کے دربار میں آیا۔ حاجب سے اپنی حاضری کی اجازت کے لیے ان الفاظ میں اپنا تعارف کرایا کہ معاویہؓ سے کہنا کہ:

آپ کا باپ شریک اور ماں شریک بھائی دروازہ پر کھڑا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے جب یہ بات سُنی تو حاجب سے کہا کہ میں تو اسے سمجھا نہیں کہ یہ کون ہے۔ خیر آیا ہے تو بلا لو۔

وہ سامنے پہنچا تو اس سے حضرت معاویہؓ نے پوچھا کہ تو میرا بھائی کس رشتے سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں آدمؑ اور حوّاؑ کا بیٹا ہوں، اس پر حضرت معاویہؓ نے غلام سے کہا کہ اس شخص کو ایک درہم دے دو، وہ شخص کہنے لگا کہ اس بھائی کو جو ماں شریک بھی ہے اور باپ شریک بھی۔ صرف ایک درہم مل رہا ہے۔ ——— حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں اگر اپنے ان تمام بھائیوں کو دینے لگوں جو آدم و حوّا کے رشتے سے میرے بھائی ہیں تو شاید ایک درہم بھی تیرے حصّے میں نہ آسکے گا۔

حذیفہ بن یمانؓ کی جنگی تدابیر (۲۴)

کعب القرظی سے منقول ہے کہ ایک جوان آدمی نے حذیفہ بن الیمان سے پوچھا کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ مجھے یہ سعادت ملی ہے اس شخص نے قسم کھا کر کہا کہ اگر ہمیں حضورؐ کی صحبت میسّر آجاتی تو آپؐ کی اس درجہ خدمت کرتے کہ آپؐ کو زمین پر پاؤں رکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی، اس پر حذیفہ نے واقعہ سُنایا کہ جب ہم جنگِ احزاب

میں خندق کھودنے میں لگے ہوئے تھے حضورؐ نے مجھے طلب فرمایا اور یہ حکم دیا کہ تم قریش کے لشکر میں جا گھسو اور ان کی تیاری کا جائزہ لو۔

چنانچہ میں قریشیوں میں جا پہنچا اس وقت ہوا کا طوفان بھی خدائی لشکر بن کر دشمنوں کی صف میں غضب ڈھا رہا تھا، چڑھی ہانڈیاں الٹ گئیں، چولہوں میں آگ نہ رہی، ہانڈیوں میں پانی نہ رہا۔ اس حالت کو دیکھ کر ابو سفیان بن حرب نے کھڑے ہو کر پکارا کہ اے قریشیو! خبردار ہو جاؤ ہر شخص اپنے برابر والے کو اچھی طرح دیکھ کہ کون ہے؟ حذیفہؓ کا بیان ہے کہ میں نے یہ سنتے ہی اپنے پاس والے کا ہاتھ پکڑ لیا تاکہ وہ پہلے میرا ہاتھ نہ پکڑ کر مجھ سے ہی سوال نہ کر بیٹھے اور اس سے پوچھا کہ تو کون شخص ہے؟ تب اس نے اپنا حسب نسب بتایا (یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ اس سے پہلے گزر چکا ہے)

مغیرہ بن شعبہ کی عقل و ذہانت (۲۵)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ کے پاس ایک نیزہ تھا۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کسی غزوہ میں جاتے تو مغیرہ اپنا نیزہ لے کر چلتے اور راستہ میں کہیں گاڑ دیتے۔ جب لشکر کے دوسرے لوگ ادھر سے گزرتے تو شریعت کے اس حکم کی پابندی میں کہ گری پڑی چیز کسی مسلمان کو ملے تو اس کی حفاظت اس کا فرض ہے اور اس کے مالک کو تلاش کر کے اس تک اسے پہنچانا اس کا ذمہ ہے:۔ مغیرہ کا یہ نیزہ اٹھا کر لے چلتے اور انھیں پہنچا دیتے، گویا مغیرہ اپنی ذہانت اور تدبیر سے نیزہ کا بوجھ خود اٹھانے کے بجائے دوسروں پر ڈال دیتے اور منزل تک ان کا نیزہ بآسانی پہنچ جاتا۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے مغیرہ سے کہا کہ حضورؐ کی خدمت میں

حاضری پر تمہاری اس حرکت کی ضرور اطلاع دوں گا، وہ کہنے لگے کہ اگر تم نے حضورؐ کو اطلاع دی تو پھر آئندہ کسی کی کھوئی ہوئی چیز نہیں مل سکے گی۔

یعنی اس کا امکان ہے کہ حضورؐ اس بات سے باخبر ہو کر کہیں لوگوں کو یہ حکم نہ دے دیں کہ آئندہ کوئی گم شدہ چیز نہ اٹھایا جائے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے اس نقصان میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔

(۲۶) زید بن اسلم کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مغیرہؓ بن شعبہ کو بحرین کا حاکم بنا کر بھیجا، وہاں کے باشندے ان سے خوش نہ رہے اور مخالفت پر اُتر آئے شکایات پہنچنے پر حضرت عمرؓ نے انھیں اس منصب سے واپس بلا لیا، لیکن مغیرہ بن شعبہؓ کی لیاقت اور سیاست کی بنا پر بحرین کے لوگوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انھیں اس عہدہ پر بحال نہ کر دیں، اس خطرہ کے پیش نظر ان کے مکھیا نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ میری تجویز قبول کر لو تو پھر مغیرہؓ کے واپس آنے کا کوئی امکان نہیں، انھوں نے پوچھا کہ تم اپنی تجویز پیش کرو کیا ہے .... مکھیا نے کہا کہ تم لوگ ایک لاکھ درہم جمع کر کے مجھے دو، میں یہ رقم لے جا کر حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کروں گا اور کہوں گا کہ یہ درہم مغیرہؓ نے ناجائز طریقے سے اکٹھے کیے ہیں اور میرے پاس رکھوائے تھے، بحرین والوں کی سمجھ میں یہ تجویز آگئی اور انہوں نے یہ رقم جمع کر کے مکھیا کے حوالے کر دی، مکھیا نے اپنی تجویز کے مطابق رقم لے جا کر حضرت عمرؓ کے سامنے رکھ دی اور شکایت کی کہ یہ مغیرہؓ کی خیانت کی رقم ہے جو انھوں نے میرے پاس رکھوائی تھی، حضرت عمر نے مغیرہ کو بلایا اور کہا کہ اس شخص کی بات سُنو، مکھیا نے وہی بات دہرائی مغیرہؓ نے ساری بات سُن کر حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اس کے پاس تو دو لاکھ کی رقم جمع تھی۔ ایک ہی لاکھ بتا رہا ہے اس پر حضرت عمرؓ نے

مغیرہؓ سے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ عیال داری اور ضرورت نے مجھے مجبور کیا تھا، تب حضرت عمرؓ نے اس مکھیا سے پوچھا کہ۔ اب تم بتاؤ اصل معاملہ کیا ہے؟ وہ بولا، واللہ ایسی کوئی بات نہیں، اب میں آپ سے صحیح صحیح بات عرض کردوں، خدا کی قسم مغیرہ نے میرے پاس نہ لاکھ درہم رکھوائے اور نہ دو لاکھ۔

حضرت عمرؓ نے حقیقتِ حال سمجھ کر مغیرہ سے کہا کہ تم اس گنوار آدمی کے بارے میں کیا سوچا تھا جو اس طرح کی بات کی، مغیرہؓ نے کہا کہ اس خبیث شخص نے مجھ پر اتہام باندھا تھا، میں نے سوچا کہ اس کمبخت کو اسی کے ڈھنگ سے ذلیل کرسکوں گا۔ کہ جس طرح اس نے جھوٹا پلان بنا کر مجھے پھنسانا چاہا میں نے بھی اسی کے مطابق جھوٹ کو جھوٹ کے ذریعہ ظاہر کرادیا اور خود اسی شخص کے منھ سے اسکے جھوٹ کا اقرار کرالیا۔

(۳۷) صبیح الکوفی کی روایت ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے ایک جگہ شادی کا پیغام بھیجا، اسی جگہ ایک اور نوجوان نے بھی اپنا رشتہ بھیج دیا، یہ نوجوان خوبرو اور نوعمر تھا، اس عورت نے دونوں کے پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں جب تک تم دونوں کو دیکھ نہ لوں اور تمھاری گفتگو نہ سن لوں اس وقت تک رشتہ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کروں گی، اگر تم مناسب سمجھو تو دونوں میرے ہاں آجاؤ۔

جب یہ دونوں اس کے مکان پر پہنچ گئے تو انھیں ایسی جگہ بٹھایا جہاں سے وہ دونوں کو دیکھ بھی سکے اور ان کی گفتگو بھی سن سکے۔ مغیرہؓ نے جب اس نوجوان کی رعنائی، خوب روئی اور بھرپور نوجوانی کو دیکھا تو وہ نا امید ہوگئے کہ اس پرکشش اور جوانِ رعنا کے مقابلے میں وہ عورت ان کو کس طرح ترجیح دے گی۔

چنانچہ یہ سوچ کر وہ اس نوجوان سے مخاطب ہوئے اور بولے کہ تم خوبصورت

خوش وضع حسین وجمیل ہو اور طرزِ گفتگو بھی خوب ہے، اس کے علاوہ تم میں اور کیا کیا وصف ہیں؟ اس نے اپنی خوبیاں گنوائیں اور پھر خاموش ہوگیا، مغیرہؓ نے پوچھا کہ تم حساب وکتاب میں کیسے ہو؟ وہ بولا میرا حساب بہت پکّا ہے میں حساب کے اندر رائی برابر فرق کو بھی پکڑ سکتا ہوں، اس پر مغیرہ نے کہا کہ، بھائی میرا حال تو اس کے برعکس ہے میں تو گھر میں کہیں بھی کوئی رقم کی تھیلی رکھ دیتا ہوں اور گھر والے اس میں سے لیتے رہتے ہیں، اور مجھے اس وقت خبر ہوتی ہے جب اس تھیلی کو خرچ کر کے گھر کے لوگ دوسری تھیلی مانگتے ہیں۔

یہ گفتگو سُن کر اس عورت نے فیصلہ کیا کہ واللہ اس جوان کے مقابلہ میں جو رائی برابر حساب بھی نہیں چھوڑتا یہ شیخ (مغیرہؓ) زیادہ پسند ہے جو مجھے کچھ پوچھ تاچھ نہ کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس عورت نے مغیرہ ہی کو نکاح کے لیے منتخب کیا۔

حضرت عمر بن العاص کی دانش مندی (۲۸)

ابن الکلبی کا بیان ہے کہ قیساریہ کی جنگ میں جب حضرت عمرو بن العاص نے چڑھائی کی تو وہاں کے رومی حکمراں نے یہ کہلوایا کہ ہمارے یہاں اپنا کوئی سفیر بھیجو۔ ہم اس سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ عمرو بن العاص کو خیال ہوا کہ ان کے سوا کوئی دوسرا آدمی اس رومی حاکم کی بات کاٹ نہیں سکتا اس لیے وہ خود ہی بحیثیت سفیر وہاں گئے اور بات چیت شروع کردی۔

عمرو بن العاصؓ کی گفتگو نہایت پُروقار اور سنجیدہ تھی اس سے پہلے حاکم قیساریہ کو اس طرح کی شاندار اور مؤثر گفتگو سُننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، اس نے عمرو بن العاصؓ سے پوچھا کہ آپ کے یہاں آپ کی طرح کے اور بھی لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میری جو بات اور مقام مسلمانوں میں ہے اسے نہ پوچھیے، انھوں نے مجھے

آپ کے پاس اس مصلحت سے بھیجا ہے کہ انھیں یہ ٹھیک اندازہ نہ ہو سکا کہ آپ لوگ میرے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں گے۔ (اس لیے مجھ جیسے معمولی حیثیت کے آدمی کو بھیجا ہے، کوئی بڑی حیثیت اور رُتبے کا آدمی نہیں آیا) آخر حاکم قیساریہ نے اُنھیں انعام اور خلعت عطا کی اور ادھر چُپکے سے قلعہ کے دربان سے کہلا بھیجا کہ جب یہ مسلمان سفیر باہر نکلنے لگے تو اس کو ختم کر دینا اور جو کچھ اسے انعام دیا گیا ہے وہ لے لینا۔

چنانچہ عمرو بن العاص واپس ہوئے تو راستے میں غسان کا ایک عیسائی جو ان کا قدیم واقف کار تھا اس نے انھیں دیکھ کر اشارہ کیا کہ بات تو جب ہے کہ تم جس ہشیاری سے یہاں آئے ہو اسی خوش تدبیری سے نکل بھی جاؤ، عمرو بن العاصؓ یہ بات سُن کر کھٹک گئے اور الٹے پاؤں حاکم کے پاس آئے اس نے واپسی کی وجہ پوچھی تو کہا کہ میں نے آپ کے ان عطیات کے بارے میں سوچا تو آپ نے مجھے عطا فرمائے ہیں۔ میں نے ان میں اتنی گنجائش نہیں پائی جو میرے چچا کے بیٹوں کے لیے کافی ہو سکے۔ اس لیے میں نے یہ ارادہ کیا کہ (یہ عطیات یہاں چھوڑ کر) ان میں سے دس کو اپنے ساتھ لے کر آجاؤں تو آپ اسی کو دس پر تقسیم کر دیں اس صورت میں آپ کا احسان دس پر ہوگا اور یہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ صرف ایک شخص پر ہو۔ اس نے کہا بالکل ٹھیک ہے ان کو جلد لے آیئے اور دربان کے پاس خفیہ پیغام بھیجدیا کہ اب اس سے تعرض نہ کیا جائے اور انھیں جانے دیا جائے عمرو شہر سے نکل آئے اور بہت چوکنّے رہے جب خطرہ سے باہر ہو گئے تو کہنے لگے اب کبھی اس طرح نہ پھنسوں گا۔ جب اس سردار سے صلح ہو گئی اور (امیر لشکر سے) ملاقات کے لیے آیا تو (دیکھا کہ یہ تو وہی شخص ہیں) کہنے لگا، آپ وہی ہیں۔ آپ نے (یعنی عمرو نے) کہا، ہاں آپ میرے ہی ساتھ غدّاری کر رہے تھے۔

کیسی دانائی اور ہوشیاری کے ساتھ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے آپکو بھی بچالیا اور مسلمانوں کو بھی نقصان اور ذلت سے محفوظ رکھا۔

ایک کامل الایمان کی ذہانت (۲۹)

زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گاؤں والے سے گھوڑے کا معاملہ کیا، قیمت طے ہوگئی، تو آپ گھوڑے کو لے کر چلے تاکہ گھر لے جاکر قیمت چکادیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیز چل رہے تھے اور وہ گاؤں والا جس سے گھوڑا خریدا تھا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ درمیان میں کچھ فاصلہ زیادہ ہوگیا تو لوگوں نے اس گاؤں والے کو روک کر گھوڑے کی خریداری کی بات چیت شروع کردی انھیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ حضورؐ نے گھوڑا خرید لیا، ایسے ہی وہ گھوڑے والا بھی مغالطے میں رہا، لوگوں نے زیادہ قیمت لگادی تو اس گاؤں والے نے حضورؐ کو آواز دی کہ گھوڑا لینے کا ارادہ ہے تو لے لو نہیں تو میں اسے دوسروں کو دیتا ہوں۔ آپؐ نے اس کی بات سُنی تو ٹھہر گئے، اور فرمایا، کیا تجھ سے گھوڑے کی خریداری طے نہیں ہوچکی، اس نے انکار کیا اب اسی سوال وجواب اور بحث ومباحثے میں لوگ وہاں اکٹھے ہوگئے، اس وقت اس گاؤں والے نے حضورؐ سے کہا کہ اچھا اگر تم نے گھوڑا خریدا تھا تو معاملے کی کوئی گواہی لاؤ کہ میں نے یہ گھوڑا آپؐ کو بیچ دیا ہے۔

اب جو بھی مسلمان وہاں آیا اس نے گھوڑے والے کو لاکھ سمجھایا کہ بیوقوف آدمی! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپؐ جھوٹ نہیں کہتے اور ہمیشہ سچ ہی فرماتے ہیں، مگر وہ اپنی ہی بات پر اڑا رہا، اسی دوران خزیمہ بن ثابتؓ آگئے۔ انھوں نے حضورؐ کی اور اس گاؤں والے کی ساری بحث سُنی، وہ یہ ہی بار بار کہتا رہا کہ اپنا کوئی گواہ لاؤ۔

آخر کار حضرت خزیمہؓ نے کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو نے یہ گھوڑا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا ہے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہؓ سے پوچھا کہ تم کس بنیاد پر یہ گواہی دے رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمیشہ سے صادق القول اور اپنی بات میں پکے اور سچے رہے ہیں، کیا اس گھوڑے کی خریداری کے معاملے میں غلط بات فرما سکتے ہیں، اس پر حضورؐ نے فرمایا:

کہ آج سے خزیمہ کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کا درجہ رکھتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ سے پوچھا کہ تم یہ گواہی کس طرح دیتے ہو جب کہ تم معاملے کے وقت ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ! آپؐ ہمیں آسمانی خبریں سناتے ہیں اور ہم انھیں صرف سن کر آپؐ پر ایمان لے آئے ہیں اور ان باتوں کو سچ سمجھتے ہیں تو اس دنیوی بات کی تصدیق کیسے نہ کریں۔

خزیمہؓ نے اپنی ذہانت سے سمجھ لیا کہ یہ گھوڑے والا کسی غلط فہمی کی بنا پر یا زیادہ قیمت کے لالچ میں حضور اکرمؐ سے الجھ رہا ہے اور حضورؐ کا قول کبھی غلط یا جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بے جھجک اور بے خطر معاملے کی گواہی دے دی اور اسی کے نتیجے میں ان کی گواہی دو آدمیوں کی گواہی کے برابر دے دی گئی ہے۔ اور انھیں ایک ایسی خصوصیت و فضیلت حاصل ہو گئی جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں تھی۔

دشمنوں سے چالاکی برتنے کا ایک عجیب واقعہ (۳۰)

انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر فتح پائی تو حجاج بن علاط نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مکے میں میرا سارا مال و

اسباب پڑا ہوا ہے اور گھر والے بھی وہیں ہیں میری خواہش ہے کہ انھیں یہاں لے آؤں، لیکن مجھے کوئی راہ میں دشمن مل جائے اور میری پکڑ دھکڑ کرے تو۔ اگر آپؐ کی اجازت ہو تو میں اس سے حسبِ موقع گول مول بات بنا کر چھٹکارا حاصل کرلوں، آپؐ نے فرمایا، اچھا جو بات تم چاہو بنا دینا میری طرف سے اجازت ہے۔

حجاج بن علاّط مکہ پہنچے اور بیوی سے کہا کہ جو کچھ مال و اسباب تمھارے پاس ہے۔ سب اکٹھا کر کے دے دو، میرا خیال ہے کہ محمدؐ اور مسلمانوں سے مکّے والوں نے جو کچھ سامان لوٹا ہے اسے خرید لوں کیوں کہ مسلمانوں کا خون اور انکا مال مکّہ والوں نے حلال قرار دیا ہے، اب ان مسلمانوں کے مال پر آفت آپڑی ہے اور وہ کوڑیوں کے مول اپنا سامان بیچ رہے ہیں۔

ان کی یہ بات پورے شہر میں پھیل گئی، جو مسلمان وہاں پھنسے ہوئے تھے وہ تو اسے سُن کر بہت دل گرفتہ اور مایوس ہوئے اور کفّار بے انتہا خوش تھے حضرت عباسؓ کو یہ خبر پہنچی تو ان کے گھٹنوں میں دم نہ رہا اور صدمے سے اتنے نڈھال ہوئے کہ کھڑے نہ رہ سکے، معمّر کی روایت ہے کہ حضرت عباسؓ کے قثم نام کے صاحبزادے رسول اللہ سے مشابہ تھے انہوں نے اسی اضطراب کے عالم میں قثم کو سینے پر پیار سے بٹھا لیا اور بے ساختہ یہ کلمہ دہرانے لگے کہ:

"میرا پیارا قثم بڑی ناک والا یعنی بڑی عزّت والا ہے۔ اس کے بعد بعد انہوں نے اپنا ایک غلام حجاج بن علاّط کے پاس بھیجا اور یہ معلوم کرایا کہ خدا تجھے سمجھے، تو کیا بات کہہ رہا ہے اور کیسی خبر یہ لوگوں میں پھیلا رہا ہے، خدا کرے تیری بات سچ نہ نکلے۔

غلام کی زبانی حضرت عباس کا یہ پیغام سن کر حجاج بن علاط نے کہا۔

کہ ابو الفضل یعنی حضرت عباسؓ سے بعد سلام کے یہ کہدو کہ میں خود آکر آپ سے تنہائی میں بات کروں گا اور میرے پاس ایسی خبر ہے جو انھیں خوش کر دے گی۔

غلام لوٹا تو باہر سے حضرت عباسؓ کو پکار کر کہا کہ اے ابو الفضل ــــ! تمہارے لیے مژدہ ہے، حضرت عباسؓ جھپٹ کر باہر آئے اور غلام کی پیشانی کو چوما، غلام نے حجاج کا جواب سنایا تو حضرت عباسؓ نے اس خوشی میں غلام کو آزاد کر دیا۔

حسب وعدہ حجاج بن علاّط حضرت عباسؓ کے پاس آئے اور فتح خیبر کی خوش خبری سُنائی اور وہاں کی تفصیلات انھیں بتائی کہ وہاں کتنا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور خیبر کی غنیمت میں وحی کے ذریعہ اللہ نے حصے متعین کر دیے ہیں۔ اور خیبر کی یہودی سردار کی بیٹی صفیہ ــــ حضورؐ کے عقد میں آگئیں کہ (قانونِ جنگ کے تحت) وہ باندی بن کر آئیں تو آپؐ نے انھیں آزاد کر کے یہ اختیار دے دیا کہ وہ اپنے رشتے داروں میں جانا چاہیں تو وہاں چلی جائیں اور آپؐ کے نکاح میں آنا چاہیں تو نکاح کر لیں، مگر صفیہؓ نے حضورؐ کی صحبت کو ترجیح دی اور آپؐ سے اُن کا نکاح ہو گیا، اور رہا میں تو میں صرف اپنا مال لیجانا چاہتا ہوں کہ جو سامان یہاں موجود ہے اسے سمیٹ لے جاؤں اس کے لیے میں نے حضورؐ سے اجازت لے لی تھی کہ اس کے لیے بطور تدبیر میں کسی قسم کی بات بنانا چاہوں تو بنا کر اپنا کام کر لوں لہٰذا فتح خیبر کی جو خوشخبری میں نے سنائی ہے وہ تین روز تک کسی سے نہ سُنائیے اس کے بعد لوگوں کو بتائیے۔

غرض حجاج کی بیوی نے اپنا کل زیور اور مال و متاع شوہر کے حوالے کیا یہ اسے لے کر مکہ سے چلے گئے تین روز کے بعد حضرت عباسؓ حجاج کے گھر پر پہنچے اور ان کی بیوی سے پوچھا کہ تیرا خاوند کس روز گیا ہے اس نے کہا کہ وہ

تو فلاں روز یہاں سے چلے گئے تھے۔ اور اے ابو الفضل خدا آپ کو غم و الم سے محفوظ رکھے جو تکلیف دہ خبر آپ کو ملی ہے وہ ہمارے لیے رنج کا باعث ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک اللہ مجھے پریشانی سے بچائے گا اور اللہ کا شکر ہے کہ جو بات ہم چاہتے تھے وہی پیش آئی ہے، اللہ نے اپنے رسولؐ کے ہاتھوں خیبر کو فتح کرادیا اور خیبر کے مالِ غنیمت میں اللہ نے سب کے حصے بھی مقرر کر دیے اور صفیہؓ سے حضورؐ نے نکاح کرلیا، لہٰذا اب تو چاہے تو اپنے خاوند کے پاس پہنچ جا، اس نے کہا واللہ میں تو آپ کو سچا ہی سمجھتی ہوں، حضرت عباسؓ نے کہا! خدا کی قسم، میں سچ ہی بول رہا ہوں جو کچھ میں نے تم سے کہا یہ واقعہ ہے۔

اس کے بعد حضرت عباسؓ نکلے اور قریشیوں کی طرف پہنچے اور جہاں کسی مجمع پر آپ کا گزر ہوتا تو آپ کے احترام اور بزرگی کی بنا پر لوگ خوشی اور خیر کے کلمات کہتے اور خوش نصیبی کی دعائیں دیتے۔ عباسؓ جواب میں کہتے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اچھی ہی خبر سے مجھے نوازا ہے، حجاج بن علاط نے مجھے یہ اطلاع دی کہ اللہ نے اپنے رسول کو خیبر پر فتح دلوائی، وہاں کے مالِ غنیمت میں اللہ نے لوگوں کے حصے طے کر دیے ہیں، صفیہ کا نکاح رسول اللہ سے ہوگیا، حجاج نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ میں یہ بات لوگوں کو تین روز کے بعد بتاؤں، وہ تو صرف اپنا مال و اسباب لینے کے لیے یہاں آیا تھا۔

عباسؓ سے یہ تفصیل سُن کر اب تو سارا معاملہ پلٹ گیا، جو روحانی اور ذہنی اذیت مسلمانوں کو ہو رہی تھی اب اس میں مشرکین مبتلا ہو گئے، مکے کے مسلمان اب یہ خبر سُن کر دوڑے دوڑے حضرت عباسؓ کے مکان پر آئے، حضرت عباسؓ نے گھر آکر ان سب کو اس فرحت بخش خبر کی تفصیل سُنائی تو مسلمانوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

جنگی حکمتِ عملی (۳۱)

ابن اسحٰق سے منقول ہے کہ جنگِ احزاب میں جب حالات انتہائی خطرناک تھے اور خوف و دہشت کی فضا طاری تھی۔ نعیم بن مسعودؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ حضورؐ میرے اسلام لانے کی میرے قبیلے والوں کو خبر نہیں ہے۔ اس لیے آپؐ کوئی خدمت میرے سپرد کیجیے، تو یہ موقع ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں تم ہم میں کے اکیلے ہی وہاں ہو۔ اس لیے ہمارے بارے میں جو تم مناسب سمجھو وہاں کہدینا کہ لڑائی میں چالاکی اور دھوکے ہی سے کام لیا جاتا ہے۔

چنانچہ نعیم اجازت لے کر بنو قریظہ میں پہنچے، جن سے ان کا زمانۂ جاہلیت میں اچھا میل جول تھا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر بنو قریظہ سے کہا کہ میں تم لوگوں سے دوستی رکھتا ہوں تم خوب جانتے ہو، ان لوگوں نے اس کی تائید کی، نعیمؓ نے کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ تمھارا قریش کا اور قبیلہ غطفان کا محمدؐ کے یہاں ایک ہی درجہ ہے۔ مدینہ منورہ تمھارا شہر ہے جہاں تمھارا مال و اسباب اور تمھارے سب متعلقین رہتے ہیں لیکن قریش اور غطفان کی بستیاں دوسری ہیں۔ یہ لوگ صرف اس غرض سے آئے ہیں کہ تمھیں ساتھ ملا کر فائدہ اٹھالیں اور اگر جنگ کا پانسہ خلاف پڑتا نظر آئے تو اپنے اہل و عیال اور بستیوں کو لوٹ جائیں اور تمھیں اس شخص محمدؐ کو میدان میں تنہا چھوڑ جائیں جس کا مقابلہ تمھارے اپنے بس سے باہر ہے۔

لہٰذا میرا خیال یہ ہے کہ جنگ میں اس وقت تک قریش کے ساتھ شریک نہ ہو۔ جب تک بطورِ ضمانت وہ اپنے چند با حیثیت افراد کو تمھارے یہاں پرغمال نہ رکھدیں، جنھیں اس وقت تک اپنی گرفت میں رکھو جب تک وہ محمدؐ سے لڑائی نہ چھیڑ دیں۔

نعیم بن مسعودؓ کی یہ تجویز بنو قریظہ کی سمجھ میں آگئی اور انھوں نے کہا کہ تمھاری بات بالکل معقول اور ہمدردانہ ہے۔

نعیم بن مسعود بنو قریظہ سے اس گفتگو کے بعد لشکرِ قریش میں پہنچے، قریشی سرداروں سے ملے، سپہ سالار قریش ابو سفیان سے ملاقات کی اور اس طرح کی بات شروع کی کہ اے قریشیو! میرا تم سے جو معاملہ ہے وہ مخلصانہ اور برادرانہ ہے تم اس کو اچھی طرح جانتے ہو اور تمھیں یہ بھی پتہ ہے کہ میرا محمدؐ اور ان کے دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس وقت میں تمھارے پاس تمھاری خیر خواہی کی غرض سے ایک مشورہ دینے آیا ہوں، مگر یہ راز کی بات ہے، اسے پوشیدہ رکھنا ہوگا، عمائدینِ قریش نے کہا کہ تمھیں ہم معتبر اور قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں اور تم پر یقیناً شک وشبہ کی کوئی وجہ نہیں۔

نعیم بن مسعود نے کہا کہ تم لوگوں کو پتہ ہے کہ بنو قریظہ یہودی ہیں گویا ان کا اور محمدؐ کا دین ملتا جلتا اور قریب ہے۔ اس لیے انہوں نے محمدؐ کے ساتھ جو شرارتیں اور حرکتیں کی ہیں ان پر انھیں شرمندگی ہے جس کو دور کرنے کے لیے انہوں نے محمدؐ کے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگر ہم کچھ باحیثیت قریشیوں کو اپنے پاس یرغمال رکھ لیں تو کیا بنو قریظہ سے تمھاری ناراضگی دور ہو سکتی ہے؟ ہم ان قریشی سرداروں کو رہن کے نام سے رکھیں گے اور پھر تمھارے حوالے کردیں گے۔ تم ان کی گردنیں مار دینا اس کے بعد ہم تم مل کر قریش اور ان کے ساتھیوں کو اپنے یہاں سے نکال باہر کریں گے۔

بنو قریظہ کی یہ تجویز محمدؐ نے قبول کرلی ہے، اب بنو قریظہ تم سے کچھ معزز قریشیوں کو مانگیں تو تم اپنا ایک آدمی بھی نہ دینا اور ان سے بچ کر رہنا۔

یہاں سے اٹھ کر نعیم بن مسعودؓ قبیلہ غطفان میں آئے اور ان سے بھی

اسی انداز کی گفتگو کی۔

چنانچہ اگلے روز بنو قریظہ کے پاس عکرمہ بن ابوجہل اور چند دوسرے سرداروں کو بھیجا اور یہ کہلایا کہ اے گروہِ یہود! ابوسفیان تم سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ:

محمدؐ دینِ اسلام کا جو فتنہ لے کر اٹھے ہیں اس میں نہ کوئی چھوٹا بچے گا اور نہ بڑا، ہم تمہاری بستیوں میں ٹکنے کے لیے نہیں آئے ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ تم ہمارے ساتھ مل کر محمدؐ سے لڑنے کے لیے نکلو۔

اس کے جواب میں بنو قریظہ نے یہ کہلایا کہ آج یوم السبت ہے جو ہماری تعطیل کا دن ہے، ہم لڑائی میں اس وقت تک شریک نہ ہوں گے جب تک تم بطورِ رہن کچھ افراد ہمارے قبضے میں نہ دے دو جن کو ہم حراست میں رکھیں گے تاکہ جس سے ہمارا شبہ دور ہو جائے کہ تم لوگ لڑائی کے لیے نہ نکلو گے اور ہمیں تنہا محمدؐ کے مقابلے میں چھوڑ جاؤ گے۔

یہ جواب سن کر ابوسفیان نے سمجھ لیا کہ واقعی ابونعیم نے ہمیں ٹھیک خبر دی تھی۔ چنانچہ اس نے بنو قریظہ کو یہ کہلا بھیجا کہ ہم تو ایک شخص بھی نہ دیں گے تمہاری مرضی ہے چاہے لڑائی کے لیے ہمارے ساتھ آؤ یا گھر بند کر کے بیٹھ رہو۔

ادھر بنو قریظہ کو ابونعیم کی بات کی تصدیق ہو گئی کہ قریش نے یہی سوچا ہے کہ محمد سے لڑائی میں موقع ملے تو حملہ کر دیں ورنہ پیچھے لوٹ جائیں۔ اور محمدؐ کے لیے ہم سے بدلہ لینے کو میدان خالی چھوڑ دیں کہ وہ ہمیں تنہا پا کر مغلوب کر لیں۔

انہوں نے قریش سے یہ بھی کہا کہ ہماری شرط تو وہی رہن والی ہے ورنہ لڑائی میں شریک ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ غرض کہ قریش سے ان کا معاملہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد اللہ نے قریش اور غطفان پر جو آندھی کا جھکڑ چلایا تو انہیں نہایت ذلت سے الٹے پاؤں میدان جنگ چھوڑ کر گھروں کو بھاگنا پڑا۔

اہلِ بیت سے تعلق کے لیے حسنِ تدبیر (۳۲)

عبدالرحمٰن بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ کے نکاح کا پیغام اُمِّ عمران بنت سعید بن سمدانی سے بھیجا، سعید یعنی لڑکی کے باپ نے جواب دیا کہ میرے اوپر ایک اور ذاتِ با اختیار ہے۔ یعنی ان کی والدہ حضرت علی نے فرمایا کہ اچھا جاکر ان سے مشورہ کرلو، سعید اٹھ کر چلے ہی تھے کہ دروازہ پر اشعث بن قیس سے ملاقات ہوئی۔ ان سے سعید نے یہ بات بتائی، اشعث نے کہا، کیا تم نے حسنؓ سے بچی کے نکاح کا فیصلہ کرلیا، بات یہ ہے کہ حسن اس لڑکی پر اپنی فوقیت ظاہر کریں گے اور اس کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہیں کرسکیں گے۔ کیوں کہ ان کو ناز ہے کہ وہ اولادِ رسول ہیں، اور امیر المومنین کے بیٹے ہیں، تمھیں اپنے بھتیجے کا بھی خیال کرنا چاہیے۔ یہ اس کی زوجہ بننے کی اہل ہے۔ اور وہ اس کا شوہر بننے کا اہل ہے، گویا دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور آپس میں نکاح کے متمنی بھی ہیں۔

اس گفتگو کے بعد اشعث بن القیس حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا، امیر المومنین کیا آپ نے سعید کی لڑکی سے صاحبزادہ حسن کا پیغام دیا ہے انہوں نے فرمایا کہ ہاں دیا ہے۔

اشعث نے کہا کہ کیا آپ اور بھی شریف گھرانے کی لڑکی پسند فرمائیں گے جو بنتِ سعید سے اچھی، حسب میں اس سے عمدہ، شکل وصورت میں اس سے جمیل اور مال ودولت میں اس سے بڑھ کر ہو۔

حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا، وہ کون لڑکی ہے۔

اشعث نے جواب دیا کہ وہ جعد بنت الاشعث ابنِ قیس ہے۔ حضرت علیؓ

نے فرمایا کہ اب تو ہم ایک جگہ پیغام دے چکے ہیں۔
اشعث نے کہا کہ جس کو آپ نے پیغام دیا ہے اب اس کے قبول کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔
حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بھائی وہ یہاں سے اٹھ کر لڑکی کی ماں سے مشورہ کے لیے گیا ہے۔
اشعث نے کہا کہ اس نے اس کا نکاح تو محمد بن الاشعث سے کر دیا۔
حضرت علیؓ نے پوچھا کب کر دیا؟ اشعث بولے کہ ابھی دروازہ پر۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کا نکاح جعدہ ہی کے ساتھ کر دیا۔ اور جب سعید کی اشعث بن القیس سے ملاقات ہوئی تو سعید نے نہایت سخت لہجے میں ان پر دھوکہ بازی کا الزام لگایا۔ اشعث نے سعید کو سخت و سست کہا اور ان کو اس بات کے لیے ناحق قرار دیا کہ انہوں نے نواسۂ رسولؐ کے بارے میں مجھ سے مشورہ کی ضرورت محسوس کی۔ حالانکہ یہ مشورہ طلب بات نہ تھی بلکہ ایک سنہرا موقع اور بڑی سعادت تھی۔ جو بیٹھے بٹھائے مل رہی تھی۔
اشعث حسنؓ کے پاس آئے اور کہا کہ اپنی دلہن کو ایک نظر دیکھنے چلیں گے؟ انہوں نے آمادگی ظاہر کی تو اشعثؓ نے کہا کہ نہیں اس طرح نہیں چلا جائے گا بلکہ خدا کی قسم میری قوم کی چادریں آپ کے زیر قدم ہوں گی، تو ایسا ہی ہوا کہ بنی کندہ استقبال کے لیے راستے میں دونوں جانب صف بنا کر کھڑے ہو گئے اور اشعث کے دروازے تک انھوں نے اپنی چادریں بچھا ڈالیں۔ حضرت حسنؓ انہی چادروں پر چل کر اشعث کے یہاں گئے۔

قیافہ اور حافظہ کی قوت (۳۳)

جعفر بن عمرو الضمری کا بیان ہے کہ میں عبید اللہ ابن عدی بن الخیار کے

ہم راہ شام کی طرف نکلا تو عبیداللہ نے وحشی بن حرب سے ملنے کی ترغیب دی چنانچہ ہم اس سے ملنے کو جا پہنچے، ہمارے سلام کا اس نے جواب دیا عبیداللہ نے عمامہ میں اپنا منہ اس طرح چھپالیا تھا کہ وحشی کو اس کی صرف آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ یا پورے بدن پر عبا ہونے کی بنا پر دونوں پاؤں دکھائی دیتے تھے۔

عبیداللہ نے وحشی سے پوچھا کہ تم نے مجھے پہچانا نہیں؟

وحشی نے کہا نہیں؟ ــــــ خدا کی قسم مجھے اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں کہ عدی بن الخیار نے ایک عورت سے شادی کی تھی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کے لیے عدی نے ایک دودھیاری رکھا تھا۔ میں اس بچے کو لے کر اس کی ماں کے ساتھ دودھیاری کے پاس گیا تھا اور اس کے پاس چھوڑ کر آیا تھا۔ تو گویا اس وقت میں اسی لڑکے کے پاؤں دیکھ رہا ہوں۔

یعنی عدی کے لڑکے عبیداللہ کو وحشی نے شیر خواری کے زمانہ میں تھوڑی دیر کے لیے دیکھا تھا مگر ان کی یادداشت اتنی قوی نکلی کہ جوان ہونے کے بعد اس لڑکے کے پاؤں پہچان لیے۔

❊ ❊ ❊

شعر

یادیں گزشتہ عہد کی، یارب عذابِ جان ہیں
ذہن سے میرے محو کر، صفحۂ دل سے کر حذف

مولانا ثاقبؒ پورنوی

باب ۹

خلفاءِ راشدین کے بعد دوسرے خلفا کی حکایتیں اور واقعات

دشمن کی فتنہ انگیزی سے بچنے کے لیے ذہانت کا ایک واقعہ

اصمعی کہتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے بادشاہِ روم کے پاس عامر شعبی کو بطورِ قاصد بھیجا، شعبی وہاں بہت ٹھاٹ باٹ سے پہنچے، جب یہ لوٹنے لگے تو رومی بادشاہ نے پوچھا کہ کیا تم شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟

شعبی نے کہا: نہیں، میں خاندانِ شاہی سے نہیں ہوں۔ جب شعبی لوٹنے لگے تو رومی بادشاہ نے ایک مختصر سا پرچہ لکھ کر حوالے کیا اور کہا کہ جب آپ اپنے خلیفہ کے پاس پہنچیں اور یہاں کی سب باتیں انھیں بتا کر فارغ ہو جائیں تو آخر میں یہ پرچہ ان کے سامنے پیش کر دینا۔

چنانچہ شعبی جب خلیفہ عبدالملک کے پاس واپس آئے اور ضروری بات چیت سے فارغ ہو کر اٹھنے لگے اور واپس ہوئے تو وہ پرچہ یاد آیا۔ پلٹ کر آئے اور کہا کہ امیر المومنین میں یہ پرچہ دینا بھول گیا تھا جو یہاں سے باہر نکل کر مجھے یاد آیا یہ مجھے آخر میں پیش کرنا تھا۔

شعبی پرچہ دے کر چلے گئے تو خلیفہ نے پرچہ کھلوایا اور اسے پڑھوایا تو شعبی کو بلوایا، وہ آئے تو ان سے پوچھا کہ تمھیں پتہ ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

پھر شعبی کو پرچہ پڑھ کر سنایا جس میں لکھا تھا کہ:

"مجھے عربوں پر حیرت ہے کہ اس شخص کو چھوڑ کر دوسرے کو اپنا حاکم بنایا"

عبدالملک نے کہا کہ شعبی تم سمجھے بھی؟ کہ شاہِ روم نے یہ کیوں لکھا ہے شعبی نے کہا میں تو سمجھا نہیں۔!

عبدالملک نے کہا کہ وہ میرے اندر تمھاری طرف سے حسد پیدا کرانا چاہتا ہے اور مجھے اس پر اکسانا چاہتا ہے کہ میں تمھیں جان سے مار دوں۔

شعبی نے کہا کہ اے امیرالمومنین اس نے آپ کو دیکھا نہیں ورنہ مجھے اس لائق نہ سمجھتا۔

اس بات چیت کا حال شاہِ روم کو معلوم ہوا تو اس نے تصدیق کی کہ خدا کی قسم میں یہی چاہتا تھا کہ عبدالملک کو حسد پیدا ہو اور وہ شعبی جیسے قابل آدمی کو ختم کردے، مگر عبدالملک بہت ہشیار اور نکتہ شناس نکلا۔

خلیفہ عبدالملک کی تربیت اولاد (۲)

ہشام بن عبدالملک نے اپنے لڑکے کو تربیت کے لیے جس شخص کے سپرد کیا تھا اس کو یہ ہدایت کی تھی کہ کسی موقع پر لڑکے کے منھ سے کوئی نازیبا کلمہ نکلے تو اس کو فوراً مجمع میں ٹوک کر شرمندہ نہ کرنا ورنہ ممکن ہے کہ وہ اپنی غلطی کا اقرار کرنے کے بجائے اسے درست کرنے پر تل جائے۔

اور اپنی غلطی کو صحیح سمجھنا پہلی غلطی سے زیادہ برا ہے، لہٰذا انھیں چاہیے کہ اس بات کو ذہن میں رکھو اور اس کی غلطی پر اس وقت ٹوکو جب تنہائی ہو۔ اور اس وقت اس کی اصلاح کرو۔

❊ ❊ ❊ ❊

عبّاسی خلیفہ سفّاح کی چالاکیاں (۲)

سفّاح عباسی خلیفہ بنو ہاشم سے حسد رکھتا تھا۔ شیعوں اور باحیثیت لوگوں سے اُسے خاص بغض تھا، اتفاق سے اس کے پاس امام حسنؓ کے پوتے عبداللہ بن حسین بن حسن آئے ان کے پاس قرآن مجید بھی تھا انہوں نے آکر سفّاح سے کہا کہ:

"امیرالمومنین ہمارا حق دیجیے جسے اللہ نے قرآن مجید میں واضح فرمایا ہے ان کی اس بات سے لوگوں پر دہشت طاری ہوگئی کہ کہیں سفاح ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کر بیٹھے، عوام کو خاندانِ ہاشمی کے اس رئیس اور سردار کے ساتھ اس طرح کی زیادتی گوارہ نہ تھی۔ اور یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ سفاح کے ساتھ یہ ہاشمی سردار اپنی حیثیت کے مطابق گفتگو نہ کر سکیں۔

بہرحال سفاح نے عبداللہ بن حسین بن حسن کی بات سُنی تو بغیر کسی غصّے اور ناگواری کے ان سے کہا: کہ

"تمھارے پردادا علیؓ مجھ سے زیادہ اچھے اور زیادہ منصف تھے انھیں اقتدار ملا، اور وہ خلیفہ بنے تو انہوں نے تمھارے دادا حسن اور حسین کو ان کا حق دیا اور یہ دونوں تم سے اچھے تھے۔ اور اب مجھ پر واجب ہوا کہ میں تمھیں اتنا ہی دوں، تو یہ تمھارے ساتھ میرا انصاف ہوگا اور اگر میں نے اس سے زیادہ دیا تو کیا تمھاری طرف سے میرے لیے یہی جزا ہوگی۔

اس پر عبداللہ بغیر کوئی جواب دیے خاموشی سے لوٹ گئے۔

لوگوں کو سفاح کے جواب پر بہت تعجب ہوا کہ اس نے کس چالاکی اور ہوشیار و دانش مندی سے بغیر کچھ دیے

عبداللہ کو لاجواب کر دیا۔"

(۴) ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ سفاح نے خلیفہ ہونے کے بعد پہلا خطبہ عباسیہ نامی گاؤں میں دیا تھا۔ جب خطبہ میں اس نے کلمۂ شہادت پڑھا تو حضرت ابو طالب کی ذریات میں سے ایک شخص اٹھا جس کے گلے میں قرآنِ پاک پڑا ہوا تھا۔ اس نے اٹھ کر سفاح سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

میں تمھیں اس ربّ عزوجل کی دہائی دے کر کہتا ہوں جس کا تم نے ابھی کلمۂ شہادت میں نام لیا ہے کہ میرے دشمن کے مقابلے میں مجھ سے انصاف کرو۔ اور میرے اور اس کے مابین عدل سے کام لو ایسا عدل جس کا حکم قرآنِ پاک نے دیا ہے۔

سفاح نے کہا تجھ پر کتنا ظلم ہوا اور کس نے کیا؟

وہ بولا، ابو بکر نے کیا جنھوں نے میری دادی فاطمہؓ کو باغ فدک نہ دیا۔

سفاح نے پوچھا، ابو بکر کے بعد کوئی اور بھی ہوا؟

اس نے جواب دیا کہ ہاں!

سفاح نے پوچھا، کون؟

اس نے کہا کہ عمر۔

سفاح نے پوچھا کہ جو ظلم تم لوگوں پر ہوا اسی ظلم کو عمرؓ نے بھی باقی رکھا

اس نے کہا ہاں!

سفاح نے پوچھا کہ اس کے بعد کوئی اور بھی ہوا۔؟

اس نے کہا کہ ہاں!

سفاح نے پوچھا، کون

اس نے کہا عثمان!

سفّاح نے کہا اور انھوں نے بھی اسی ظلم کو برقرار رکھا۔

اس نے کہا کہ ہاں!

سفاح نے پوچھا کہ ان کے بعد کوئی اور بھی ؟

اس نے کہا کہ حضرت علی رضؓ۔

سفاح نے پوچھا کہ وہ بھی اس ظلم کو دور نہ کر سکے۔

اس پر وہ شخص خاموش ہو گیا اور اپنے چھٹکارے کے لیے پیچھے کی طرف دیکھنے لگا کہ موقع ملے تو فرار ہو جاؤں۔

سفاح نے کہا خدا کی قسم، جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اگر یہ جگہ نہ ہوتی جہاں میں کھڑا ہوں اور میں گفتگو میں پہل نہ کر چکا ہوتا تو جہاں تیری آنکھیں پیوست ہیں اس کو بدن سے جدا کر دیتا۔ بس اب بیٹھ جا اور خاموشی سے خطبہ سن لے۔

خلیفہ ابو جعفر منصور کی ذہانت (۵)

اسماعیل بن محمدؒ کہتے ہیں کہ ابن ہرمہ شاعر نے ابو جعفر منصور کو ایک قصیدہ پڑھ کر سنایا، قصیدہ سن کر ابو منصور نے پوچھا کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔

ابن ہرمہ نے کہا کہ آپ حاکم مدینہ کو یہ حکم بھجوا دیں کہ جب مجھے نشے میں پائے تو مجھ پر حد جاری نہ کرے، منصور بولا یہ حد تو اللہ کا بنایا ہوا قانون ہے اس کو توڑنے کی کوئی شکل نہیں ہو سکتی۔

ابن ہرمہ نے کہا کہ بس میری تو مانگ یہی ہے!

منصور نے کہا کہ اچھا ہم گورنر مدینہ کو یہ لکھے دیتے ہیں کہ جو کوئی ابن ہرمہ کو نشے کی حالت میں پکڑ کر لائے تو ابن ہرمہ کو ۸۰ کوڑے اور پکڑ لانے والے کو ستو کوڑے مارو، تو اس کے مطابق منصور کا فرمان مدینہ پہنچ گیا اور حالت یہ ہوئی کہ

پولیس والے اسے نشے میں دیکھ کر گزر جاتے اور کہتے کہ اسّی کوڑوں کے عوض ستو کوڑے کون خریدے۔ چنانچہ ابن ہرمہ کو اسی طرح چھوڑ کر چلے جاتے۔

(۶) ابو جعفر منصور ایک گنبد پر بیٹھ کر شہر کی حالت دیکھ رہے تھے کہ غمگین و پریشان حال ایک شخص پر نظر پڑی جو سڑکوں پر یوں ہی گھوم رہا تھا خادم کو اسے لانے کا حکم دیا، خادم اسے لے کر حاضر ہوا تو منصور نے اس سے اس کی حالت پوچھی تو اس نے بیان کیا کہ:

میں کاروباری سفر کے لیے نکلا تھا جب نفع کما کر گھر لوٹا اور مال لیکر واپس آیا تو اسے بیوی کے حوالے کیا۔ اب بیوی یہ کہتی ہے کہ سب مال چوری ہو گیا لیکن گھر میں نہ تو نقب کا نشان ہے اور نہ چھت اکھڑی دکھائی دیتی ہے۔ اب مال گیا تو کس طرح۔؟

منصور نے اس سے پوچھا کہ تمھارا نکاح اس عورت سے کب ہوا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ ایک سال کا عرصہ ہوا۔

منصور نے پوچھا وہ کنواری تھی؟

اس نے جواب دیا نہیں۔

منصور نے پوچھا کہ دوسرے خاوند سے اس کے کوئی اولاد ہے۔

اس نے کہا نہیں۔

منصور نے پھر پوچھا کہ وہ کچھ ادھیڑ عمر کی ہے یا جوان ہے۔

اس نے کہا کہ نوعمر ہے۔

پھر منصور نے ایک عطر کی شیشی منگوائی جو اس کا مخصوص عطر تھا اور بہت عمدہ تھا۔ منصور نے اسے شیشی دی اور کہا کہ جاؤ اسے استعمال کرو۔ اس کے اثر سے تمھارا سارا رنج دور ہو جائے گا۔

جب شخص چلا گیا تو منصور نے اپنے چار غلاموں کو بلا کر انھیں ایسا ہی عطر سنگھایا اور انھیں حکم دیا کہ تم میں سے ہر ایک شہر پناہ کے چاروں دروازوں میں سے ایک ایک دروازے پر جا کر پہرہ دے جو آنے جانے والا ایسا گزرے جس سے تم ایسی خوشبو پاؤ اسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔

وہ شخص جو منصور کے پاس شکایت لے کر آیا تھا۔ گھر آ کر عطر کی شیشی اپنی بیوی کو دی اور اس سے کہا کہ امیر المومنین نے مجھے یہ عطر کی شیشی عطا کی ہے اس نے سونگھ کر محسوس کیا کہ بہترین عطر ہے۔ اپنے آشنا کو بلایا اور اسے یہ کہہ کر دیا کہ یہ عطر امیر المومنین نے میرے خاوند کو دیا ہے۔ اسے استعمال کرو، اس نے عطر کو لگایا، پھر شہر سے باہر کسی کام سے جانے لگا تو اس دروازے کے مقررہ پہرے دار نے خوشبو سونگھ کر اسے پہچان لیا۔ اور اسے پکڑ کر خلیفہ کے حضور پیش کر دیا۔ خلیفہ منصور نے پوچھا کہ ایسی عجیب و غریب خوشبو تو نے کہاں سے حاصل کی۔ ——— اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے یہ خوشبو خریدی تھی .....

منصور نے پوچھا کہ کس سے خریدی تھی، اس سوال و جواب سے گھبرا کر وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا تو منصور نے پولیس افسر کو بلوایا اور اس سے کہا کہ اس شخص کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاؤ اگر یہ چرایا ہوا مال پورا پورا دے دے تو اسے چھوڑ دینا کہ جہاں سینگ سمائے چلا جائے اور اگر مال نہ دے تو ہم سے پوچھے بغیر اس کے ایک ہزار کوڑے مارنا۔

جب وہ دونوں چلے گئے تو پھر پولیس افسر کو بلا کر کہا کہ اس کو ڈراؤ اور بالکل اکیلا رکھو اور جب ہم حکم دیں تب کوڑے مارنا۔

چنانچہ پولیس افسر نے اسے پکڑ کر قید خانے میں بند کر دیا، بالآخر اس شخص نے سب مال واپس کرنے کا وعدہ کیا اور سارا کا سارا لا کر حاضر کر دیا۔

منصور کو اطلاع دی گئی تو مالک کو بلا کر پوچھا۔ اگر ہم تمھارا مال تمھیں واپس دلادیں تو ایسی بیوی کے بارے میں تم ہمیں کلی اختیار دے دو گے، اس نے کہا۔ ہاں ضرور تب منصور نے کہا کہ اچھا یہ اپنا مال سنبھالو اور تمھاری بیوی کو میں طلاق دیتا ہوں اس کی اس کو اطلاع کر دو۔

(۷) یعقوب بن جعفر کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور کی انتہائی ذکاوت اور ذہانت کی علامت یہ قصہ ہے:

ایک مرتبہ وہ مدینہ گئے تو اپنے معتمد ربیع سے کہا کہ کوئی ایسا آدمی ڈھونڈ کر لاؤ جو لوگوں کے مکانات کے بارے میں پوری معلومات رکھتا ہو اور ہمیں تعارف کرا سکے۔ ربیع نے تلاش وجستجو کے بعد ایسا شخص فراہم کر کے منصور کے سامنے پیش کر دیا، اسے یہ ہدایت کی گئی کہ خلیفہ جس مکان کے بارے میں پوچھیں صرف اسی کے متعلق ضروری تفصیل بتائے۔ مزید کوئی بات بتانے کی ضرورت نہیں۔

جب ربیع چلا گیا تو منصور نے اس شخص کو ایک ہزار درہم دیے جانے کا حکم دیا۔ اس شخص نے آکر ربیع سے اس حکم کی تعمیل چاہی۔ ربیع نے کہا کہ مجھے تو کوئی حکم خلیفہ نے نہیں دیا۔ البتہ میں اپنی طرف سے تجھے ایک ہزار درہم دیتا ہوں ابھی کچھ دیر میں خلیفہ کی سواری جانے والی ہے اس وقت انھیں یاد دہانی کرا دینا چنانچہ یہ شخص بھی خلیفہ کے ساتھ سوار ہو کر چلا کرا اور مکانوں کا تعارف کراتا رہا۔ اس کو دوسری کسی گفتگو کا موقع ہی نہ مل سکا، منصور رخصت ہونے لگا تو اس شخص نے ایک شعر پڑھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ:

میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے قول کے سچے ہیں جو وعدہ کرتے ہیں اسے پورا فرماتے ہیں ورنہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ناقابلِ اعتبار زبان والے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کرتے نہیں۔

یہ شعر پڑھ کر

وَاَرَاکَ تَفْعَلُ مَا تَقُوْلُ وَبَعْضُهُمْ
مَذِقُ اللِّسَانِ یَقُوْلُ مَا لَا یَفْعَلُ

وہ شخص لوٹنے لگا تو منصور کو ہنسی آگئی۔ اس نے ربیع کو حکم دیا کہ اس شخص کو ایک ہزار درہم تو وہ دو جن کا ہم نے اس سے وعدہ کیا تھا اور ان کے علاوہ ایک ہزار اور دو۔

(۸) ابو عبید اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو جعفر منصور نے یزید بن ابی اُسَید سے تنہائی میں مشورہ کیا کہ ابو مسلم خراسانی کو قتل کرنا مناسب ہے یا نہیں؟

یزید بن ابی اُسَید نے کہا کہ میرے نزدیک اس کا قتل ضروری ہے اور قتل کر کے آپ کو شکرانے میں ایک سو اونٹ ذبح کرنا چاہیے، واللہ آپ کی اپنی حکومت کبھی قائم نہیں ہو سکتی اور نہ آپ اطمینان و مسرت کی زندگی گزار سکتے ہیں جب تک کہ ابو مسلم زندہ ہیں۔

یزید بن اُسَید کہتے ہیں کہ میرا جواب سن کر ابو جعفر منصور کی تیوری پر بل پڑ گئے اور مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ مجھے ختم کرا دے گا۔ پھر خود ہی منصور نے کہا کہ:

خدا تیری زبان کاٹ پھینکے اور تجھ پر تیرے دشمن غالب ہوں تو نے ایسے شخص کی جان لینے کا مشورہ دیا ہے جس نے سب سے زیادہ ہماری مدد کی، جو ہمارے دشمنوں پر سب سے زیادہ بھاری ہے۔ واللہ اگر مجھے تیری گزشتہ کارگزاریوں کا لحاظ نہ ہوتا اور تیری اس بات کو محض لفاظی نہ سمجھتا تو تیری گردن اُڑا دیتا، چل اٹھ خدا تجھے اٹھنے کے لائق بھی نہ رکھے۔

یزید بن اُسَید کہتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھا تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا، میری خواہش تھی کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں دھنس جائے تاہم جب ابو جعفر منصور نے ابو مسلم کو قتل کر ڈالا تو مجھ سے کہا کہ یزید تمہیں

وہ دن یاد ہے جب تم سے ابو مسلم کے قتل کے سلسلے میں مشورہ لیا تھا، میں نے جواب دیا کہ ہاں یاد ہے۔ تب منصور نے کہا کہ خدا کی قسم تمھارا خیال درست تھا۔ اور تمھاری رائے کے صحیح ہونے میں مجھے بالکل شک نہ تھا۔ لیکن مجھے یہ اندیشہ تھا کہ اگر تم نے یہ بات ظاہر کردی تو میرا سارا منصوبہ بیکار ہو جائے گا[1]

خلیفہ مہدی کا حیلہ (۹)

علی بن صالح کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ قاضی شریک بن عبداللہ خلیفہ مہدی سے ملاقات کے لیے آئے، مہدی نے قاضی صاحب کے اعزاز میں غلام کو خوشبودار لکڑی جلانے کا حکم دیا، اور جو قاضی کے پیچھے کھڑا تھا اس کو حکم دیا کہ عود لاؤ، عود ایک خوشبودار لکڑی کو کہتے ہیں اور سارنگی کی طرح ایک باجے کا نام بھی ہے۔ غلام عود کی لکڑی کے بجائے باجہ اٹھا لایا اور لاکر قاضی شریک کی گود میں رکھ دیا۔ قاضی شریک حیرت و پریشانی کے عالم میں بولے، امیر المومنین یہ کیا ؟

مہدی نے بات بناتے ہوئے کہا کہ آج صبح یہ باجا پولیس نے چھاپہ مار کر

---

[1] اسی وجہ سے منصور نے یزید کے مشورہ دینے پر اسے سخت سست کہا تھا، ابو مسلم خراسانی نے عباسی خلافت کے قیام میں بہت بڑی مدد کی تھی مگر وہ بہت خطرناک اور شقی القلب تھا۔ اس کا منصوبہ تھا کہ:

ایرانیوں کی حکومت عباسی خلیفہ کے ذریعہ قائم کرے، منصور کو اس سے یہی ڈر تھا اس لیے اس نے اس کو موقع پر ختم کردیا اور اس کے گروہ کو بھی حکومت اور اقتدار کے بل پر اور کچھ دولت اور منصب کے لالچ سے زیر کرلیا۔

برآمد کیا تھا، ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ یہ باجہ آپ کے ہاتھ سے ٹوٹے۔

قاضی شریک یہ سن کر خوش ہوئے اور جزاک اللہ کہتے ہوئے اس باجا کو توڑ ڈالا۔ پھر ادھر اُدھر کی بات چل نکلی اور واقعہ کا دھیان بھی نہ رہا، کچھ دیر بعد مہدی نے قاضی شریک سے پوچھا کہ اس مسئلے میں آپ کے نزدیک شرعاً کیا حکم ہے کہ ایک شخص نے اپنے وکیل سے کہا کہ فلاں چیز لے کر آؤ مگر وکیل کوئی دوسری چیز اٹھا لایا اور وہ ضائع ہو گئی۔

قاضی شریک نے جواب دیا کہ امیر المومنین وکیل پر ضمان یعنی اس کا بدل یا قیمت واجب ہے۔

قاضی شریک جب واپس چلے گئے تو مہدی نے غلام سے کہا کہ جو چیز یعنی باجہ برباد ہو گیا اس کا بدل دوسرا باجا لے کر آؤ گویا مہدی نے دوسرا باجا مہیا کرنے کا جواز قاضی صاحب کے جواب سے اپنی ذہانت کے بل پر حاصل کر لیا۔

(۱۰) محمد بن الفضل حسن بن الوصیف سے نقل کیا ہے کہ مہدی کے دربارِ عام میں ایک شخص آیا جس کے ایک ہاتھ میں رُومال میں لپٹا ہوا جوتا تھا اس نے آکر عرض کیا کہ:

اے امیر المومنین! یہ جوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو میں آپ کو ہدیہ کرتا ہوں:

مہدی نے کہا، لاؤ۔ اس نے جوتا پیش کیا تو مہدی نے جوتے کے اندر کے حصے کو جہاں تلوار رہتا ہے بوسہ دیا۔ اور آنکھوں سے لگایا اور پھر اس کو دس ہزار درہم دیے جانے کا حکم دیا۔

جب وہ چلا گیا تو مہدی نے درباریوں سے پوچھا کہ تمھارا کیا خیال ہے۔ میں نے یہ بات نہیں سمجھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوتے کو دیکھا

بھی نہ ہوگا، پہنتا تو دور کی بات ہے، اصل بات یہ ہے کہ اگر میں اس کو جھٹلا دیتا تو وہ لوگوں سے جاکر کہتا کہ میں نے امیر المومنین کے سامنے حضورؐ کے جوتے پیش کیے اور اس نے انھیں مجھ پر پھینک مارا۔

اور اس شخص کی بات کو جھوٹ سمجھنے کی بہ نسبت سچ سمجھنے والے زیادہ ہوتے کیوں کہ عوام تو صرف ظاہری اور سطحی چیز کو دیکھتے ہیں اور قوی کے بالمقابل کمزور کی تائید فطرتاً کرتے ہیں، چاہے حقیقتاً وہ کم زور ظالم ہی ہو۔ ؎ ــــــ تو

در اصل ہم نے دس ہزار درہم دے کر اس کی زبان کا سودا کیا ہے اور ظاہری طور پر اس کا ہدیہ قبول کر لیا اور اس کی بات کی تصدیق بھی کر دی لہٰذا اس وقت ہم نے جو کچھ کیا وہی ہمارے نزدیک مناسب اور صحیح تھا۔

خلیفہ ہارون رشید کی شعر فہمی کا قصّہ (۱۱)

مبرّد نے عمارہ بن عقیل سے نقل کیا ہے کہ ابن ابی حفصہ شاعر نے مجھ سے ذکر کیا کہ:

امیر المومنین مامون الرشید میں شعر فہمی کی صلاحیت نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ ان سے زیادہ شعر فہمی کا ذوق کسے ہوگا۔ ان کا معاملہ تو وہی ہے کہ ہم پہلا مصرعہ پڑھتے ہیں تو وہ دوسرا مصرعہ سننے سے پہلے ہی پورا شعر پڑھ ڈالتے ہیں۔

ابن ابی حفصہ نے کہا کہ میں نے ان کی مدح میں ایک اونچے مضمون کا شعر پڑھا مگر ان پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہو سکا میرا شعر یہ تھا کہ:

امام اضحی امام الھدیٰ المامون مشتغلاً

بالدین والناس بالدنیا مشاغیل

(ہدایت کے امام مامون الرشید برابر دین میں مشغول رہتے ہیں۔ ایسی حالت میں کہ

سب لوگ دنیا میں مستغرق ہوتے ہیں)

عمارہ نے کہا کہ واہ شعر میں کون سا ایسا مدحیہ مضمون ہے جو خلیفہ کو پسند آتا سوائے اس کے کہ خلیفہ کو آپ نے گویا ایسی کھونٹ بڑھیا ثابت کیا جو ہاتھ میں تسبیح لیے محراب میں بیٹھی ہو۔

جب امیر المومنین دنیاوی معاملات سے اس طرح یکسو ہوں گے تو امور خلافت کون انجام دے گا۔ حالانکہ ان کی اصل ذمہ داری یہی ہے بھلا تم نے اپنے چچا جریر شاعر کی طرح کا شعر کیوں نہ کہا جو انہوں نے عبدالعزیز بن الولید کی مدح میں کہا تھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

فلاهو في الدنيا مضيع لضيبه

ولاعرض الدنيا عن الدين شاغله

(وہ نہ دنیا کے متعلق اپنے حصہ کو ضائع کرنے والا ہے اور نہ دنیاوی مال واسباب اس کو دین سے بے خبر کر سکتی ہے۔)

گویا خلیفہ ہارون الرشید تو شعر فہم ہے مگر ابن ابی حفصہ کے شعر میں کوئی جان اور خاص بات نہ تھی۔ اس لیے مامون نے اس سے کوئی اثر نہیں لیا، اس کے مقابلے میں جریر کا شعر زیادہ بامعنی اور اثر انگیز تھا۔

مامون کی نکتہ شناسی (۱۲)

ایک مرتبہ حسن لولوی مامون الرشید کے سامنے کوئی قصہ بیان کر رہے تھے اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مامون خلافت کے منصب پر فائز ہو چکے تھے قصہ سنتے سنتے مامون اونگھنے لگا۔ حسن نے کہا، امیر المومنین! کیا نیند آگئی؟ مامون نے چونک کر کہا، ارے یہ شخص تو بازاری معلوم ہوتا ہے۔ اور

غلام کو حکم دیا کہ ہاتھ پکڑ کر اسے باہر نکال دے۔

دراصل گزشتہ دور میں حکمرانوں اور بادشاہوں کا یہ معمول تھا کہ داستان اور قصہ بیان کرنے والوں کو ملازم رکھتے تھے تاکہ رات کو جب سونے کا وقت ہو تو ذمے داریوں کے بوجھ سے دماغ آزاد ہو اور قصہ سنتے سنتے وہ نیند کی آغوش میں چلے جائیں، یعنی قصے اور داستان سنانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ نیند آجائے، حسن نے مامون کو آواز دے کر جگا دیا اور قصہ سنانے کا جو مقصد تھا وہ فوت ہو گیا۔ اسی لیے مامون نے حسن کو بازاری کہہ کر پکارا۔

معتضد باللہ کی فیاضی (۱۳)

ابو عبداللہ محمد بن حمدان کا بیان ہے کہ میں معتضد باللہ کے دربار میں حاضر تھا۔ رات کے وقت جب دسترخوان پر کھانا چُن دیا گیا تو معتضد باللہ نے مجھ سے کہا کہ ہمیں کھانا کھلاؤ۔ شاہی دسترخوان پر مرغ مُسلّم اور بُھنا ہوا تیتر موجود تھا۔ میں نے سب سے پہلے مرغ کا سینہ پیش کیا، معتضد نے کہا یہ نہیں ران کا گوشت دو، چنانچہ میں نے تعمیلِ حکم کی۔ چند لقمے کھا کر تیتر کی فرمائش کی میں نے تیتر کی ران اٹھا کر پیش کی تو خلیفہ کہنے لگا۔

تجھے آج کیا ہو گیا، کیسی عجیب حرکتیں کر رہا ہے، لا تیتر کے سینے کا گوشت نکال کر دے۔

میں نے کہا، جنابِ عالی! آج میں نے اپنی عقل کو پاؤں کے نیچے دبا رکھا ہے ——— یہ سُن کر معتضد کو ہنسی آگئی، میں نے موقع دیکھ کر کہا:

میں آپ کو اپنی باتوں سے کتنا ہنساتا ہوں مگر آپ مجھے ہنساتے نہیں۔

اس پر معتضد نے اشارہ کیا کہ اس رومال کے نیچے جو کچھ ہے وہ لے لو۔ میں نے اُسے

اٹھایا تو نیچے سے ایک دینار نکلا۔

میں نے عرض کیا کہ میں اسے لے لوں، خلیفہ نے کہا ہاں،

میں نے کہا آپ بھی اس وقت میرے ساتھ عجیب وغریب معاملہ کر رہے ہیں، بھلا ایک خلیفہ اپنے مصاحب کو صرف ایک دینار بھی بخشتا ہے؟

معتضد نے کہا، افسوس! بیت المال میں تیرا حق اتنا ہی بیٹھتا ہے اور میرا دل نہیں چاہتا کہ میں اپنے ذاتی روپیہ تجھے دوں۔ البتہ میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے جس سے تجھے پانچ ہزار دینار مل جائیں گے۔

اس پر میں نے معتضد کے ہاتھ کو بوسہ دیا، معتضد نے کہا کہ کل جب یہاں وزیر قاسم بن عبداللہ آئیں اور میرے سامنے پہنچ جائیں تو میں دیر تک تجھ سے کانا پھوسی کروں گا۔ میرا انداز غصے والا ہوگا اور کانا پھوسی کے وقت وزیر کی طرف ذرا کڑی نظر سے دیکھتے رہنا۔ جب میں کانا پھوسی کا سلسلہ بند کروں تو اٹھ جانا مگر دہلیز پر ٹھہرے رہنا۔ جب وزیر لوٹنے لگے تو وہ از خود تجھ سے ملے گا اور تجھ پر نہایت مہربان ہوگا اور اصرار کے ساتھ تجھے اپنے یہاں مدعو کرے گا۔ تجھ سے تیرے حالات پوچھے گا اس وقت اس سے اپنی تنگ دستی کا حال کہنا اور میری خصوصی خدمت اور ہم نشینی کے باوجود میرے انعامات کو حقیر بتا کر یہ ظاہر کر دینا کہ قرض اور عیالداری نے میری کمر توڑ دی ہے، بس تیری اس گفتگو کے بعد وزیر جو کچھ تجھے دے اسے لے لینا جو چیز تجھے وہاں پسند آجائے اس سے مانگ لینا، وہ یقیناً تجھے دے دے گا۔

اس طرح تو اپنا ۵ ہزار دینار کا حساب پورا چکا لینا اور جب تیرا مطلب پورا ہو جائے تو وہ تجھ سے پوچھے گا کہ تیری خلیفہ سے کیا خاص بات ہو رہی تھی تو پھر ساری بات صحیح صحیح کہہ دینا، ہرگز جھوٹ نہ بولنا اور صاف کہہ دینا کہ میں نے یہ ایک تدبیر تجھے رقم دلانے کے لیے تھی، البتہ اصل بات تب بتانا جب وہ بہت اصرار

کرنے لگے۔ مگر اس کو راز میں رکھنے کے لیے سخت طلاق والی قسم لے لینا۔ اور یہ بات اس وقت ہو جب تو اس کے سارے تحفہ جات اپنے گھر منتقل کر چکا ہو۔

چنانچہ اگلا دن ہوا تو وزیر حسب دستور دربار میں پہنچا، وزیر کو دیکھتے ہی خلیفہ نے منصوبے کے مطابق کانا پھوسی شروع کر دی۔ کچھ دیر بعد خلیفہ سے طے شدہ بات چیت کے مطابق جب میں دربار سے باہر نکلا تو دروازے پر وزیر قاسم میرا منتظر تھا، دیکھتے ہی کہنے لگا کہ اے ابو محمد! آخر ہم سے کیوں خفا ہو؟ نہ کبھی آنا نہ کبھی ملنا، نہ اپنی کسی ضرورت کا اظہار، آخر کیا بات ہے؟

میں نے جواب دیا کہ کیا بتاؤں، خلیفہ کی مصاحبت تو میرے لیے وبال جان بن گئی، ہر وقت خدمت میں حاضری! ـــــ وقت ہی نہیں ملتا، اس پر وزیر نے کہا کہ خیر آج تو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا، کچھ دیر مل بیٹھ کر گپ شپ کریں گے۔

میں نے کہا۔ یوں تو میں آپ کا خادم ہوں۔ آپ کی مرضی یہی ہے تو چلتا ہوں۔ چنانچہ وزیر نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ سوار کر لیا اور راستے میں مجھ سے حالات معلوم کرتا رہا۔ میں نے بھی اک ایک بات کھول کر رکھ دی کہ ویسے تو خلیفہ کا ہم راز اور ہم نشین ہوں مگر قرض کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں، آمدنی کم، عیال داری بہت، لڑکیوں کی شادیوں کا غم سوار ہے، مگر خلیفہ صاحب پر اپنے ہم نشینوں کی پریشانیوں اور ضروریات کا ذرا بھی خیال نہیں، بڑا ہی کنجوس حاکم ہے۔

میری یہ بات سن کر وزیر نے کہا، تم کچھ فکر نہ کرو، جتنی ہم میں گنجائش ہے ہم تمھاری امداد میں کوتاہی نہ کریں گے۔ اس سے پہلے تم اپنے حالات کا ذکر کرتے تو ہم تمھارا حال ایسا نہ ہونے دیتے۔

میں نے بہت احسان مندی اور شکریہ کا اظہار کیا، اتنے میں ہم وزیر

کے گھر پہنچ گئے اور سیدھے اوپر بالاخانے پر چلے گئے وہاں پہنچ کر وزیر نے اپنے خاص نوکروں سے کہا کہ آج ہم سارا وقت ابو محمدؒ کے ساتھ نہایت مزے مزے میں ہنسی خوشی گزارنا چاہتے ہیں۔ دیکھو ہماری تفریحی مجلس میں خلل انداز نہ ہو۔ پھر اس نے اپنے دفتری منشیوں کی بھی چھٹی کر دی اور بالکل تنہائی اور آزادی ہوگئی تو وزیر نے ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں، دسترخوان بچھایا گیا، قسم قسم کے میوے چنے گئے وزیر اپنے ہاتھ سے اُٹھا اٹھا کر مجھے دیتے رہے، پھر کھانا آیا آخر میں پینے پلانے کا شغل ہوا اس کے بعد میرے لیے ۵ ہزار دینار منگوائے۔ طرح طرح کی خلعتیں، عطریات اور سواریاں تحفے میں دی گئیں، سامان میں چاندی کی سینی چاندی کی سلیپچی، شیشے کے نہایت عمدہ و نفیس برتن، بلوریں گلاس اور نہایت موزوں جام۔ غرض بہت بیش قیمت سامان تھا۔ یہ سارا سامان وزیر کے حکم سے میرے ہمراہ کر دیا گیا میں نے بھی موقع دیکھ کر جس قیمتی چیز پر نظر پڑی اس کی فرمائش کر دی وزیر نے میری لڑکیوں کے جہیز کے لیے ایک بہت بہترین اور عمدہ فرش بھی دیا۔

غرض ان سب تحفے تحائف کی وصولی کے بعد مجلس ختم ہوئی تو میں نے یہ سب سامان اپنے گھر بھجوا دیا، حاضرین کے رخصت ہونے کے بعد وزیر نے تنہائی میں مجھ سے پوچھا کہ اے ابو محمد! تمھیں اس بات کا خود خیال ہوگا کہ میرے والد کے بھی تم پر کچھ حقوق اور میرا تمھارا تعلق بھی خاص ہے۔

میں نے کہا کہ حضور! میں تو آپ کا خانہ زاد ہوں میں ان سب حقوق کو نہ سمجھوں گا تو کون سمجھے گا، اس پر وزیر نے کہا کہ اب ایک بات بتاؤ لیکن قسم کھانی پڑے گی کہ جو کچھ کہو گے درست اور بالکل سچ کہو گے۔ میں نے کہا۔ جناب عالی! مجھے سچی بات کہنے پر قسم سے کیا انکار ہو سکتا ہے۔ تب وزیر نے

مجھے پہلے "خدا کی قسم کھلائی" اور بیوی کی طلاق اور اس کے آزاد ہونے کی قسم دی پھر پوچھا کہ آج خلیفہ جو تم سے چپکے چپکے میرے بارے میں باتیں کر رہے تھے وہ کس چیز سے متعلق تھیں۔

میں نے وزیر کو پوری بات ٹھیک ٹھیک بتادی۔

میری بات سُن کر وزیر بولا کہ اب تم نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اور اس معاملے میں چونکہ خلیفہ کی نیت بھی ہمدردانہ اور صاف تھی اس لیے مجھے اس سارے قصے میں کچھ گرانی بھی نہیں ہوئی۔

غرض وزیر کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے میں گھر لوٹ آیا۔ دوسرے روز صبح ہی صبح میں خلیفہ کی خدمت میں پہنچا، خلیفہ نے پوچھا کہ کیسی گزری؟ میں نے خلیفہ کے سامنے پوری داستان دہرادی۔ سن کر انہوں نے کہا کہ بس اب اس رقم کو احتیاط سے رکھنا۔ اس خیال میں نہ رہو کہ میں پھر کوئی ایسی حیلہ بازی کروں گا اور تمھیں وزیر سے ڈھیروں سامان اور روپیہ پیسہ دلوادوں گا۔

معتضد باللہ کی ذہانت کے واقعات (۱۴)

ابو بکر بن محمدؒ سے خلیفہ معتضد باللہ کی ذہانت و ذکاوت کا ایک اور قصہ منقول ہے۔ ایک روز خلیفہ اپنے زیرِ تعمیر مکان کی نگرانی کر رہے تھے۔ مزدور اور کاریگر کام میں لگے ہوئے تھے انھیں مزدوروں میں ایک کالا کلوٹا بھینگا نوجوان بھی تھا جو بہت شوخی دکھا رہا تھا اور سیڑھی پر چھلانگ لگا کر چڑھتا اور بہت مسخرہ پن اور بے فکری کا مظاہرہ کر رہا تھا اور وزن اٹھانے میں بھی دوسرے مزدوروں سے دوگنا سر پر اٹھا لیتا تھا۔ خلیفہ نے اس کی یہ حرکتیں دیکھیں تو کچھ شبہ پیدا ہوا، اس کو اپنے سامنے بلوایا اور اس کا حال احوال اور اس لاابالی پن کا سبب پوچھا تو

وہ کوئی ٹھیک جواب نہ دے سکا۔ خلیفہ نے اپنے وزیر ابن حمدان سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ ابن حمدان نے کہا کہ امیر المومنین اک بے حقیقت شخص کے بارے میں آپ بلا وجہ کیوں فکر مند ہو گئے۔ اس کی شوخی اور مسخرہ پن کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عیالداری کا غم نہ رکھتا ہو۔ اور خرچ واخراجات کا اسے کچھ زیادہ فکر نہ ہو۔

خلیفہ نے ابن ہمدان کی بات کو کچھ اہمیت نہ دی اور کہنے لگے افسوس تم کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ اس شخص کے متعلق میرا خیال ہرگز غلط نہ نکلے گا۔ اس کو یا تو کچھ رقم کہیں سے بلا مشقت ہاتھ آگئی ہے یا یہ چوری پیشہ آدمی ہے اور اپنی اصلیت کو مزدوری کے روپ میں چھپانا چاہتا ہے۔ ابن ہمدان نے خلیفہ کے اس خیال کو تسلیم نہیں کیا تاہم خلیفہ نے اس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

جب اس کے کوڑے لگ چکے تو خلیفہ نے قسم کھا کر کہا کہ اگر اس نے سچ سچ نہ کہا تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی اور اس کے بعد تلوار اور چمڑے کا فرش منگوایا گیا، جو قتل کی تیاری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

یہ منظر دیکھتے ہی وہ سیاہ فام شخص بولا کہ مجھے امان دی جائے تو میں سچی بات بتا دوں گا، خلیفہ نے کہا کہ ہاں امان ہے، سوائے اس کے کہ تمہارے جرم کے نتیجے میں حد کی سزا لازم ہو جائے۔ اس نے خلیفہ کے آخری الفاظ کو اچھی طرح سمجھا نہیں اور اپنے کو محفوظ اور مامون سمجھ کر اپنا حال بیان کرنا شروع کر دیا

اس نے بتایا کہ میں کئی سال سے اینٹوں کے بھٹے پر رہتا تھا۔ کچھ مہینوں کی بات ہے کہ میں بھٹے پر بیٹھا تھا کہ سامنے سے ایک شخص گزرا جس کی کمر میں دیوانگی تھیلی بندھی ہوئی تھی، میں اس کے پیچھے لگ گیا۔ اس نے اینٹوں کی بھٹی کے پاس بیٹھ کر تھیلی رکھدی اور اس میں سے ایک دینار نکالا۔ مگر میری موجودگی سے وہ

بے خبر تھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو تھیلی روپوں سے لبالب تھی۔ میں نے اچانک اس پر پیچھے سے وار کیا، ہاتھ باندھے اور منہ بند کر کے تھیلی چھین لی پھر اسے کندھے پر اٹھایا اور وہیں بھٹے کے گڑھے میں اسے داب کر اوپر سے مٹی بھر دی، کچھ وقت گزرنے پر اس کی ہڈیاں کھود کر نکالیں اور دریائے دجلہ میں پھینک آیا۔ اس کے دینار میرے پاس رکھے ہوئے ہیں جن سے میرا دل قوی ہے اور بے فکری سے وقت گزار رہا ہوں۔

خلیفہ نے اس شخص کے گھر آدمی بھیجا کہ جا کر دینار نکال لائے۔ چنانچہ تھیلی برآمد ہوئی تو اس میں رقم کے علاوہ اس کے مالک کا نام مع ولدیت لکھا ہوا تھا۔ خلیفہ نے شہر میں اس نام کے شخص کی منادی کرادی۔ جس پر ایک عورت خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوئی اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا، اس عورت نے بتایا کہ میرے خاوند کی تھیلی اور رقم ہے اور یہ اسی کا بچہ ہے وہ فلاں وقت گھر سے نکلا تو یہ تھیلی اس کے پاس تھی جس میں ہزار دینار کی رقم تھی، اس کے بعد وہ لوٹ کر نہیں آیا، خلیفہ نے یہ ماجرا سن کر دینار اس عورت کے حوالے کیے اور شوہر کے مرنے کی اطلاع دے کر اسے عدت گزارنے کا حکم دیا اور شرعی قانون قصاص کے مطابق اس سیاہ فام قاتل کی گردن اڑا دی گئی اور یہ حکم دیا کہ اس کی لاش بھی اسی بھٹی میں پھینک دی جائے۔

(۱۵) محسن سے منقول ہے کہ معتضد باللہ ایک رات شہر کا گشت کرتے ہوئے ایک جگہ پہنچے تو انہوں نے ایک بے ڈاڑھی مونچھ کے نوعمر لڑکے کو ایک دوسرے لڑکے کے ساتھ پایا کہ وہ اس کے اوپر سے پھلانگ بندر کی طرح ہاتھ پاؤں سے سرکتا ہوا چلا اور آہستہ سے دوسرے لڑکوں کے غول میں جا ملا، معتضد نے اصل معاملہ بھانپ کر ان سب لڑکوں کو بلایا اور انھیں قطار بند کھڑا کر کے ہر لڑکے کی سینے کی دھڑکن دیکھی۔ جب اس نوعمر لڑکے کے سینے پر ہاتھ رکھا تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی

کہ وہی بدکرداری کا مجرم تھا، معتضد نے چور پکڑ لیا اور اس کے ایک زور کی لات ماری پھر بیٹھ گئے اور اس کو سزا دینے کے لیے تیاری کا حکم دیا، اس لڑکے نے اپنے فعلِ قبیح کا اعتراف کیا، چنانچہ اس کے اقرارِ جرم کی اسے سزا دی گئی۔

(۱۶) محسن ہی سے خلیفہ معتضد کا ایک اور واقعہ منقول ہے کہ اس کے حاضر باشوں میں سے ایک شخص نے خلیفہ کے سامنے یہ واقعہ نقل کیا کہ میں آپ کے محل کے قریب دریائے دجلہ کے کنارے کھڑا تھا کہ ایک شکاری نے آکر دریا میں جال پھینکا کچھ دیر بعد وہ وزنی محسوس ہوا تو اس میں سے ایک تھیلا نکلا جس میں اینٹیں تھیں اور ان اینٹوں کے درمیان ایک مہندی لگا ہاتھ رکھا تھا۔

خلیفہ نے واقعہ سُن کر شکاری کو بلوایا، اسے تھیلا، اینٹیں اور ہاتھ حاضر کرنیکا حکم دیا، اسے دیکھ کر خلیفہ پر بہت اثر ہوا اور شکاری سے کہا کہ اس جگہ کے آس پاس دو چار جگہ جال ڈال کر دیکھے۔ چنانچہ اس نے ایک دو جگہ جال ڈالا تو ایک ٹانگ برآمد ہوئی اس کے بعد مزید تلاش کی گئی تو کوئی اور چیز نہیں نکلی۔

خلیفہ معتضد باللہ اس واقعہ سے بہت رنجیدہ اور ملول ہوا کہ خلیفہ کے زیرسایہ اور اس کے محل کے نیچے انسانوں کو کاٹ چھانٹ کر دریا بُرد کیا جائے اور خلیفہ کو اس کی خبر تک نہ ہو۔ یہ کیسا انتظام اور کیسی سیاست ہے جہاں اس قسم کے جرائم پیش آئیں، اسی غور و فکر میں خلیفہ نے کھانا تک نہیں کھایا۔

اگلے روز اپنے ایک سکریٹری کو بلا کر وہی برآمد شدہ تھیلا سپرد کیا اور حکم دیا کہ اسے بغداد کے تھیلا بنانے والے کاریگر کے پاس لے جاؤ اور تحقیق کرو کہ یہ تھیلا کس کاریگر نے بنایا ہے۔ جس کا بنایا ہوا یہ تھیلا ہو اس سے پوچھو کہ اس سے یہ تھیلا کس نے خریدا تھا۔ خریدار کے بارے میں پورے حالات معلوم کر کے آؤ مگر اپنی پوچھ گچھ کی وجہ اور سبب کسی کو نہ بتانا۔

یہ سکریٹری تین روز تک اسی کھوج میں مصروف رہا۔ آخر ایک کاریگر نے تھیلا پہچان کر اقرار کیا کہ یہ تھیلا اسی کے یہاں کا ہے اور اس نے ایک عطر والے کے ہاتھ بیچا تھا جو سوقِ یحییٰ میں دُکان کرتا ہے۔ سکریٹری اس عطر فروش کے یہاں پہنچا اور تھیلا دکھایا تو اس کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ اور بولا کہ یہ تھیلا تمھارے ہاتھ کہاں سے آیا۔ سکریٹری نے ڈپٹ کر کہا کہ کہیں سے بھی آیا مگر بتاؤ کہ تم نے یہ کس کو بیچا تھا، عطر فروش نے کہا کہ تین مہینے کی بات ہے کہ اس تھیلے کو ہاشمی خاندان کا فلاں آدمی خرید کر لے گیا تھا، یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ اس نے کس ضرورت کیلیے یہ تھیلا خریدا تھا۔ پھر اس ہاشمی کے بارے میں بتایا کہ وہ علی بن ریطہ کے لڑکوں میں سے ہے جو اولاد مہدی میں شامل ہے اس کا نام بھی بتایا اور کہا کہ وہ بارسوخ آدمی ہے مگر اپنے کردار کے لحاظ سے نہایت بُرا آدمی ہے۔ خاص طور پر باعزت اور باحرمت مسلمان عورتوں کے حق میں نہایت ظالم اور فساد انگیز ہے۔ جو فریب کاری اور حیلہ بازی ممکن ہو، عورتوں کے لیے اس کے کرنے سے باز نہیں رہتا، ادھر حال یہ ہے کہ کوئی شخص اس کے اثر و رسوخ، دولت مندی اور حکومت میں اس کے اثرات کی وجہ سے یہ مجال نہیں رکھتا کہ خلیفہ کو اس کی زیادتیوں سے باخبر کر سکے وہ اکثر میری دکان پر آتا ہے اور اپنی نہایت فحش اور گندی داستانیں مزے لے کے سناتا ہے۔ اسی ذیل میں ایک روز اس نے بتایا کہ فلاں مغنیہ کے پاس ایک گانیوالی باندی ہے جو ایسی حسین و خوش جمال ہے۔ جو گویا سونے کی اشرفی کی طرح منقش اور چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہے، کئی برس سے وہ اس باندی پر فدا ہے نہایت عمدہ گانے والی ہے وہ چاہتا تھا کہ اس کے ہاتھ اسے فروخت کر دے مگر وہ مغنیہ آمادہ نہ ہوئی کچھ روز بعد پتہ چلا کہ وہ اس باندی کا کسی اور سے سودا کر رہی ہے۔ خریدار نے بھی اس کے ہزاروں دینار لگائے ہیں اس باندی کا سودا

ہوا ہی چاہتا ہے۔ یہ بات معلوم ہوتے ہی یہ ہاشمی اس مغنیہ کے پاس پہنچا اور اس پر زور دیا کہ جس طرح بھی ہو صرف چند دن کے لیے وہ اس باندی کو اس کے سپرد کرے وہ اس ہاشمی کے دبدبے اور رسوخ سے ڈر گئی اور اس نے باندی کو ہاشمی کے یہاں بھیج دیا۔ اس امیر زادے ہاشمی نے اس باندی کو ایسا ہضم کیا کہ پھر اس مغنیہ کا اس کو سراغ بھی نہ مل سکا۔ اور امیر زادے ہاشمی نے مغنیہ سے یہ کہدیا کہ وہ تو بھاگ گئی۔ مگر ہم سایہ کہتے ہیں کہ اس ہاشمی نے اسے جان سے مار دیا، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اس ہاشمی کے ہی قبضے میں ہے۔ ادھر اس مغنیہ نے اپنا بُرا حال کر لیا۔ روز باندی کو واپس کرنے کا تقاضہ کرنے اس ہاشمی کے گھر پہنچتی اور دروازے پر روپیٹ کر گھر لوٹ آتی۔ مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین بات!

غرض یہ ساری روداد اس سکریٹری نے خلیفہ کو جا کر سنائی، خلیفہ کو حقیقتِ حال معلوم ہوئی تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ اتنے بڑے جرم سے پردہ اٹھا۔

آخر اس ہاشمی امیر زادے کو پکڑ کر بلوایا، وہ مغنیہ بلوائی گئی اور تھیلے میں سے نکلے ہوئے ہاتھ پاؤں اس ہاشمی کے سامنے رکھے گئے تو اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی اور یہ یقین ہو گیا کہ اب اس کی گردن ماردی جائے گی، چنانچہ اقبالِ جرم کر لیا کہ اس باندی کو اسی نے قتل کر کے تھیلوں میں بند کر کے دجلہ میں پھینک دیا تھا معتضد کے حکم سے مغنیہ کو باندی کی قیمت شاہی خزانے سے دلائی گئی اور اس ہاشمی کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اور وہ جیل ہی میں سڑ کر مر گیا۔

(۱۷) ابن حمدان کا بیان ہے کہ میں نے یہ قسم کھائی تھی کہ آئندہ جوئے بازی سے جو رقم ہاتھ آئے گی تو اس سے کوئی جائداد وغیرہ نہ لوں گا بلکہ موم بتیاں خریدوں گا کہ جل کر ختم ہو جانے والی چیز ہے یا اس کی شراب خرید لی جائے گی کہ مالِ حرام سے مالِ حرام ہی خریدنا مناسب ہے۔ یا پھر کسی گانے والی کو اس کے

عمدہ گانے پر اس رقم سے انعام دوں گا۔

چنانچہ ایک روز میں خلیفہ معتضد باللہ کے ساتھ چوسر کھیل رہا تھا جس میں خلیفہ سے میں نے ستر ہزار درہم جیت لیے، عصر کا وقت آگیا تھا خلیفہ جیت کی رقم ادا کیے بغیر عصر کی سنتوں کے لیے کھڑا ہو گیا اور سنتیں پڑھنے لگا میں اسی سوچ میں تھا کہ اتنی بڑی رقم جیتی اور میں نے خواہ مخواہ قسم کھالی بھلا اتنے پیسوں میں سے کتنی موم بتیاں آئیں گی اور کہاں تک شراب خریدی جائے گی اور انعام بانٹوں گا۔ واقعی میں نے قسم بہت جلد کھالی اگر قسم نہ کھاتا تو اس سے ایک بڑی جائداد خریدی جاسکتی تھی۔ پھر قسم بھی طلاق وعتاق کی اور خلیفہ کی ہم نشینی چھوڑنے کی کھائی جو بہت ہی سخت معاملہ ہے، خلیفہ نے سلام پھیر کر پوچھا کہ تم کس سوچ میں تھے سچ سچ بتاؤ۔ میں نے بات ٹالنی چاہی مگر خلیفہ نے اپنی زندگی کی قسم دے کر کہا کہ تم ٹھیک ٹھیک بتاؤ چنانچہ میں نے خلیفہ کے اصرار پر صحیح صحیح وہ خیالات خلیفہ کے سامنے رکھدیے جو میرے دماغ میں اس وقت آرہے تھے۔

خلیفہ نے سن کر فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جوئے میں جیتی ہوئی یہ ستر ہزار کی رقم تمہیں دے دوں گا؟ میں نے کہا تو کیا آپ یہ رقم دینے کا ارادہ نہیں رکھتے، خلیفہ نے کہا ہم نے یہ قسم ختم کردی، جاؤ ان خیالات کو چھوڑو، یہ کہہ کر خلیفہ عصر کے فرض پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

اب میں اور بھی پچھتا رہا تھا کہ خواہ مخواہ اتنا بڑا سرمایہ ضائع ہو گیا، سچ بول کر میں نے اپنا بڑا نقصان کرلیا میں انھی خیالات میں غلطاں تھا کہ خلیفہ نماز سے فارغ ہو کر میری طرف متوجہ ہو گئے اور کہنے لگے۔ ابو عبداللہ! تم بالکل سچ سچ بتانا کہ اب تم کیا سوچ رہے تھے۔ پھر میں نے ساری بات صحیح صحیح بتادی اس پر خلیفہ نے کہا کہ جوئے کی رقم تو ہم نے ختم کردی ہم کہہ چکے ہیں کہ اب یہ رقم نہیں دی جائے گی

البتہ ہم تمھیں اپنے ذاتی مال سے ستر ہزار درہم عنایت کرتے ہیں جوئے کی جیتی ہوئی رقم ہم تمھیں دیتے تو ہم دونوں اس لین دین میں گنہ گار ہوتے اب تم جو جائیداد خریدو گے وحلال اور جائز ہوگی اور نہ قسم ٹوٹے گی یہ سنتے ہی میں نے خلیفہ کا ہاتھ چوما اور ستر ہزار درہم لے کر گھر کی طرف لوٹا جس سے میں نے خاصی جائیداد خریدی۔

باب ۱۰

وزیروں کے واقعات

خاندانِ برامکہ کی فیاضیاں (۱)

ابن الموصل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ یحییٰ بن خالد برمکی کے پاس گئے اور اپنی تنگ حالی کا شکوہ کیا۔ یحییٰ نے ان کا حال سُن کر جواب دیا کہ افسوس اس وقت ہمارے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ البتہ ہم تمھیں ایک ترکیب بتاتے ہیں اس کو جلدی اختیار کرو، کیونکہ ابھی ہمارے پاس مصر کا نمائندہ آیا تھا۔ اور اس کی خواہش تھی کہ حاکمِ مصر کی جانب سے میں کوئی ہدیہ لے لوں۔ مگر خوشامد کے باوجود میں نے لینے سے انکار کر دیا، تو تمھارے پاس جو باندی ہے میں نے سنا تھا کہ اس کے کئی ہزار دینار لگ چکے ہیں تو تم اسی وقت اس باندی کو اس کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ یحییٰ کو یہ باندی پسند ہے وہ ضرور اسے خرید لے گا۔ مگر یاد رکھو ۳۰ ہزار دینار سے کم پر نہ ماننا۔ اس تدبیر کو انجام دو، اور دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

یحییٰ کی یہ بات سُن کر میں تیر کی طرح بھاگا اور باندی کو نمائندۂ مصر کے سامنے لے جاکر کھڑا کر دیا۔ اس سے بات چیت ہوئی۔ میں نے ۳۰ ہزار مانگے وہ کم لگا رہا تھا آخر جب ۲۰ ہزار دینار پر آ گیا تو میرے منہ میں پانی بھر آیا۔ میں نے ہامی بھر لی اور ۲۰ ہزار دینار میں اس کے ہاتھ بیچ دیا۔ ۲۰ ہزار لے کر یحییٰ کے پاس آیا۔ انھوں نے تفصیل پوچھی، میں نے صورتِ حال بتائی تو کہنے لگے، تُو بہت کم حوصلہ آدمی ہے۔ وہ حاکمِ مصر کا نائب ہے اور اسی مقصد سے آیا تھا۔ جاؤ اپنی باندی کو لے جاؤ۔ اب اگر وہ پھر سودا کرنا چاہے تو ۵۰ ہزار سے کم پر نہ بیچنا وہ ضرور اسے اسی قیمت پر خرید لے گا۔

چنانچہ دوبارہ نائب مصر کے پاس پہنچا اور قیمت کی بات چیت ہوئی ۵۰ ہزار کے بجائے ۳۰ ہزار دینار ہی پر باندی کو فروخت کر دیا۔

اب یحییٰ سے جاکر ملا اور ان سے سارا حال بیان کیا تو افسوس کرنے لگے کہ تمھیں اب بھی ہوش نہ آیا، میں نے کہا واللہ غیر متوقع قیمت ملتی دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور انکار کرنے کے بجائے ۳۰ ہزار دینار ہی پر سودا کر ڈالا، یحییٰ نے کہا کہ اچھا تو یہ تمھاری باندی موجود ہے اسے لے جاؤ میں تمھیں ہی دیتا ہوں۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ ایسی باندی جس سے مجھے ۵۰ ہزار دینار ہاتھ آ گئے اور پھر بھی وہ میری ملکیت میں ہی رہی۔ اس قابل ہے کہ اسے آزاد کیا جائے۔ لہٰذا اب میں آپ کو گواہ بنا کر اسے آزاد کرتا ہوں اور اس سے نکاح کیے لیتا ہوں۔

(۲) یحییٰ برمکی کا مقولہ ہے کہ تین چیزوں سے آدمی کی عقل کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۔ ہدیہ کی نوعیت سے ہدیہ بھیجنے والے کی عقل کا۔

۲۔ خط کی نوعیت سے خط ارسال کرنے والے کی عقل کا۔

۳۔ قاصد کی حیثیت سے قاصد بھیجنے والے کی عقل کا۔

(۳) خلیفہ منصور یحییٰ بن برمکی کے اوصاف اور عقل و ذہانت پر اکثر تعجب کرتا اور کہا کرتا تھا کہ:

عام طور پر سب باپوں کے بیٹے پیدا ہوتے ہیں مگر خالد برمک کے یہاں باپ پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی خالد کے یہاں ہر بیٹا عقل و ذہانت اور اوصاف میں ایک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔

(۴) یحییٰ برمکی نے اپنے لڑکے کو یہ نصیحت کی تھی کہ بیٹا ادب کی ہر صنف کو حاصل کرنا۔ کیوں کہ اگر آدمی کسی چیز سے واقف نہ ہو تو وہ اس چیز کا مخالف بھی بن جاتا ہے۔ اور مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ تم کسی صنفِ ادب کو برا سمجھو۔

(۵) یحییٰ کا قول ہے کہ آدمی کسی منصب پر پہنچ جائے اور اس میں کبر و بڑائی پیدا ہو جائے تو اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس منصب کے لائق نہیں بلکہ اس سے کم تر درجے کے لائق ہے۔

چنانچہ کسی نے یحییٰ کی تعریف کرتے ہوئے انھیں احنف سے زیادہ حلیم الطبع قرار دیا تو کہنے لگا کہ میں ایسے آدمی کی قربت بھی پسند نہیں کرتا جو مجھے میرے مقام سے بڑھا چڑھا کر بتائے۔

(۶) خلیفہ ہارون رشید نے اپنے محل میں بید کی لکڑیوں کا ایک گٹھا پڑا دیکھا اس نے اپنے وزیر فضل بن الربیع سے پوچھا یہ کیا چیز ہے؟

فضل نے جواب دیا کہ عروق الترماح یعنی درخت کی وہ شاخیں جس سے نیزہ تیار ہوتا ہے۔

عربی زبان میں بید کو خیزران کہتے ہیں مگر وزیر نے نہایت زیرکی سے کام لیتے ہوئے اصل لفظ کے بجائے دوسرے انداز سے جواب دیا کیوں کہ خیزران خلیفہ کی ماں کا نام تھا۔ اس طرح اس کا نام لینے میں ایک طرح کی سبکی و توہین

تھی جو خلیفہ کو ناگوار ہو سکتی تھی۔

(۷) فضل بن الربیع کا قول ہے کہ سلاطین سے بات اس طرح کرو کہ جس کے جواب کی ضرورت نہ ہو، اگر طبیعت پر زور دے کر بادشاہ نے جواب دینے کی کوشش کی تو بادشاہ کے مزاج کے خلاف ہوگا اگر کوئی خاص توجہ نہ کی تو تمہاری بات کا جواب نہ دے کر تمہیں الجھن میں ڈال دے گا۔

بعض دُوسرے وزرا کی فیاضی اور دانشمندی کے قصّے

(۸) ثعلب سے منقول ہے کہ حسن بن سہل تھے تو پریشان حال مگر لوگوں کی امداد بہت کچھ کیا کرتے، ایک بار میں نے ان سے کہا کہ:

لیس فی السرف خیر — اسراف کچھ اچھی بات نہیں ہے

انھوں نے جواب میں کہا کہ:

لیس فی الخیرات سرف — بھلائی میں کوئی اسراف نہیں ہے۔

لفظوں کی ترتیب بدل کر وہی جملہ انہوں نے دہرا دیا اور کیا عمدہ اور معنی خیز بات کہدی۔

(۹) فتح بن خاقان نے خلیفہ متوکل باللہ کی ڈاڑھی میں کچھ لگا دیکھا تو خلیفہ سے کچھ کہنے کے بجائے خادم سے کہا کہ امیر المومنین کا آئینہ لے کر آؤ، وہ آئینہ لایا تو اس سے کہا کہ خلیفہ کے سامنے رکھو تب خلیفہ نے دیکھا کہ کچھ ڈاڑھی میں لگا ہوا ہے اس نے آئینہ دیکھ کر اپنی ڈاڑھی صاف کی اور دل ہی دل میں فتح بن خاقان کی ذہانت اور پاس ادب کی داد دی۔

(۱۰) ابو علی بن مقلہ کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں میں ابو الحسن ابن الفرات کا کاتب یعنی سکریٹری تھا۔ دس دینار ماہانہ میرا مشاہرہ تھا (اسوقت ابو الحسن بن الفرات

اسی دفتر میں اپنے بھائی ابن الفرات کے ماتحت کام کرتے تھے) جب ابن الفرات کی ترقی ہوگئی تو انہوں نے میرا مشاہرہ بھی ۳۰ دینار ماہانہ بڑھا دیا میں اسی مشاہرہ پر ان کی پیشی میں رہا جب وہ وزیر اعظم ہوگئے تو مجھے ۵۰ دینار ماہانہ ملنے لگے

ایک بار ابن الفرات نے ان تمام لوگوں کے مال ومتاع ضبط کرنے کا آرڈر جاری کیا جنھوں نے معتز باللہ کے لڑکے سے بیعت کی تھی۔ چنانچہ وہ ضبط شدہ سامان اور مال ان کے سامنے پیش ہو رہا تھا اور وہ معائنہ کر کے اسے خلیفہ مقتدر باللہ کے خزانے میں بھیجتے جاتے اسی میں دو صندوق پیش کیے گئے جو معتز باللہ کے لڑکے کے گھر سے برآمد ہوئے تھے۔

ابو الحسن ابن الفرات وزیر نے حسن بن الفرات سے پوچھا کہ تم نے ان صندوقوں کا جائزہ لے لیا۔ حسن نے جواب دیا کہ ہاں ان میں ان سب لوگوں کی مکمل فہرست ہے جنھوں نے معتز باللہ سے بیعت کی تھی، تب ابو الحسن نے کہا انھیں مت کھولو۔ اور غلاموں کو حکم دیا کہ انھیں جلا دو جب خادم کوئلہ لے کر آئے تو خوب آگ دہکانے کی تاکید کی اور ہم سب حاضرین سے کہا کہ خدا کی قسم! اگر میں ان میں کا ایک ورق بھی دیکھ لیتا تو جس کا بھی نام ان اوراق میں موجود ہے وہ یہ گمان کر بیٹھتا کہ میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ اس طرح سے بہت سے لوگوں کی نیت میں میری اور خلیفہ کی طرف سے فتور پیدا ہو جاتا اور یہ کوئی عقل کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا ان دونوں صندوقوں کو ابھی جلا دو۔ پھر انھیں اسی طرح مقفل حالت میں آگ میں جھونک دیا جب وہ ان کے سامنے جل کر راکھ ہو گئے تو ابو الحسن نے مجھ سے خطاب کر کے کہا کہ:

اے ابو علی! جس نے بھی اب تک معتز باللہ سے بیعت کی تھی اور اس سے یہ لغزش ہوگئی تھی اب اسے مطمئن ہو جانا چاہیے کہ خلیفہ نے بھی سب کے حق میں

امن اور معافی کا حکم دے دیا ہے۔ اب تم میری طرف سے لوگوں کے لیے امان نامے لکھتے رہو۔ جو آدمی بھی امان طلبی کی درخواست تمھارے پاس لائے اس پر امان کا حکم لکھ کر بے کھٹکے میرے پاس لے آؤ۔ اس پر میں دستخط کردوں گا، اس وقت میں تمہیں امن کا حکم لکھنے کی اجازت دیتا ہوں۔ اس کے بعد عام لوگوں سے کہا کہ میں نے ان کو امن کا حکم لکھنے کا اختیار دیا ہے۔ اس کا سب جگہ اعلان کردو تاکہ جو اب تک روپوش ہیں وہ ابو علی کے پاس بلا تامل امن کی درخواستیں لیکر پہنچ جائیں،

اس پر ہم سب حاضرین نے ابوالحسن کا شکریہ ادا کیا اور سب لوگوں نے ان کے حق میں دعائیں کیں۔

یہ خبر پھیل گئی، امان نامے اس قدر لکھے گئے کہ ان کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔

(یہ ابو علی ابن مقلہ بہت سے خطوں کے موجد اور فنِ خطاطی کے امام ہیں)

(۱۱) ابو علی بن مقلہ کے لڑکے ابوالقاسم کی روایت ہے کہ ایک روز ان کے دادا ابو علی ابنِ مقلہ کھانا کھا رہے تھے۔ کھانے کے بعد جب دسترخوان بڑھایا گیا اور ابنِ مقلہ نے اپنے ہاتھ دھوئے تو انہوں نے کپڑے پر ایک زرد نشان نقطہ کیطرح دیکھا جو غالباً اس گرے ہوئے حلوے کا اثر تھا جو دسترخوان پر کھایا گیا تھا۔ تو فوراً دوات کھول کر قلم سے اس زرد نشان پر ایک نقطہ اس طرح بنایا کہ وہ نشان اس نقطہ میں چھپ گیا اور یہ کہا کہ وہ زرد نشان خواہش نفس کا تھا اور یہ دوسرا نشان میری کاریگری کا ہے پھر عربی کا شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ زعفران عورتوں کا عطر ہے، مردوں کا عطر تو دوات کی سیاہی ہے۔ شعر یہ ہے ؎

انما الزعفران عطرُ العذاریٰ ومداد الدواۃ عطر الرّجال

(۱۲) ابو بکر صولی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے خلیفہ مکتفی باللہ کے سامنے کچھ شعر پڑھے۔ سن کر انہوں نے تعریف کی کہ تم تو فلاں شاعر سے بھی بازی لے گئے اس پر میں نے عرض کیا کہ یہ آپ کی ذرّہ نوازی اور مجھ پر آپ کی حد سے زیادہ مہربانی ہے جو آپ نے میرے متعلق ایسا خیال فرمایا ورنہ وہ شاعر تو مجھ سے بڑا اور بڑھ کر ہے۔

دربار سے جب ہم باہر آئے تو مجھ سے قاسم بن عبید اللہ نے کہا کہ بھلا تم نے خلیفہ کی بات کاٹ دی انھوں نے تمھارے بارے میں ایک بات کہی تھی اور تم نے اس کی تردید کر دی۔ میں نے جواب دیا کہ بھائی، میری عقل کی پرواز اتنی کہاں؟

قاسم بن عبید اللہ کا بزرگوں کے ادب کی طرف اشارہ تھا اور ابو بکر صولی نے بھی ذکاوت کے ساتھ اپنی حیثیت ظاہر کر دی اور ادھر خلیفہ کی عنایت و شفقت کا بھی اعتراف کیا۔

(۱۳) ایک بادشاہ کے رازہائے سلطنت اکثر اس کے دشمنوں تک پہنچ جاتے تھے وہ ان دشمنوں کے مقابلے میں جو تدبیر کرتا بیکار ہو جاتی بادشاہ کو اس بات سے سخت پریشانی لاحق تھی۔ چنانچہ یہ معاملہ اس نے اپنے ایک ہمدرد اور مخلص کے سامنے رکھا کہ ایک طبقہ ایسا ہے کہ ان پر خفیہ باتوں کو ظاہر کیے بغیر چارہ بھی نہیں ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ کون شخص یہ راز کھولدیتا ہے۔ ادھر میری افتاد طبع یہ ہے کہ میں کسی دیانت دار آدمی کے ساتھ کسی خائن اور بد دیانت آدمی کا سا معاملہ نہیں کرنا چاہتا۔

یہ سن کر اس شخص نے ایک رجسٹر منگا کر اس میں ملکی امور کے متعلق متفرق خبریں لکھیں جو بالکل بے بنیاد تھیں اور رجسٹر بادشاہ کے حوالے کر کے یہ کہا کہ

بتنے لوگ آپکے ہمیشہ ہم راز رہتے ہیں ان میں سے ایک کو تنہائی میں بلا کر اسے ان خبروں میں سے ایک خبر بتا دیں اور اس کی تاکید کر دیں کہ اس کی اطلاع کسی دوسرے کو نہ ہو اور اس جگہ اس کا نام لکھدیں کہ یہ بات فلاں شخص کو بتلائی گئی ہے، غرض اس طرح وہ تمام باتیں الگ الگ ایک ایک شخص کو بتا دیں اور ہر ایک پر نام لکھدیں۔

بادشاہ نے اس مشورے کے مطابق یہ ہی تدبیر کی کچھ ہی دنوں میں پتہ چل گیا کہ ان لوگوں میں کون کون راز افشا کرنے والے اور خائن ہیں، جو واقعۃً مخلص اور بہی خواہ تھے۔ انھوں نے اپنی اپنی باتیں محفوظ رکھیں اور وہ ظاہر نہیں ہوئیں اس طرح بادشاہ کو دیانت دار اور بد دیانت مصاحبوں کا پتہ چل گیا اور وہ کے لیے محتاط ہو گیا۔

(۱۴) وزیر فخر الملک کے سامنے ایک رپورٹ میں کسی شخص کی چغلی کھائی گئی اس رپورٹ پر فخر الملک نے یہ نوٹ لکھا کہ چغلی اگرچہ خیر خواہی کے جذبے سے ہو مگر یہ بدترین عیب شمار ہوتا ہے، رپورٹ کرنے والے کو خطاب کر کے وزیر نے لکھا کہ اگر تم نے یہ خیر خواہی کے طور پر کیا ہے تو اس میں تمھیں نفع سے زیادہ نقصان ہوگا کہ میں کسی غلط اور ناجائز فعل کو اختیار نہیں کرتا اور نہ اس ذلیل شخص کی بات پر کان دھرتا ہوں جو کسی ایسے آدمی کے بارے میں ہو جس کے متعلق یہ شکایت کرنے والا کچھ بھی نہ جانتا ہو اگر بڑھاپا تمھارا سفارشی نہ ہوتا تو میں تمھارے اس جرم کی سزا بھی مناسب ہوتی تو اسے ضرور تجویز کرتا، جس سے تم جیسے لوگ آئندہ کے لیے ایسی حرکات سے باز آجاتے۔

لہٰذا تمھیں چاہیے کہ اپنے آپ کو ایسے عیب سے پاک کرو اور علام الغیوب سے ڈرو کہ اللہ تعالیٰ اپنی جگہ سے ہر نیک و بد آدمی کے عمل کو دیکھ رہا ہے جبکہ

وہ لوگ اس کو نہیں دیکھتے۔

(۱۵) وزیر ابو المنصور بن جُبیر نے ایک روز ابو نصر بن الصناع کے لڑکے کو یہ نصیحت کی کہ ادب کے ذریعہ اپنے کو بلند کرو، ورنہ کوے کی طرح ہو جاؤ گے۔ جس کو سدھایا نہیں جاتا۔ اس میں عربی کا جملہ وزیر نے استعمال کیا۔ اس میں لفظ صناعًا تھا، اس میں یہ مناسبت تھی کہ ابو نصر صناع کی اولاد میں تھا۔

باب ۱۱

بادشاہوں امراء درباریوں اور پولیس افسران کی حکایتیں

عضد الدولہ کی فراست و ذکاوت کے نمونے (۱)

ایک خراسانی حج کو جاتے ہوئے بغداد پہنچا جو اپنے ایک دوست کا موتی کا ہار لے رہا تھا جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اس نے اسے بیچنا چاہا مگر کوئی گاہک نہ ملا۔ آخر مجبوراً ایک مشہور عطار کے پاس امانت رکھ کر حج کو چلا گیا واپسی پر عطار سے حاجی کا تبرک پیش کیا، عطار نے نام پوچھا اور کہا کہ یہ کیا لائے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں وہی ہوں جو تمہارے پاس امانت رکھ کر گیا تھا عطار نے یہ سن کر اسے دکان سے نکلوا دیا اور کہا کہ مجھ پر اس قسم کے جھوٹے دعوے کرتا ہے میں نہیں جانتا کہ تو کون ہے؟

مجمع اکٹھا ہو گیا تو لوگوں نے حاجی سے کہا بھلا ایسے نیک آدمی کے بارے میں تو دعویٰ گڑھ رہا ہے۔ بے چارہ حاجی ششدر رہ گیا، ہر چند اپنا

معاملہ لوگوں سے بتاتا مگر ادھر سے گالیاں اور مار دھاڑ کے سوا اس کی کچھ شنوائی نہیں ہوئی، اسی بھیڑ میں کسی شخص نے مشورہ دیا کہ عضد الدولہ وزیر کے پاس جا کر اپنا معاملہ پیش کرو وہ بہت سمجھدار اور ذکی و فہیم آدمی ہے۔

چنانچہ اس مظلوم حاجی نے واقعہ کی پوری تفصیل لکھ کر کسی مقرب شخص کے توسط سے اپنی فریاد عضد الدولہ کے یہاں پیش کرادی۔ اس کا نمبر آیا تو اسے آواز دی گئی، یہ سامنے پہنچا تو اس نے زبانی واقعہ معلوم کر کے اس سے کہا کہ کل صبح صبح اس عطار کی دکان پر جا کر بیٹھ جاؤ شام تک بیٹھے رہو مگر اس عطار سے بات نہ کرنا، تین روز تک ایسا ہی کرو، چوتھے روز بھی جا کر بیٹھنا۔ اس روز ہم ادھر سے گزرتے ہوئے کھڑے ہوں گے اور تمہیں خاص طور سے سلام کریں گے تم ہمارے اعزاز میں کھڑے نہ ہونا اور فقط وعلیکم السلام کہہ کر خاموش ہو جانا آگے کوئی لفظ نہ کہنا میں تم سے جو پوچھوں صرف اسی بات کا جواب دینا اس کے علاوہ بالکل نہ بولنا۔

پھر ہماری واپسی کے بعد تم عطار سے ہار کا تذکرہ کرنا وہ جو کچھ جواب دے اس کی مجھے اطلاع کرنا اگر ہار ہی لوٹا دے تو اسے لے کر آجانا۔

غرض اس ہدایت کے مطابق اس فریادی شخص نے ایسا ہی کیا۔ اگلی صبح عطار کی دکان پر پہنچا بیٹھنے لگا تو اس نے روک دیا اس پر وہ سامنے والی دکان پر جا کر بیٹھ گیا۔ تین روز تک ایسا ہی کیا۔ چوتھے دن عضد الدولہ شان و شوکت کے ساتھ جلوس کی شکل میں ادھر سے گزرا۔ اس نے جب خراسانی حاجی کو دیکھا تو ٹھہر کر سلام کیا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے ہی وعلیکم السلام کہہ کر خاموشی اختیار کر لی تب عضد الدولہ نے کہا کہ برادر محترم یہاں آئے ہو اور ہم سے نہیں ملے اور نہ ہم سے کوئی اس نے زیادہ لمبی بات کرنے کے بجائے ہاں ہوں کر کے بات

عضدالدولہ نے پھر اصرار کیا اور کھڑے کھڑے بات کرتا رہا اس کے ساتھ پورا لشکر اور جلوس ٹھیرا رہا یہ دیکھ کر عطار کی حالت تو خراب ہوگئی، جب عضدالدولہ رخصت ہوگیا تو عطار نے خراسانی سے کہا کہ میاں تم نے ہار کا ذکر تو کیا مگر یہ نہ بتایا کہ تم نے کس وقت رکھا تھا اور کس شئی میں محفوظ تھا، کچھ اتا پتا بتاتے تو مجھے یاد آتا، کچھ اس کا نشان و پتا بتلاؤ تو شاید مجھے یاد آجائے۔

اس پر اس خراسانی نے پھر تفصیل کے ساتھ ہار کے بارے میں اسے بتلایا۔ تو وہ عطار اٹھا اور دکان میں اِدھر اُدھر ڈبوں پر ہاتھ مار کر بظاہر تلاش کرنے لگا۔ آخر ایک تھیلا گرا، جس میں سے ہار نکلا تو عطار کہنے لگا کہ درحقیقت میرے ذہن سے بات بالکل اتر گئی تھی، تم آج پوری نشاندہی نہ کرتے تو شاید اب بھی ملنا مشکل تھا۔ آخر عطار نے ہار اس کے حوالے کر دیا۔

ہار لے کر خراسانی نے سوچا کہ ہار تو مل گیا اب عضدالدولہ سے مل کر کیا کرے گا۔ مگر یہ خیال آیا کہ شاید عضدالدولہ ہی ہار خرید لے، چنانچہ عضدالدولہ کو جاکر اس نے سارا واقعہ سنایا۔ عضدالدولہ نے اپنے سکریٹری کو وہ ہار دے کر عطار کی دکان پر بھیجا جس نے عطار کو گرفتار کر کے وہ ہار اس کے گلے میں ڈال دیا اور اسی کی دکان کے سامنے اسے پھانسی پر لٹکا دیا اور شہر میں یہ اعلان کرا دیا کہ یہ امانت میں خیانت کرنے والے کی سزا ہے جو امانت لے کر دینے سے انکار کر گیا۔

ایک دن گزرنے کے بعد عطار کے گلے سے وہ ہار اتار کر خراسانی کے سپرد کیا اور اسے وطن جانے کی اجازت دے دی۔

(۲) عضدالدولہ کے درباریوں میں ایک نوجوان ترکی امیر تھا۔ اس نے یہ حرکت کی کہ ایک مکان کی دیوار میں روزن تھا اس نے اس روزن سے اندر رہنے والی عورت کی جھانک تاک شروع کی آخر اس عورت نے اپنے شوہر سے

شکایت کی کہ یہ ترکی روزانہ اس سوراخ سے کافی دیر تک اسے جھانکتا رہتا ہے اس نے مجھے پریشان کر ڈالا، گھر میں تنہا ہوتی ہوں، باہر سے ہر آدمی یہ خیال کرے گا کہ میں اس ترکی سے بات کرتی ہوں، کیا کرنا چاہیے۔

اس کے شوہر نے یہ تجویز رکھی کہ وہ اس ترک کے نام ایک پرچہ لکھے جس کا مضمون یہ ہو کہ دن میں یہاں کھڑا ہونا بے فائدہ ہے۔ عشار کے بعد جب اندھیرا ہو جائے اور لوگ بے خبر سو جائیں تو تم گھر میں آجانا میں دروازے کے پیچھے رہوں گی، چنانچہ دن میں بیوی نے یہ پرچہ اس ترک کو اسی سوراخ میں سے اسے دے دیا اور ادھر اس کے شوہر نے دروازہ کے بالکل متصل ایک گڑھا کھودا رات ہوئی تو کواڑ کی اوٹ میں کھڑا ہو کر اس ترک نوجوان کا انتظار کرنے لگا جب وہ ترک پہنچا اور دروازہ کا پٹ کھول کر اس نے قدم رکھا تو اس عورت کے شوہر نے فوراً دھکا دے کر اسے گھڑے میں گرا دیا اور اوپر سے جلدی جلدی مٹی ڈال دی اس طرح اس ترک کو گڑھے میں زندہ دفن کر دیا۔

جب اس بات کو کئی روز ہو گئے اور کسی اصل معاملہ کی خبر نہ ہوئی تو عضد الدولہ عضد الدولہ نے محسوس کیا کہ فلاں ترکی امیر کئی دن سے غیر حاضر ہے کیا بات ہے اس نے تحقیقات کی تو کچھ پتا نہ چلا کہ وہ کہاں چلا گیا۔

عضد الدولہ اس کی گم شدگی کے بارے میں سوچتا رہا، آخر اس محلے کی مسجد کے مؤذن کو بلوایا۔ اس نے بظاہر اس سے کافی دارو گیر کی اور عضد الدولہ کے سامنے لے گیا۔

عضد الدولہ نے مؤذن سے چپکے سے یہ کہا [illegible] لے جاؤ یہ تمہارے ہیں مگر جو کچھ ہم کہیں تمہیں اسی طرح کرنا پڑے گا۔ ایسا کرنا کہ عشار کی اذان کافی دیر سے دے کر مسجد میں بیٹھ جانا اس وقت تمہارے پاس جو آدمی

سب سے پہلے آئے اور تم سے تمھاری پکڑ دھکڑ کے بارے میں پوچھ گچھ کرے اسکی بابت آکر مجھے مطلع کرو۔

مؤذن نے تعمیلِ حکم کا وعدہ کیا، اس کے پاس عشاء کی اذان کے بعد جو شخص آیا وہ شخص وہی تھا جس نے اس ترکی کو ختم کیا تھا، اس نے آکر مؤذن سے پوچھا کہ مجھے تمھاری فکر تھی کہ تمھیں عضدالدولہ نے کیوں گرفتار کرایا۔ بھلا اس کی تم سے کیا غرض تھی، موذن نے جواب دیا کہ الحمدللہ کوئی خاص بات نہیں تھی میں بخیریت وہاں سے آگیا۔

صبح کو مؤذن نے عضدالدولہ سے جاکر یہ واقعہ بتایا عضدالدولہ نے اس شخص کو پکڑ کر بلوایا۔ جب وہ دربار میں حاضر ہوا تو عضدالدولہ نے اس سے پوچھا کہ اس ترکی امیر کا صحیح معاملہ کیا ہے؟

یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ میں بالکل سچ سچ عرض کر رہا ہوں۔ میری بیوی بہت باعصمت اور باپردہ عورت ہے۔ یہ ترکی امیر روزانہ ایک سوراخ سے اسے تانک جھانک کر کے پریشان کرتا تھا تب میں نے اس کے ساتھ اپنی عزت اور غیرت کی خاطر یہ معاملہ کیا کہ گڑھا کھود کر اس میں اس کو زندہ دفن کر دیا، تفصیل سن کر عضدالدولہ نے کہا کہ اچھا تو تم جاؤ، بس معاملہ خدا کے سپرد، تم سے کسی نے کچھ سنا اور نہ میں نے ہی کچھ کہا، بس اس ترکی نوجوان نے کرنی کا پھل کھایا۔

محمد بن عبدالملک ہمدانی کی تاریخ میں عضدالدولہ کا یہ واقعہ درج ہے کہ اسکے پاس شکایت آئی کہ کُرد قوم کے کچھ لوگ ڈاکہ زنی میں مشغول ہیں۔ اور (۳) لوگوں کو لوٹ کھسوٹ کر پہاڑوں میں اِدھر اُدھر چھپ جاتے ہیں، لہٰذا ان کو پکڑنا دشوار ہو گیا ہے۔ اس کا کوئی انتظام کیا جائے۔

عضدالدولہ نے صورتِ حال معلوم کر کے ایک منصوبہ بنایا اس کے مطابق

اس نے ایک کاروباری شخص کو بلا کر اس کو سمجھایا، اس نے ترکیب یہ کی کہ نہایت عمدہ قسم کا خوشبودار حلوہ تیار کرایا پھر اس کو بہت نفیس اور خوش نما مرتبانوں میں بھر کر دو صندوقوں میں رکھوا دیا، اس کاروباری آدمی کو ایک خچر پر یہ صندوق لدوا کر اس کے سپرد کیے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس شخص کو کچھ رقم بھی دی اور اس سے کہا کہ جو قافلہ اس طرف جا رہا ہے اس کے ساتھ جائے اور لوگوں سے اس شاہی حلوے کے متعلق یہ کہے کہ اس پہاڑی علاقے کے جو افسران ہیں ان کی بیگمات کے لیے یہ سلطانی تحفہ بھیجا گیا ہے۔

حکم کے مطابق وہ تاجر قافلے کے آگے آگے ہو لیا۔ اس مقام پر پہنچا تھا کہ ڈاکو آ گئے اور سارے قافلے کو لوٹ کھسوٹ لیا ایک تاجر نے اس تاجر کے خچر کو قبضایا اور اپنی پارٹی کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ گیا، بے چارے مسافر لٹ پٹ کر کھڑے رہ گئے۔

جس ڈاکو نے حلوے والے خچر کو چھینا تھا اس نے اوپر جا کر صندوق کھولا، حلوے سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں جو سارے میں پھیل گئی تو اس نے اپنے ساتھیوں کو پکارا وہ سب خوشبو سے بے تاب ہو کر حلوے پر ٹوٹ پڑے ان کو ایسی نفیس غذا کب ملی تھی ادھر بھوک سے برا حال تھا ڈٹ کر سب نے حلوہ کھایا، تھوڑی دیر میں حلوے میں ملے ہوئے زہر کا اثر ظاہر ہوا اور سب کے سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔

قافلے والوں نے ادھر نظر کی اور ان کا یہ حال دیکھا تو دوڑ کر آئے اور اپنے سامان پر قبضہ کیا ان کے پاس اور بھی بہت سا لوٹا ہوا مال ملا ان کے جو کچھ ہتھیار تھے وہ بھی ان کے ہاتھ آئے۔

غرض عضد الدولہ نے بڑی ہشیاری کے ساتھ ان ڈاکوؤں کا قلع قمع کیا۔

اور ہمیشہ کے لیے لوگوں کو ان کے خطرات سے نجات دلائی۔

(۴) ایک خراسانی حج کے لیے چلا بغداد پہنچ کر کسی قافلے کے ساتھ روانہ ہونے سے پہلے اس نے سوچا ایک ہزار دینار کی رقم زائد ہے جسے سفر میں ساتھ رکھنا مناسب نہیں ہے، مگر امانت کس کے پاس رکھے، کہ لوگ امانت رکھ کر واپس نہیں کرتے اس لیے اس نے یہ تدبیر نکالی کہ جنگل میں ارنڈ کے ایک پیڑ کے نیچے اپنی رقم گڑھا کھود کر دبادی اور کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ اس کے بعد وہ حج کے لیے چلا گیا، حج سے فارغ ہو کر لوٹا تو پیڑ کے نیچے گڑھا کھود کر رقم تلاش کی تو وہاں کچھ نہ ملا۔ اس پر رونے پیٹنے لگا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ زمین نے میرا مال چرالیا۔

لوگوں نے اسے سمجھایا کہ عضدالدولہ کے پاس جاؤ وہ بہت ذکی اور زیرک آدمی ہے۔ وہ کہنے لگا کیا وہ عالم الغیب ہے۔ لوگوں نے کہا تم اس کے پاس جاؤ تو سہی، جاکر اپنی روداد سناؤ۔

کہنے سننے سے وہ عضدالدولہ کے پاس گیا اور قصہ بیان کیا تو عضدالدولہ نے شہر کے تمام طبیبوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اس سال کسی مریض کے لیے ارنڈ کے کونپل تجویز کیے تھے! ایک طبیب سے معلوم ہوا کہ اس نے محل کی فلاں خواص کے لیے ارنڈ کے کونپل بتائے تھے، عضدالدولہ نے اس خواص کو بلوایا تو اس نے اقرار کیا کہ پھر جب یہ معلوم ہوا کہ فلاں فراش لے کر آیا تھا تو اس کو بلوا کر پوچھا کہ کس درخت سے لایا تھا۔ اس نے درخت کا پتہ چلایا اور اس خراسانی کو بھی وہ درخت دکھا دیا۔ جہاں سے یہ کونپل لے کر آیا تھا، درخت پہچان کر اس خراسانی نے کہا، خدا کی قسم میں نے اسی درخت کے نیچے اپنی رقم چھپائی تھی اور عضدالدولہ کو بتایا، عضدالدولہ نے فراش سے ڈانٹ ڈپٹ کر اقرار کرالیا کہ مال اسی نے نکالا تھا۔ آخر عضدالدولہ کے حکم پر سارا مال اس نے حاضر کر دیا۔

(۵) سلامی شاعر کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار عضدالدولہ کی شان میں قصیدہ پیش کیا۔ اس نے خوش ہو کر مجھے بہت انعام واکرام دیا۔ عضدالدولہ کے برابر شاہِ فارس کی تلوار رکھی ہوئی تھی میری نظر بار بار اس پر پڑ رہی تھی یہ دیکھکر عضدالدولہ نے اسے میری طرف پھینک کر یہ کہا کہ لو اسے بھی لے لو، اس پر میں نے عربی کا یہ مصرع پڑھا۔ ع

وَكُلُّ خَيْرٍ عِنْدَنَا مِنْ عِنْدِهٖ

یعنی میرے پاس جو مال ہے وہ اسی تلوار کی بدولت ہے۔

عضدالدولہ نے یہ سن کر (تیز لہجے میں) کہا کہ تیرا باپ وہی ہے۔

میں عضدالدولہ کے منہ سے یہ فقرہ سن کر حیرت میں پڑ گیا کہ اس فقرہ کا یہاں کیا تک ہے۔ چنانچہ میں نے یہ بات اپنے استاد سے کہی اور پوچھا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

وہ کہنے لگے اللہ کے بندے تجھ سے سخت چوک ہو گئی، یہ فقرہ ابو نواس کا ہے۔ جس میں اس نے ایک کتے کی مدح کی ہے۔ اس نے کہا تھا ؎

اَتْعَبَ كَلْبًا اَهْلُهٗ فِيْ كَدِّهٖ قَدْ سَعَدَتْ جُدُوْدُهُمْ بِجَدِّهٖ

وَكُلُّ خَيْرٍ عِنْدَهُمْ مِنْ عِنْدِهٖ

یعنی کتے کو اس کے مالک نے بہت ہی سختی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کی تمام محنت اور کوشش اسی کتے کی بدولت نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ اور جو کچھ بھی سرمایہ ان کے پاس ہے وہ اسی کے طفیل ہے۔ استاد سے یہ تفصیل سن کر مجھے بہت ہی فکر لاحق ہوا۔ اور میں چادر لپیٹ کر عضدالدولہ کے روبرو گیا، اس نے پوچھا کہ تجھے کیا ہو گیا، میں نے کہا کہ مجھے بخار آ گیا ہے، عضدالدولہ نے بخار کا سبب معلوم کیا تو میں نے جواب دیا کہ میں نے ابھی ابو نواس کا دیوان دیکھا تھا

اسی وقت سے مجھ پر بخار چڑھ گیا، عضدالدولہ نے کہا، تو اس بخار سے ڈرنے کی کوئی بات نہیں، گویا عضدالدولہ نے میری غلطی سے درگزر کر کے مجھے معاف کر دیا اس پر بطور شکریے کے میں نے سر نیاز جھکایا اور عزت و سلامتی کے ساتھ گھر واپس آگیا۔

سلطان جلال الدولہ کا انصاف اور دادرسی (۶)

ابوالحسن بن ہلال کی تاریخ میں ہے کہ ایک تاجر نے یہ واقعہ بیان کیا کہ میں چھاؤنی کے علاقے میں قیام پزیر تھا اس روز اتفاق سے سلطان جلال الدولہ حسب عادت شکار کے لیے نکلے تو دیہات کا ایک شخص روتا ہوا ان کے سامنے آیا۔ سلطان نے رونے کا سبب پوچھا تو بتایا کہ میرے تربوزوں کا ٹوکرا تین چھوکروں نے مل کر چھین لیا ہے جب کہ میری ساری پونجی وہی تھی، سلطان نے اس سے کہا کہ لشکر میں جا کر سرخ قبے کے پاس بیٹھ جاؤ۔ شام تک وہیں رہنا میں واپس آکر تمہارا بندوبست کروں گا۔

شام کو سلطان شکار سے لوٹے تو ایک ملازم سے تربوز کی خواہش کی اور کہا کہ لشکر میں جا کر تربوز تلاش کر کے لاؤ۔ ملازم شاہی نے تھوڑی دیر کے بعد تربوز لا کر پیش کر دیا، سلطان نے معلوم کیا کہ تربوز کہاں سے لائے ہو ملازم نے بتایا کہ فلاں لشکر کے خیمہ میں تھا، حکم ہوا کہ اُسے حاضر کیا جائے، وہ آیا تو اس سے پوچھا کہ تم نے تربوز کہاں سے منگایا تھا اس نے بتایا کہ کچھ لڑکے لیکر آئے تھے سلطان نے ان لڑکوں کی تلاش کا حکم دیا، سلطان کے سکریٹری نے اندازہ کر لیا کہ معاملہ سخت ہے کہیں وہ لڑکے جان سے نہ مار ڈالے جائیں۔ تو اس نے انھیں بھگا دیا اور سلطان سے آکر عرض کیا کہ لڑکوں کو آپ کی طلبی کی کسی نہ

کسی طرح اطلاع مل گئی اس لیے وہ لشکر سے فرار ہو گئے ہیں۔ سلطان نے اس دیہاتی کو بلا کر پوچھا کہ تیرا تربوز یہی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں یہی ہے۔ تب وہ تربوز سلطان نے دیہاتی کے حوالے کیا، اور فرمایا کہ ہمارا یہ سکریٹری جو ہمارا غلام ہے یہ بھی تیرے سپرد ہے، کیوں کہ اس نے ان لڑکوں کو حاضر نہیں کیا۔ واللہ! اگر تو نے اسے چھوڑ دیا تو تجھے قتل کرا دوں گا، دیہاتی غلام کو لے کر باہر آیا جہاں غلام نے اس سے تین سو دینار پر معاملہ کر لیا، اب وہ دیہاتی اسے لے کر سلطان کی خدمت میں دوبارہ آیا اور عرض کیا کہ جو غلام آپ نے مجھے بخشا تھا اسے میں تین سو دینار میں آپ کو بیچتا ہوں، سلطان نے کہا کہ یہ سودا تم اپنی خواہش سے کر رہے ہو؟ دیہاتی نے کہا بے شک، تو سلطان نے کہا اچھا تو جاؤ تین سو دینار لو اور خیر و عافیت کے ساتھ اپنے گھر کو جاؤ۔

سزا دینے کے بجائے جان بخشی (۷)

ابو الحسن بن ہلال سے منقول ہے کہ اصفہان میں مجھ سے ایک شخص نے ذکر کیا کہ بادشاہ کے پاس ایک ترکمان دوسرے ترکمان کو پکڑ لایا اور الزام لگایا کہ اس کو خود میں نے اپنی لڑکی سے زنا میں ملوث دیکھا ہے۔ لہٰذا آپ حکم دیجیے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔

بادشاہ نے کہا کہ اس کے بجائے ایسا کیوں نہیں کرتے کہ تو اس لڑکی سے اس کا نکاح کر دے، مہر ہم ادا کر دیں گے۔ اس شخص نے کہا کہ میں تو اس کی جان لے کر رہوں گا تب بادشاہ نے تلوار منگوائی اس کو میان سے نکال کر لڑکی کے باپ کو آگے بلایا۔ تلوار اس کو دیکر میان اپنے ہاتھ میں رکھی اور اس سے کہا کہ تم اس میان میں تلوار داخل کرو، اس نے بہت کوشش کی، مگر بادشاہ

میان کو ادھر ادھر کرتا رہا اور وہ تلوار میان میں نہ ڈال سکا۔ آخر تھک کر اس نے عرض کیا کہ آپ تلوار کو میان میں ڈالنے کا موقع ہی نہیں دیتے، اس پر بادشاہ نے اس سے کہا۔ بس یہی صورت تیری بیٹی کے معاملہ میں بھی ہے۔ اگر وہ اس شخص کو موقع نہ دیتی تو یہ ہرگز اس کے ساتھ صحبت پر قادر نہ ہوتا۔ اگر تو اسے قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو دونوں کو برابر سزا ملنی چاہیے۔ آخر وہ معاملے کو سمجھ گیا۔ تب قاضی کو بلوا کر اس کا نکاح اس لڑکی سے پڑھوایا گیا اور بادشاہ نے اس کا مہر ادا کر دیا۔ اور دو آدمیوں کی جان یوں بچ گئی۔

ریاکاری کا کھوٹہ سکہ (۸)

اسمعی سے منقول ہے کہ ہلال بن ابی بردہ منصب کے لالچ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس پہنچے، وہاں پہنچ کر انہوں نے مسجد میں بیٹھ جا کر خوب خشوع خضوع سے نمازیں شروع کر دیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیکھا تو اپنے ایک ہم نشین علاء بن المغیرہ سے کہا کہ اس کا باطن بھی اس کے ظاہر کے مطابق ہے تو واقعی عراق والوں کی سیرت کے عین مطابق ہے جو نمائش اور ریاکاری میں داخل نہیں۔ علاء بن المغیرہ نے کہا کہ اس کی حقیقت کا پتہ تو میں ابھی لگاتا ہوں۔ چنانچہ یہ مغرب و عشاء کے درمیان۔ ہلال بن ابی بردہ کے پاس پہنچے وہ نفلیں پڑھ رہے تھے انہوں نے پاس کھڑے ہو کر کہا کہ دو رکعت پر سلام کر دینا ایک ضروری کام ہے۔ جب اس نے سلام پھیرا تو علاء نے کہا تمھیں معلوم ہے کہ میں امیر المومنین کا کس قدر مقرب ہوں میں نے انھیں اشارۃً کہا ہے کہ تمھیں عراق کا والی بنا دیں تو اگر میں یہ کام کر دوں تو مجھے کیا دو گے؟

ہلال ابن ابی بردہ نے کہا سال بھر کا پورا مشاہرہ جو ایک لاکھ بیس ہزار

درہم ہوتا تھا۔ علاء نے کہا کہ زبانی بات نہیں ہوتی اس کو لکھ کر دو۔ اس نے اٹھ کر فوراً تحریر لکھ دی۔

علاء اس تحریر کو عمر بن عبدالعزیز کے پاس لے آئے تو انہوں نے اسے پڑھ کر عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب گورنر کوفہ کو لکھا کہ ہلال نے اللہ کی عبادت کے ذریعہ ہمیں فریب دینا چاہا۔ ہم اس سے دھوکہ کھا جاتے مگر ہم نے اسے پرکھا تو اسے سراسر کھوٹا پایا۔

غالباً ہلال کو عبدالحمید نے ہی عمر بن عبدالعزیز کے پاس بھیجا ہوگا کہ وہاں جاکر کچھ دن رہو گے تو شاید تمہیں کوئی منصب مل جائے، مگر یہاں ساری حقیقت کھل گئی۔

(۱۰۱) ابوالوفا بن عقیل سے منقول ہے کہ ایک ہاشمی شخص خلیفہ منصور کے دربار میں حاضر ہوا منصور نے اس کا اعزاز کیا اور اسے اپنے دسترخوان پر شریک طعام کرنا چاہا اور قریب بلایا تو اس نے معذرت کی کہ میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔ یہ سن کر منصور نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، پھر جب وہ باہر آیا تو ربیع وزیر نے اسے دھکا دے کر جگہ سے ہٹا دیا، ربیع کی دیکھا دیکھی دوسرے درباریوں نے بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔

اس کی شکایت اس ہاشمی کے اعزاز منصور کے پاس لے کر پہنچے۔ ربیع نے اس پر یہ کہا کہ یہ ہاشمی جوان دور سے سلام کر کے لوٹ رہا تھا۔ امیرالمومنین نے اسے پاس بلا کر بٹھانا چاہا اور شاہی دسترخوان پر شریک ہونے کی عزت بخشنی چاہی مگر خلیفہ کے اس اکرام واعزاز کا اس جوان نے یہ جواب دیا کہ وہ کھانا کھا کر آیا ہے گویا امیرالمومنین کے ساتھ دسترخوان پر شرکت صرف پیٹ بھرنے کے لیے ہے اور اس عزت وقربت کی اس نے ناقدری کی تو ایسے لوگوں کو جبھی عبرت ہو سکتی

ہے جب انھیں قول کے بجائے فعل سے تنبیہ کی جائے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے اس کا یہی علاج کیا ہے۔ لہٰذا اس پر شکایت فضول ہے۔

(۱۱) غیاث بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور کے پاس معین بن زائدہ آئے۔ خلیفہ اس وقت چہل قدمی میں مصروف تھے۔ تو وہ بھی ان کے قدم بہ قدم چلنے لگے تو منصور نے کہا معین آپ کی عمر خاصی طویل ہوگی۔

معین نے جواب دیا کہ امیر المومنین! آپ کی اطاعت میں!

خلیفہ نے کہا مگر اس طویل عمر اور ضعیفی کے باوجود آپ بہت سخت ہیں۔

معین نے جواب دیا کہ بے شک، مگر آپ کے دشمنوں کے لیے۔

خلیفہ نے کہا، تاہم آپ میں ابھی قوت باقی ہے، عمر اگرچہ زیادہ ہے۔

معین نے کہا، جی ہاں، جو کچھ طاقت باقی ہے وہ بھی آپ ہی کے واسطے ہے۔

گویا معین نے بڑی حاضر دماغی سے اپنے آپ کو خلیفہ کا مخلص اور ہمدرد ثابت کر دیا۔

(۱۲) ابو الفضل الربعی سے منقول ہے کہ خلیفہ مامون الرشید نے ایک بار عبداللہ بن طاہر سے پوچھا کہ ہماری بیٹھک بہتر ہے یا تمھاری؟ عبداللہ نے کہا کہ امیر المومنین! بھلا میں آپ کا ہم سر کیسے ہو سکتا ہوں۔

خلیفہ مامون الرشید نے کہا کہ میری مراد عیش و عشرت اور لطف اندوزی سے ہے۔ تب عبداللہ بن طاہر نے جواب دیا کہ پھر تو میری نشست گاہ زیادہ بہتر ہے۔

خلیفہ نے پوچھا وہ کس طرح؟

طاہر بن عبداللہ نے کہا! کیوں کہ میں اپنی نشست گاہ میں خود مالک

ہوتا ہوں اور یہاں مملوک کی حیثیت میں ہوں۔

گویا بڑی خوب صورتی کے ساتھ اپنی چیز کی تعریف بھی کر دی اور خلیفہ کے عتاب سے اپنے آپ کو بچا لیا۔

(۱۳) پہلے عباسی خلیفہ سفاح سے جس روز بیعت کی گئی اور اس نے خطبہ پڑھا تو خطبہ کے دوران اس کے ہاتھ سے عصا چھوٹ کر گر پڑا اس نے اس کو شگون بد سمجھا مگر اسی وقت اس کے مصاحبوں میں سے ایک نے بڑھ کر عصا اٹھایا اور اٹھا کر اسے دے دیا اور عربی کا ایک شعر[1] پڑھا۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ــــ اس (مسافر) نے اپنا عصا ڈال دیا (یعنی سفر پورا کر لیا) اور وہیں ٹھہر گیا جس طرح سفر سے واپسی پر مسافر کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اور وہ بال بچوں میں آ کر اطمینان کا سانس لیتا ہے۔

عصا یعنی لاٹھی پہلے زمانے میں مسافر کے لیے سفر کا ضروری جز تھی تو عربی میں لاٹھی ڈال دینے کا محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب مسافر اپنا سفر ختم کر کے لاٹھی ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے، چنانچہ جب مصاحب نے یہ شعر پڑھ کر عصا دوبارہ سفاح کے ہاتھ میں تھما دیا تو وہ اس سے بہت خوش ہوا۔

(۱۴) محمد بن عبدالملک ہمدانی کہتے ہیں کہ ایک روز احمد طولون اپنے یہاں کھانا کھا رہے تھے انھوں نے کھڑکی سے ایک بوسیدہ حال فقیر کو دیکھا تو غلام کو حکم دیا کہ کچھ روٹیاں، مرغ کا سالن، بھنے ہوئے گوشت کا پارچہ، چوزہ کی یخنی اور فالودہ کا ایک ٹکڑا لے جا کر اس فقیر کو دے دو۔

غلام نے حکم کی تعمیل کی مگر جبھی واپس آ کر بتایا کہ اس نے اس کو پسند نہیں کیا۔

---

[1] شعر یہ ہے: فالقت عصاها واستقر بها النوىٰ كما قرّ عينًا بالاياب المسافر

ابن طولون نے اس پر کہا کہ اس کو اندر بلا لائے۔ چنانچہ ابن طولون نے اس سے بات چیت کی تو اس نے بہت سلیقے سے گفتگو کی، جوابات دیے اور ابن طولون کی امارت و حشمت کو خاطر میں نہ لایا۔ یہ دیکھ کر ابن طولون نے اس سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس کاغذات ہیں وہ سب کچھ نکال کر رکھ دو اور تم ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ کس کے بھیجے ہوئے ہو۔ یہ بالکل یقینی بات ہے کہ تم مخبری اور جاسوسی کرنے کے لیے آئے ہو اور یہ کہتے ہی جلاّد کو بلوا کر کوڑا حاضر کرنے کا حکم دیا۔

اس صورتِ حال کو دیکھتے ہی اس فقیر نے اقرار کر لیا کہ واقعی وہ جاسوس ہے اہل مجلس نے یہ تماشہ دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ کی کیسی جادوئی گرفت ہے کہ آپ نے ایک ہی نظر میں سمجھ لیا کہ یہ جاسوس ہے، ابن طولون نے کہا کہ نہیں اس میں کوئی جادو کا دخل نہیں ہے، بلکہ ایک عقلی بات ہے اور صحیح بینش بینی ہے۔ میں نے اس کی خستہ حالت دیکھ کر ایسا عمدہ کھانا اس کو بھجوایا کہ شکم سیر آدمی بھی اس کو بخوشی کھالے مگر اس نے ان عمدہ کھانوں کے کھانے سے انکار کر دیا اور نہ میری اس تواضع سے خوش ہوا۔ پھر اس کو بلا کر میں نے اس سے گفتگو کی تو اس نے بڑی دلیرانہ بات چیت کی، ادھر اس کی بدحالی کو دیکھا اور ادھر اتنی دیدہ دلیری پائی تو میں نے سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو یہ ضرور جاسوس ہے۔

(۱۵) ایک مرتبہ ابن طولون نے ایک مزدور کو سر پر ایک صندوق اٹھائے جاتے دیکھا۔ اور جب ابن طولون نے اس کی طرف غور سے دیکھا تو اس کی عجیب سی کیفیت پائی کہ چہرے پر کچھ بے چینی اور اضطراب سا طاری ہے، میں نے سوچا کہ اس میں اضطراب کی وجہ بوجھ تو نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اگر یہ صندوق زیادہ وزنی ہوتا تو اس مزدور کی گردن کی رگیں ضرور ابھری ہوئی دکھائی دیتیں جب کہ گردن بالکل اصلی حالت پر ہے۔ اس کی وجہ اگر ہو سکتی ہے تو وہ صندوق کے اندر کا سامان

ہے۔ جس کی نوعیت کو یہ چھپانا چاہتا ہے۔

چنانچہ ابن طولون نے اس کو بلایا اور صندوق اتروا کر اسے کھلوایا تو اس میں ایک لڑکی کی لاش ملی جس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تھا، ابن طولون نے مزدور کو ڈانٹ پلا کر صحیح بات بتانے کے لیے مجبور کیا تو اس نے کہا کہ فلاں مکان میں چار آدمیوں نے مجھے یہ لاش لے جا کر پھینکنے کے لیے کہا اور اس کی مزدوری میں یہ دینار دیے ہیں۔

ابن طولون نے حقیقتِ حال معلوم کر کے ان چار آدمیوں کو پکڑ کر قتل کرایا اور اس جرم کو چھپانے کی یہ سزا مزدور کو دی گئی کہ اس کو دو سو بید مارے گئے۔

(۱۶) ابن طولون کا معمول تھا کہ صبح کی نماز کسی نئی مسجد میں پڑھا کرتے اور وہاں کے امام کی قراءت سُنتے ایک روز اپنے ایک مصاحب کو حکم دیا کہ فلاں مسجد میں جا کر اس کے امام کو یہ دینار دے آؤ، مصاحب کا بیان ہے کہ میں تعمیلِ حکم میں اس امام کے پاس گیا اور بات ہی بات میں اس سے بے تکلف ہو گیا۔ اسی ذیل میں امام نے اپنی پریشانی ظاہر کی کہ گھر میں ولادت ہونے والی ہے۔ بیوی درد زہ میں مبتلا ہے اور میرے پاس اس کا ضروری انتظام بھی موجود نہیں ہے اسی فکر اور سوچ میں آج صبح کی قرأت میں کئی جگہ غلطی ہوئی، خیر! میں اسے ابنِ طولون کے عطا کردہ دینار دے کر لوٹا اور امام کی پریشانی ذکر کی تو ابن طولون کہنے لگے کہ امام نے ٹھیک کہا کہ وہ پریشان تھا، صبح میں نے اس کی قرأت سنی تو اس سے کئی جگہ بھول ہوئی اور غلط پڑھا۔ اس سے میں نے سمجھا کہ اس کا دل کسی معاملے میں الجھا ہوا ہے۔

(۱۷) ابو حاتم سہل بن محمد سجستانی کا بیان ہے کہ کوفے کے رہنے والے ایک عامل ہمارے یہاں بصرہ میں عامل بنا کر بھیجے گئے میں نے بصرہ میں ان سے زیادہ لائق

ابو عثمان مازنی نحو میں ماہر ہیں۔

کوئی شاہی عامل نہیں دیکھا۔

میں ان سے ملاقات کے لیے گیا، سلام و دعا کے بعد انہوں نے پوچھا کہ اے سجستانی! ذرا یہ تو بتاؤ کہ بصرہ میں تیرے نزدیک سب سے بڑا عالم کون ہے؟

میں نے جواب دیا کہ زیادی کے پاس اصمعی کا ادب اور شعراء جاہلیت کا کلام سب سے زیادہ ہیں۔ ہلال الرائی سب میں بڑے اور معیاری فقیہ ہیں۔ شاذ کونی سب سے بڑے محدث ہیں۔ اور اللہ آپ کو خوش رکھے۔ تجوید و قرات میں لوگ مجھے اعلم سمجھتے ہیں۔ ابن الکلبی قبالہ نویسی میں سب سے بڑھ کر ہیں، یہ سن کر انہوں نے اپنے سکریٹری سے کہا۔ ان سب کو یہاں اکٹھا کرو۔ چنانچہ اگلے دن ہم سب بلوائے گئے تو عامل نے پوچھا کہ:

تم میں مازنی کون ہے، ابو عثمان نے جواب دیا کہ مازنی میں ہوں تب عامل نے پوچھا ذرا یہ فقہی مسئلہ بتائیے کہ کیا ظہار میں کانا غلام آزاد کیا جا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا جناب میں فقیہ یا مفتی نہیں ہوں مجھے تو کچھ علم نحو کے بارے میں پوچھیے۔

عامل نے اس کے بعد زیادی سے مخاطب ہو کر کہا زوجین میں خلع ایک تہائی مہر کے عوض طے ہو تو اس کو کیسے لکھیں گے؟

زیادی نے جواب دیا کہ یہ ہلال الرائی کا فن ہے۔ پھر ہلال سے پوچھا کہ حسن سے ابن عون کی کتنی سندیں ہیں؟ انھوں نے کہا، اس فن کو شاذ کونی سے پوچھیے، اس کے بعد شاذ سے معلوم کیا کہ بھلا بتائیے تو یہ قرات کس کی ہے؟ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ۔ انہوں نے کہا کہ اس کا تعلق ابو حاتم سے ہے۔

پھر مجھ سے میری کنیت سے خطاب کیا اور کہا کہ اے ابو حاتم! موسم کی خرابی سے بصرہ کے پھلوں کی فصل کو جو نقصان ہوا اس کی نوعیت ظاہر کر کے بصرہ والوں کے ساتھ رعایت و مہربانی کی امیر المومنین سے درخواست کی جائے تو اسے

کس طرح لکھنا چاہیے۔ میں نے عرض کیا، اللہ آپ سے راضی ہو، میں فنِ قرأت کا عالم ہوں انشا، نویسی میرا فن نہیں۔

یہ سن کر عامل نے کہا کہ یہ کیسے نکمّے لوگ ہیں کہ پچاس برس پڑھتے پڑھاتے گزر گئے، مگر کوئی ایک فن کے سوا دوسرے فن سے واقفیت نہیں رکھتا کہ دوسرے فن کی ایک بات نہیں بتا سکتا۔ ہمارے کوفہ میں ایک ہی عالم کسائی وہ شخص ہے کہ تن تنہا ان تمام سوالات کے جوابات دے دیتا۔

(۱۸) ایک افسر نے دیکھا کہ اس کے دفتر کا ایک آدمی اس کی خفیہ باتوں کو چوری چوری سُن رہا ہے۔ اس نے اس کی پٹائی کی اور گرفتاری کا حکم دیا۔ جیل خانے کے نگراں نے پوچھا کہ رجسٹر میں اس کا جرم کیا درج کیا جائے۔ افسر نے قرآن کی یہ آیت پڑھی اِسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ "یعنی شیطان نے چوری سے آسمانوں کی باتیں سُننا چاہیں؛ تو آگ کا گولہ اس پر پھینکا گیا، گویا یہ بھی شیطان ہے جس نے ہماری باتیں چوری سے سُنی ہیں۔

(۱۹) پولیس نے ایک نابینا شخص کو ایک اندھی عورت کے ساتھ مشغول پا کر پکڑ لیا، جیل کے نگراں نے رجسٹر میں ان کے جرم کا عنوان لکھوایا۔ ظُلُمٰتٌ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ۔ یعنی اندھیاری پر اندھیاری، فاعل و مفعول دونوں اندھے اور پھر اس پر بدکاری۔

(۲۰) حسین بن الحسن جو احمد بن یحییٰ واثقی کے پوتے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں ان کے دادا احمد، مکتفی باللہ کے دور میں بغداد کے پولیس کا افسرِ اعلیٰ تھا۔ ایک بار چوروں نے بڑا سر اٹھایا، کاروباری لوگ اکٹھے ہو کر خلیفہ کے دربار میں فریاد لے کر گئے۔

خلیفہ نے احمد بن یحییٰ کو حکم دیا کہ تمام چوروں کو پکڑ کر حاضر کریں۔ ورنہ ان

تمام لوگوں کے چوری شدہ مال کا تاوان ان سے لیا جائے گا۔ اس سخت حکم سے احمد کو بہت پریشانی ہوئی، گھوڑے پر بیٹھ کر انہوں نے دن رات تمام شہر کا گشت شروع کر دیا ایک مرتبہ وہ دوپہر کے وقت گھوڑے پر سوار بغداد کے بیرونی علاقے سے گزرے۔ جس سڑک سے ان کا گزر ہوا وہ ایک ایسے محلے میں تھی جو زیادہ آباد نہ تھا وہ اس سڑک پر آگے بڑھے تو وہاں بہت گندگی پائی کچھ دور پر ایک بند گلی دکھائی دی وہ اس میں گھسے تو انھوں نے ایک گھر کے سامنے مچھلی کے بڑے بڑے کانٹے اور اسکی پشت کی ہڈیاں پڑی دیکھیں، جن سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ کسی بڑی مچھلی کی ہڈیاں ہیں۔ جس کا وزن ڈیڑھ من سے کم نہ ہوگا۔ انہوں نے اپنے ایک خادم سے پوچھا کہ ایسی مچھلی کس قیمت میں آتی ہے۔ اس نے کہا ایک دینار میں، اس پر احمد بن یحییٰ نے سوچا کہ اس گلی کے باشندے تو نہایت مفلوک الحال اور غریب معلوم ہوتے ہیں۔ اس قیمت کی مچھلی وہ کہاں سے کھائیں گے کہ یہ محلہ غیر آباد سڑک پر جنگل کی جانب واقع ہے۔ یہاں بڑی حیثیت کا کوئی آدمی کیوں رہے گا اور اپنے مال کو خطرہ میں ڈالیگا لہٰذا یہ بات غور طلب ہے کہ ایسی صورت میں کون آدمی یہاں رہتا ہے جو اتنی گراں قیمت غذا کھاتا ہو اس معمے کو سلجھانے کے لیے وہ اس مکان پر آئے جس کے سامنے یہ کانٹے پڑے تھے اور اس کے برابر والے گھر میں آواز دی وہاں سے ایک بڑھیا نکلی اس سے انہوں نے پانی مانگا اور اس بہانے اس سے بات چیت کرتے رہے۔ کافی دیر تک اس سے گفتگو کی اور وہ بڑھیا محلہ کے حالات بتاتی رہی اور یہ نہ سمجھ نہ پائی کہ اس پوچھ گچھ کا مقصد کیا ہے، آخر میں احمد بن یحییٰ نے پوچھا کہ تمھارے برابر والے گھر میں کون رہتا ہے جس کے دروازے پر مچھلی کے کانٹے وغیرہ پڑے ہیں؟ بڑھیا نے کہا، واللہ ہمیں ان کا کچھ صحیح حال معلوم نہیں۔ سوائے اس کے کہ مہینے بھر سے پانچ مسٹنڈے جوان آکر اس میں رہتے ہیں۔

بظاہر سوداگر معلوم ہوتے ہیں۔ دن میں تو ہم انھیں آتے جاتے دیکھتے نہیں۔ البتہ کبھی کبھار ان میں سے کوئی اتفاقیہ دکھائی دے جاتا ہے کہ کسی ضرورت سے نکلتا ہے تو فوراً ہی واپس آجاتا ہے۔ دن پھر یہیں رہتے ہیں کھانا پینا اور شطرنج و چوسر کھیلتے رہتے ہیں۔ ایک نوعمر لڑکا ان کا خدمت گار ہے، رات کو یہ جوان کرخ محلے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ اور خدمت گار کو اسی گھر پر چھوڑ جاتے ہیں۔ البتہ صبح صبح اندھیرے منھ لوٹ آتے ہیں۔ اس وقت تک ہم لوگ سوئے رہتے ہیں۔ اس لیے ہمیں یہ بھی اندازہ نہیں کہ وہ ٹھیک کس وقت آتے ہیں۔

اس لمبی بات چیت میں احمد بن یحییٰ نے بات لمبی کرتے ہوئے وقفہ وقفہ سے بار بار پانی منگوا کر پیا۔ جب پوری بات معلوم کرلی تو بڑھیا واپس چلی گئی۔

اب احمد بن یحییٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ کیا یہ ساری علامتیں چوری کی نہیں؟ اس نے کہا واقعی یہ انہی کے اوصاف ہیں، اسی وقت احمد بن یحییٰ نے داروغہ پولیس والے بلوا کر گھروں کی چھتوں پر متعین کردیا اور خادم سے کہا کہ تم اس کے آس پاس کا خیال رکھو اور میں دروازہ پر کھڑا رہوں گا۔

چنانچہ جب کچھ دیر کے بعد کافی پولیس والے پہنچ گئے تو احمد بن یحییٰ نے دروازہ کھٹکھٹایا، چوروں کے خدمت گار لڑکے نے دروازہ کھولا۔ تب یہ اندر گھس گئے اور ان پانچوں مسٹنڈوں کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کیا۔ تحقیقات کے بعد پتہ چلا کہ یہی چور ہیں، انھوں نے ساری چوریوں کا اقرار کیا اور اپنے گروہ کے باقی لوگوں کا بھی پتہ بتایا۔ احمد واثقی نے ان سب کا تعاقب کر کے پکڑ لیا اور ہمیشہ اپنی اس کارگزاری کو بڑے فخر سے بیان کرتے تھے۔

⁂ ⁂ ⁂

چور کی شناخت (۲۱)

ابن السنوی سے منقول ہے کہ ان کے سامنے دو شخص پیش ہوئے جن پر چوری کا الزام تھا۔ انھوں نے ان کو اپنے سامنے کھڑا کیا۔ اور خادم سے پانی منگا کر پینا شروع کیا پھر جان بوجھ کر ہاتھ سے گلاس چھوڑ دیا جو گرتے ہی ٹوٹ گیا گلاس اس طرح اچانک ٹوٹنے سے ان میں کا ایک آدمی گھبرا گیا اور دوسرے پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا وہ بدستور کھڑا رہا یہ دیکھ کر ابن السنوی نے اس شخص کو چھوڑ دیا جو گھبرا گیا تھا اور دوسرے شخص سے کہا کہ تم چوری کا مال فوراً واپس کر دو۔

ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ ہی چور ہے۔ انھوں نے کہا کہ چور مضبوط دل والا ہوتا ہے۔ اور دوسرا شخص گلاس ٹوٹنے میں گھبرا گیا۔ اگر چوہا بھی دوڑتا تو یہ اس کی آواز سے بھاگ جاتا اور چوری نہ کرتا۔

دو بیویوں میں باہم عدل قائم کرنے کا دلچسپ واقعہ (۲۲)

ابن السنوی ہی کا واقعہ ہے کہ ان کا ایک ہم سایہ کسی مسجد میں امام تھا۔ وہ ایک سفارش کے لیے ان کے پاس آیا ان کے سامنے ایک پلیٹ میں شکر پارے رکھے ہوئے تھے انھوں نے امام صاحب سے کہا کہ لیجیے کھائیے، امام صاحب کچھ سوچ میں پڑ گئے۔ ابن السنوی نے کہا میں سمجھ گیا آپ کس سوچ میں ہیں شاید آپ کا خیال یہ ہے کہ بھلا ابن السنوی کے پاس حلال چیز کہاں ہوگی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ حلال چیز آپ نے کبھی کھائی بھی نہ ہوگی۔ اسے کھائیے اس پر امام نے بطور مذاق کہا کہ ایسی حلال چیز آپ کے پاس کیسے آگئی جس میں کوئی شبہ تک نہ ہو۔

ابن السنوی نے کہا کہ اگر میں نے اس کی اصلیت بتادی تو تب آپ اسے کھائیں گے، امام صاحب نے وعدہ کیا، تو انہوں نے بتایا کہ کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ رات کے وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں اندر تھا، باندی نے پوچھا کون؟ جواب ملا کہ ایک عورت ہے جو اندر آنا چاہتی ہے، اس کو اجازت دے دی گئی تو آکر میرے قدموں میں گر گئی اور انھیں چومنے لگی، میں نے پوچھا، تو کس ضرورت سے آئی ہے؟

اس نے بتایا کہ میرے شوہر نے دوسری بیوی کرلی جب کہ اس شوہر سے میری دو بچیاں ہیں۔ ایک بارہویں سال میں ہے دوسری چودھویں سال میں۔ مگر شوہر گھر نہیں آتا بچے باپ سے ملنا چاہتی ہیں اور ان کی وجہ سے میں بہت بے چین ہوں اور دل تڑپتا ہے، میرا نشانہ یہ ہے کہ وہ میری اور نئی بیوی کی باری تقسیم کردے، ایک شب اس کے پاس گزارے اور ایک شب میرے پاس، میں نے اس عورت سے پوچھا کہ تیرا شوہر کرتا کیا ہے؟

اس نے کہا کہ نان بائی ہے۔ تب میں نے اس کی دکان کا پتہ معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ کرخ محلے میں۔ اور پھر اس کا نام بھی بتایا، پھر اس عورت نے اپنے باپ کا نشان پتہ بتایا۔ پھر میں نے اس کی بیٹیوں کے نام دریافت کیے یہ ساری تفصیل پوچھ کر میں نے اس عورت سے کہا کہ تو بے فکر رہ ان شاء اللہ میں تیرے شوہر کو تیرے پاس بھیجدوں گا۔ تب اس عورت نے ایک پگڑی دی کہ اس کا سوت میں نے اور میری لڑکیوں نے کاتا ہے تو اس کا استعمال آپ کے لیے حلال ہے۔ میں نے کہا کہ اسے اب تم لے جاؤ چنانچہ وہ چلی گئی۔

اس کے بعد میں نے دو سپاہی بھیجکر اس کے خاوند کو بلوایا، وہ سپاہی اسے لے کر آئے تو نان بائی کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کی یہ کیفیت

دیکھ کر میں نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، بلانے کا مقصد تو تم سے سفر کے لیے دو من آٹے کی روٹیاں پکوانا ہے۔ اس کی اجرت بھی تمھیں مل جائے گی یہ سن کر ذرا اس نے چین کا سانس لیا اور کہا روٹیاں تو میں ضرور پکا دوں گا۔ مگر مجھے اجرت نہیں چاہیے۔ میں نے کہا، اجرت کیوں نہیں چاہیے؟ دوست ہی اگر نقصان پہنچائے تو اس سے برا دشمن کون ہوگا، تم ہمارے خاص لوگوں میں ہو۔ تمھاری بیوی جس کا یہ نام ہے ہماری چچازاد بہن ہے، پھر اس کی لڑکیوں کے نام لے کر میں نے اس کی خیریت پوچھی تو اس نے کہا، جی ہاں، اللہ کا شکر ہے سب خیریت سے ہیں۔ تب میں نے کہا کہ تم خود ہی سمجھدار آدمی ہو۔ لہٰذا میرا یہ کہنا غیر ضروری سا ہے کہ ان متعلقین کی دلداری میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔

اس پر نان بائی نے اس بات کا وعدہ کرتے ہوئے میرے ہاتھ چومے میں نے کہا، تو اچھا، اب دکان پر جاؤ تمھیں کسی قسم کی ضرورت ہو تو بے کھٹکے ہمارے پاس چلے آنا۔

جس رات یہ قصہ پیش آیا اس کو کئی دن گزر گئے تو آج کی رات اس نانبائی کی بیوی جو شکایت میرے پاس لے کر آئی تھی، میرے مکان میں آئی اور شکر پاروں کا یہ طباق پیش کیا اور قسم دی کہ اسے واپس نہ کروں، اس نے بتایا کہ اب وہ اور اس کے بچے نہایت سکون و اطمینان سے ہیں، یعنی اس کے شوہر نے اس کے یہاں آمد و رفت شروع کر دی اور اس کی ضرورت کا خیال رکھنے لگا، پھر وہ کہنے لگی واللہ میں نے اپنے کاتے ہوئے سوت کو بیچ کر اس کی قیمت سے یہ شکر پارے بنائے ہیں، تب میں نے اس کا یہ ہدیہ قبول کر لیا، اب کہیے کہ یہ حلال ہے یا نہیں؟

امام صاحب نے کہا، خدا کی قسم اس سے بڑھ کر حلال کھانا اور کیا ہوگا۔

ابن السنوی نے کہا، تو پھر بے تکلف کھائیے۔ چنانچہ پھر انہوں نے اور امام صاحب نے یہ شکر پارے کھائے۔

ایک عامل امیر المومنین کے سامنے کھڑا تھا۔ پیشاب کا تقاضا ہوا تو (۲۳) باہر آکر اس سے فارغ ہوئے اور پھر جاکر کھڑے ہوگئے، امیر المومنین نے پوچھا کدھر گئے تھے؟ عامل نے جواب دیا کہ رائے درست کرنے کے لیے گیا تھا، عربی کا ایک مقولہ ہے کہ پیشاب روکنے والے کی رائے کوئی رائے نہیں ہے۔

(۲۴) ایک شخص کے ۵۰ دینار چوری چلے گئے، وہ اس قسم کے سب مشتبہ لوگوں کو حاکم کے سامنے لے گیا، حاکم نے کہا کہ مجھے چوری کا پتہ چلانے کے لیے مار پیٹ کی ضرورت نہیں بلکہ ایک دوسری آسان ترکیب ہے۔

برابر کے کمرے میں میں نے ایک ڈوری باندھ دی ہے کمرے میں روشنی نہیں بلکہ اندھیرا ہے۔ کمرے میں ترتیب وار تم میں سے ایک ایک آدمی اندر جائے اور ڈور کے اس سرے سے اس سرے تک ہاتھ پھیرتا چلا جائے پھر اس ہاتھ کو اپنی آستین میں چھپا کر باہر آجائے اس کو نہ خود دیکھے اور نہ کسی کو دکھائے۔ جو چور ہوگا ڈور اس کے ہاتھ پر لپٹ جائے گی۔ اس طرح ہمیں چور کا پتہ چل جائے گا۔

حاکم نے کوئلہ پیس کر اس میں اس ڈور کو کالا کرادیا اور کمرے میں باندھ دیا، تب وہ سارے مشتبہ لوگ باری باری کمرے میں جاکر آتے رہے، ڈور پر ہاتھ پھیرنے سے ہر ایک کے ہاتھ پر سیاہی کا نشان آگیا ان میں جو حقیقتاً چور تھا اس نے ڈر کے مارے ڈور کو ہاتھ ہی نہ لگایا، حاکم نے سب کے ہاتھ دیکھے چور کے ہاتھ پر سیاہی نہ تھی، چنانچہ اسے پکڑ لیا گیا۔ آخر اس نے اقرارِ جرم کرلیا۔

⁂

باب ۱۲

قاضیوں کی ذکاوت کے حالات

(۱) شعبی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک عورت نے استغاثہ پیش کیا کہ میں اس شخص کے خلاف استغاثہ کرتی ہوں جو دنیا کا بہترین آدمی ہے۔ ممکن ہے کوئی ایک آدھ شخص ہی اپنی نیکیوں میں اس سے آگے ہو۔ یا اس کے ہم سر ہو۔ یہ صاحب رات بھر نفلیں پڑھتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں۔ اتنی بات کہہ کر اس پر کچھ حیا طاری ہوئی اور بولی کہ اچھا امیر المومنین! اب میں اپنی شکایت واپس لیتی ہوں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، اللہ تجھے جزائے خیر دے تو نے بہت اچھی تعریف کی اور بہت سلیقے سے اپنا معاملہ پیش کیا، بہت اچھا، جب وہ چلی گئی تو کعب بن اسود نے کہا کہ امیر المومنین اس عورت نے نہایت بلیغ انداز میں اپنی شکایت پیش کی، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا شکایت کی ہے؟ کعب نے کہا کہ اس عورت نے اپنے خاوند کی شکایت پیش کی ہے۔

تب حضرت عمرؓ نے اس عوت کے ساتھ اس کے خاوند کو بلوایا، وہ آگئے تو انھوں نے اس کا فیصلہ کعبؓ کے سپرد کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ فیصلہ آپ کے سامنے کروں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے اپنی فطانت سے اس بات کو پالیا، جو میری سمجھ میں نہ آسکی تھی لہٰذا فیصلہ تمھیں ہی کرنا چاہیے۔ تب

پھر کعبؓ نے فیصلہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔ جس کی روشنی میں انھوں نے شوہر کو حکم دیا کہ تین دن روزے رکھو اور ایک دن افطار کرو اور بیوی کے ساتھ گزارو حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم یہ فیصلہ تو مجھے پہلے نکتہ سے بھی عجیب معلوم ہوتا ہے ۔ چنانچہ کعب کی اسی ذہانت و فطانت کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اسی وقت بصرہ کا قاضی مقرر کر کے سواری کا انتظام کیا اور پھر حضرت کعبؓ کو بصرہ روانہ کر دیا۔

(۲) مجالد بن سعید کا بیان ہے کہ میں نے شریح کے بارے میں شعبی سے دریافت کیا، ان کے متعلق کہاوت مشہور ہوگئی کہ ؛

"شریح لومڑی سے بھی زیادہ چالاک اور حیلہ ساز ہے"

یہ کہاوت کہاں سے چلی، انھوں نے بتایا کہ قاضی شریح طاعون کی جب وبا پھیلی تو نجف چلے گئے تھے ۔ قیام نجف کے دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ قاضی شریح نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک لومڑی سامنے آکھڑی ہوئی اور عجیب عجیب حرکتیں کرتی جس سے نماز میں ان کا دھیان نہ رہتا، کئی روز یہی صورت پیش آئی تو قاضی شریح کو ایک تدبیر سوجھی انہوں نے ایک بانس لیکر اس کے اوپر ایک کھپچی باندھ دی اور ایک ڈھانچہ بنا کر اس کو اپنا کرتا پہنا کر کھڑا کر دیا۔ اور ٹوپی اوڑھا کر اوپر سے پگڑی باندھ دی ۔ چنانچہ وقت پر لومڑی آئی تو قاضی شریح نے داؤں لگا کر پیچھے سے اُسے جا پکڑا ۔ اس طرح لومڑی ان کے جھانسے میں آکر پکڑی گئی، اسی وقت سے یہ بات ضرب المثل بن گئی کہ ؛

"قاضی شریح لومڑی سے زیادہ چالاک اور حیلہ گر ہیں"

(۳) ایک قریشی سے منقول ہے کہ شریح سے ایک شخص نے اونٹنی خریدی تو اس کے بارے میں ان سے معلومات کیں، مگر شریح نے ایسے گول مول

جواب دیے کہ اس نے چکر میں اگر وہ اونٹنی اس نے قاضی شریح سے خرید لی ، خریدار نے ان سے پوچھا کہ :

اے ابوامیہ ! اس کا دودھ کتنا ہے ، شریح نے کہا کہ جس برتن میں چاہے دوہ لو۔ گویا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بڑے سے بڑا برتن بھر سکتا ہے ، پھر خریدار نے اس کی رفتار کو پوچھا تو فرمایا کہ بستر بچھا کر سو جاؤ ، یعنی بہت سبک رَو اور تیز رو ہے ، پھر اس نے معلوم کیا کہ اس کی خصلت کیسی ہے ، شریح نے کہا ، اپنے اونٹوں میں تم اسے الگ پہچان لوگے بس ایسی کہ کوڑا لٹکاؤ اور چلدو ، پھر اس نے پوچھا کہ اس کی طاقت کیسی ہے ؟ شریح نے کہا کہ بس دیوار ہے ، جتنا بوجھ چاہو لاد دو۔

ایسے اوصاف سن کر خریدار نے اونٹنی خرید لی۔ حالانکہ قاضی جی نے جو جوابات دیے تھے وہ سب گول مول تھے۔ اونٹنی خرید کر وہ شخص لے گیا تو اس میں اس کو ایک وصف بھی نہ ملا جو قاضی شریح نے بتایا تھا۔

اس نے آکر شکایت کی تو قاضی شریح نے کہا کہ میں نے تجھ سے جو کچھ کہا تھا جھوٹ نہیں تھا ، تو نے میری بات ہی نہیں سمجھی اور اونٹنی خرید لی۔ اب اگر واپس کرتا ہے واپس کر دے۔

قاضی شریح امیر کو حالتِ نزع میں دیکھنے گئے۔

(۴) مسروق بن الاجوع نے آدمی بھیجکر قاضی صاحب سے امیر کا حال معلوم کرایا تو انھوں نے کہلا بھیجا کہ امر و نہی کرتے ہوئے چھوڑ آیا ہوں ، بظاہر یہ مطلب ہوا کہ سب خیریت ہے۔

امیر معمول کے مطابق احکامات صادر کر رہے تھے۔ مگر معاملہ برعکس تھا۔ اس لیے صاف لفظوں میں حقیقت ظاہر نہیں کی مگر مسروق سمجھ گئے کہ انھوں نے

قاصد سے جواب سن کر کہا کہ قاضی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ امیر امر میں معروف ہیں یعنی وصیت کر رہے ہیں، اور نہی سے مراد یہ ہے کہ گھر والوں کو ماتم سے منع کر رہے ہیں۔

قاضی شریح کی مجلس قضا میں عدی بن ارطاۃ آئے اور کہا کہ آپ ہیں (۵) کہاں؟

قاضی شریح نے کہا تمھارے اور دیوار کے بیچ میں۔

عدی نے کہا، اچھا میرا معاملہ سنو! میں اس جگہ اسی کام سے بیٹھا ہوں

عدی نے بتایا کہ میں شام کا رہنے والا ہوں۔ شریح نے کہا، ہمارے دوست ہمارے قریب ہیں۔

عدی نے کہا، میں نے اپنے قبیلے کی ایک عورت سے شادی کی ہے

شریح نے کہا۔ اللہ برکت دے، اتفاق نصیب ہو، اور لڑکے پیدا ہوں۔ !

عدی نے کہا کہ، میں نے بیوی کے خاندان والوں سے یہ شرط کی تھی کہ میں اسے میکہ سے نہیں لاؤں گا۔ شریح نے جواب دیا کہ شرط کی پابندی تو لازمی ہے۔ شریح نے کہا مگر میں اسے اب وہاں سے لانا چاہتا ہوں،

شریح نے کہا، تو خدا حافظ،

عدی نے کہا تو پھر ہمارا فیصلہ کر دیجیے۔

شریح نے کہا فیصلہ تو میں نے کر دیا۔ گویا سارے سوال و جواب بہت لطیف انداز میں ہوئے۔ آخر میں قاضی صاحب نے کہا کہ میں فیصلہ کر چکا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کی شرط توڑنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ عند اللہ جرم ہے۔ اللہ سے اس کی توبہ کر لی جائے یا از خود

اس کا کوئی کفارہ ادا کر کے خدا سے معافی مانگ لی جائے مگر قاضی اس کیخلاف کوئی فیصلہ نہیں کرے گا۔

گویا قاضی صاحب نے باتوں باتوں میں فیصلہ بھی سنا دیا کہ تمہارا نکاح تو ٹوٹا نہیں، میکہ سے بیوی کو لاؤ گے تو شرط تو ٹوٹے گی مگر شرط ٹوٹنے سے نکاح ختم نہیں ہوگا۔ وعدہ کی خلاف ورزی پر اللہ سے معافی تلافی چاہ لینا کافی ہے۔

ایاس کی مردم شناسی اور نکتہ کے واقعات (۶)

ایاس بن معاویہ کے پاس تین عورتیں آئیں تو انھوں نے انھیں دیکھکر کہا۔ ایک کے پاس شیر خوار بچہ ہے، دوسری غیر شادی شدہ ہے۔ اور تیسری بیوہ ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے معلوم ہوا، تو بتایا کہ ایک عورت آکر بیٹھی تو اس نے اپنے پستانوں کو پکڑا جس سے میں یہ سمجھا کہ وہ بچے کو دودھ پلاتی ہے۔ دوسری عورت نے کسی طرف بھی توجہ نہیں کی جس سے ظاہر ہوا کہ وہ کنواری ہے۔ تیسری عورت نے دائیں بائیں دیکھنا شروع کیا جس سے پتہ چلا کہ وہ بیوہ ہے۔

(۷) ابن الحسن قیسی سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے اپنا کچھ مال ایسے شخص کے پاس امانت رکھا جو نہایت امانت دار مشہور تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اس نے آکر اپنی امانت واپس مانگی تو وہ بگڑ گیا، تب وہ اپنی شکایت ایاس کے پاس لے کر پہنچا، اور اس کو پورا واقعہ سنایا تو ایاس بن معاویہ نے اس سے پوچھا کہ اس شخص کو اس کی تو خبر نہیں کہ تم شکایت لے کر میرے پاس آئے ہو؟ اس نے کہا کہ ابھی تک اس کو اس بات کی خبر نہیں ہے۔ تو ایاس نے اس سے کہا تو پھر تم اب جاؤ اور دو روز کے بعد مجھ سے ملنا اور کسی کو مت بتانا۔

'ایاس بن معاویہ نے اس کے جانے کے بعد اس کی امانت میں خیانت کرنے والے کو بلا کر کہا کہ ہمارے پاس روپیہ کچھ زیادہ جمع ہو گیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ تمھارا مکان بہت محفوظ جگہ پر ہے۔ لہٰذا وہ تمھارے سپرد کر دیں، اس نے جواب دیا کہ مجھے انکار نہیں۔ میں ضرور رکھ لوں گا، ایاس نے کہا پھر مال رکھنے کے لیے جگہ ٹھیک ٹھاک کر لیجیے۔ مزدوروں کی بھی ضرورت ہوگی جو اس مال کو اٹھا کر وہاں ٹھکانے پر رکھ سکیں۔

دو روز کے بعد وہ فریادی ایاس کے پاس آیا تو انھوں نے اس سے کہا کہ تم جا کر اب اس شخص سے اپنی امانت طلب کرو۔ اگر اس نے واپس کر دی تو اچھا ہے اور انکار کرے تو کہنا کہ اب میں قاضی کے پاس جاتا ہوں۔

چنانچہ وہ اپنی امانت طلب کرنے کے لیے گیا اور اس طرح اس سے کہا کہ یا تو میری امانت واپس کر دو ورنہ میں قاضی صاحب کے ہاں دعویٰ دائر کرتا ہوں۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے اس کی امانت لوٹا دی۔

جب یہ خائن شخص ایاس بن معاویہ سے ملنے گیا تو انھوں نے اس کی خوب خبر لی اور مار پیٹ کر باہر نکلوا دیا کہ کم بخت خائن آئندہ کبھی ادھر نہ آنا۔

⁂

(۷) جاحظ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایاس بن معاویہ نے زمین میں ایک شگاف دیکھ کر بتایا کہ اس کے اندر کوئی جانور موجود ہے اسمیں غور سے جھانک کر دیکھا گیا تو وہاں ایک سانپ موجود تھا۔

ان سے اس اندازے کی وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ میں نے اس شگاف کے اندر اور اینٹوں کے درمیان کچھ نمی پائی جس سے میں نے یہ سمجھا کہ نیچے کوئی سانس لینے والی چیز ضرور موجود ہے۔

جاحظ ہی سے منقول ہے کہ ایاس بن معاویہ نے اپنے سفرِ حج کے دوران
(۸) ایک مقام پر کتے کو بھونکتے سنا تو آواز سن کر کہا کہ یہ کوئی بندھا ہوا کتا
بھونک رہا ہے کچھ دیر میں پھر اس کی آواز آئی تو کہنے لگا کہ اب اسے کھول دیا
گیا ہے۔ جب قافلہ آبادی کے نزدیک پانی کے چشمہ پر پہنچا تو کتے کے متعلق
تحقیق کی تو ایاس کا اندازہ ٹھیک نکلا۔ پوچھنے پر ایاس نے بتایا کہ پہلے کتے کی
آواز ایک ہی جگہ سے آرہی تھی جس سے میں نے سمجھ لیا کہ یہ کتا بندھا ہوا ہے
جب دوبارہ آواز سنائی دی تب میں نے غور کیا تو آواز کبھی دُور کی معلوم ہوتی
کبھی قریب کی۔ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ اب کتا کھل گیا ہے اور بھاگتے ہوئے
بھونک رہا ہے۔

ایک مرتبہ ایاس بستی کے قریب پانی کے چشمہ پر پہنچا تو کتّے کی آواز سُن کر
(۹) بتایا کہ یہ کتا اس بستی کا نہیں ہے اس کی وجہ انھوں نے بتائی کہ بہت سے
کتّے بھونک رہے ہیں ان میں سے ایک کتے کی آواز دبی ہوئی ہے اور دوسرے
کی آواز میں تیزی غالب ہے۔ بستی میں پہنچ کر تحقیق کی تو اس کی تصدیق ہوئی
کہ ایک اجنبی کتے پر بستی کے کتے بھونک رہے تھے۔

واسط کے قاضی کا فیصلہ (۱۰)

یزید بن ہارون سے منقول ہے کہ واسط کے ایک قاضی ثقہ اور حافظِ
حدیث تھے۔ ان کے سامنے ایک مقدمہ آیا کہ ایک شخص نے ایک شاہد کے
پاس اپنی سر بند تھیلی امانت رکھوائی اور یہ کہا کہ اس میں ایک ہزار دینار ہیں۔
وہ امانت رکھنے والا ایک طویل مدّت تک تھیلی لینے نہ آیا، تب اس شخص کو
خیال ہوا کہ بظاہر تھیلی رکھوانے والا مر گیا، اس نے یہ کام کیا کہ تھیلی کی مہر توڑنے

کے بجائے تھیلی کو نیچے سے اُدھیڑا اور اس میں سے دینار نکال کر درہم بھر دیے اور پھر اسی طرح سی دیا۔

اتفاق سے کچھ ہی روز بعد تھیلی والا آیا اس نے تھیلی طلب کی تو اس نے واپس کردی۔ اس نے لے جاکر اسے کھولا تو اس میں سے درہم نکلے وہ اس شخص کے پاس آیا اور کہا: اللہ تمھیں معاف کرے میرا مال مجھے دو۔ اس تھیلی میں تو دینار تھے اور برآمد ہوئے درہم! اس شاہد نے ردّوکد کی اور کہا کہ میں نے تو تمھاری تھیلی جیسی تھی ویسی ہی واپس کردی، آخر کار قاضی کے سامنے مقدمہ گیا تو اس نے اس شاہد کو بلوایا، مدّعی اور مدعی الیہ دونوں آگئے تو انھوں نے پوچھا کہ یہ تھیلی تم نے کب رکھوائی تھی معلوم ہوا کہ پندرہ سال گزر گئے تب قاضی صاحب نے تھیلی کے درہم منگوائے اور انھیں دیکھا کہ کس زمانے کے یہ ڈھلے ہوئے ہیں۔ ٹکسال کا جو سن ان سکّوں پر تھا وہ بہت قریبی زمانے کا تھا کوئی دو برس پہلے کا درہم تھا کوئی تین سال پہلے کا۔

چنانچہ قاضی صاحب نے فیصلہ کیا کہ شاہد مدعی کو دینار ادا کردے اور شہر میں یہ منادی کرادے کہ یہ شاہد صاحب خائن اور دھوکے باز ہے اور ان شاہد صاحب کے پورے تعارف وولدیت کے ساتھ یہ اعلان کرادیا کہ قاضی صاحب نے ان کی شہادت کو ناقابلِ اعتبار قرار دے دیا، لوگ اس کے دھوکے میں نہ آئیں، یہ منادی ہوتے ہی وہ شاہد ایسا شرمندہ ہوا کہ اپنی جائداد فروخت کرکے وہاں سے اس طرح غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

اسلامی عہد میں جو لوگ ثقہ، امانت دار اور قابلِ اعتماد سمجھے جاتے تھے انھیں شاہد کا لقب دیا جاتا تھا اور عدالتوں میں ان کی گواہی معتبر سمجھی جاتی تھی اور لوگ ان کے پاس امانتیں وغیرہ رکھوایا کرتے تھے۔ مگر انہی میں کچھ

حیلہ باز بھی ہوتے تھے جن کا مکروہ حیلہ جلد ظاہر ہو جاتا تھا۔

ابو محمد قریش سے منقول ہے کہ کسی شخص کے پاس امانت رکھوائی گئی۔

(۱۱) کچھ عرصہ بعد امانت رکھوانے والے نے اپنی امانت مانگی تو جواب ملا تھا وہ مُکر گیا، قاضی ایاس بن معاویہ کے یہاں مقدمہ پہنچا، مدعی کے کہا کہ میں نے اس کے پاس اپنا مال رکھوایا تھا، قاضی نے پوچھا کہ کس کے سامنے رکھوایا تھا، مدعی نے کہا کوئی تیسرا آدمی وہاں موجود نہیں تھا۔ قاضی نے پوچھا وہاں کوئی نشان یا علامت موجود ہے؟ اس نے بتایا کہ ایک پیڑ ہے قاضی نے بتایا کہ تم اس پیڑ کو جا کر غور سے دیکھو شاید اللہ وہاں کوئی چیز نمایاں کر دیں جس سے تمہارا حق ثابت ہو سکے، ممکن ہے کہ تم نے اپنا مال اسی پیڑ کے نیچے دفن کیا ہو اور وہاں جا کر یاد آجائے۔

مدعی کو وہاں بھیج کر قاضی صاحب نے مدعا علیہ کو وہیں بٹھا لیا اور اپنے کام میں لگے رہے کچھ دیر کے بعد قاضی نے اس کی طرف دیکھ کر مدعیٰ علیہ سے پوچھا کہ تمہارا وہ ساتھی پیڑ تک پہنچ گیا ہوگا۔ اس نے کہا کہ ابھی نہیں۔ یہ سُن کر قاضی صاحب نے کہا کم بخت تو خائن ہے۔ قاضی صاحب اس کی بات سے سمجھ گئے کہ وہ پیڑ سے واقف ہے اور امانت واقعی رکھی گئی تھی۔

قاضی کے تیور دیکھ کر وہ بولا کہ آپ میرے لیے کچھ سہولت کرائیے خدا آپ کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے۔

قاضی صاحب نے ایک پولیس والے کو اس کی نگرانی کے لیے مقرر کیا۔ اور پھر اپنے دوسرے مقدمات میں مصروف ہو گئے۔ آخر وہ مدعی واپس آیا، تب قاضی ایاس نے کہا کہ اس شخص نے تمہاری امانت کا اقرار کر لیا ہے۔ لہٰذا اس کو پکڑ لو اور اپنی امانت وصول کر لو۔

ابن السماک سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ جامع منصور میں قاضی القضاۃ شامی کے سامنے دو آدمیوں نے اپنا مقدمہ رکھا مدعی نے کہا کہ اسے مدعیٰ علیہ کو دس دینار امانت رکھنے کے لیے دیے تھے جب کہ مدعا علیہ منکر تھا۔ قاضی نے مدعی سے پوچھا کہ تمھارے پاس رکھنے کا کیا ثبوت ہے؟ اس نے کہا ثبوت تو کچھ نہیں ہے، قاضی جی نے کہا کہ کوئی وہاں دیکھنے والا موجود تھا، مدعی نے کہا اللہ کے سوا کوئی اور موجود نہ تھا۔ قاضی صاحب نے پوچھا امانت کس جگہ سپرد کی تھی؟ اس نے کہا کہ محلہ کرخ کی ایک مسجد میں دی تھی، پھر قاضی صاحب نے ایک دوسرے شخص سے پوچھا کہ تم حلف اٹھالو گے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں میں حلف اٹھالوں گا۔ تب قاضی صاحب نے مدعی سے کہا کہ تم کرخ کی اسی مسجد میں جاؤ اور وہاں سے قرآن لے کر آؤ تاکہ میں اسے حلف دلاؤں۔ چنانچہ وہ کرخ گیا اور مدعا علیہ کو قاضی جی نے روکے رکھا۔ (۱۲)

مدعی کے جانے کے بعد قاضی جی نے مدعا علیہ سے پوچھا کہ کیا وہ مدعی مسجد تک پہنچ گیا ہوگا، اس نے جواب دیا کہ ابھی مسجد تک نہیں پہنچا ہوگا۔ اس سے قاضی صاحب نے سمجھ لیا کہ دعویٰ درست ہے اور وہ مسجد اس کے علم میں ہے پھر وہ مدعا علیہ بھی اقراری ہوگیا، لہٰذا مطلوبہ دیناروں کا مطالبہ اس پر قائم کرکے اس سے امانت واپس دلائی گئی۔

ابوالعین نابینا کا مقولہ ہے کہ میں نے ابن ابی داؤد سے بڑھ کر کسی کو ادب کا پابند نہیں دیکھا کیوں کہ جب کبھی ان کے یہاں سے اٹھ کر باہر آیا تو میرے نابینا ہونے کی وجہ سے خادم سے یہ لفظ نہیں کہا۔ ان نابینا کا ہاتھ پکڑا اور باہر پہنچا۔ بلکہ یہ کہا کہ ان کے ساتھ جاؤ۔ ملاقات کے بعد مجھے ہمیشہ ان کے اس جملے کا خیال رہا کرتا تھا، کبھی اس کے سوا انہوں نے (۱۳)

دوسرا جملہ استعمال نہیں کیا، اور نہ کسی کے منھ سے میں نے ایسا مہذب فقرہ سنا۔

یحییٰ بن اکثم کی عمر ۲۰ سال کی تھی۔ جب وہ بصرے کے قاضی مقرر ہوئے۔

(۱۴) بصرہ والوں نے اسی بنا پر ان کا خاص احترام نہ کیا۔ چنانچہ کسی نے پوچھ لیا کہ قاضی صاحب کی عمر کیا ہے۔ قاضی صاحب نے سمجھ لیا کہ یہ میری کم عمری پر طنز ہے۔ تو قاضی صاحب نے کہا کہ عتاب بن اُسید کو جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن مکہ کا قاضی بنایا تھا تو میری عمر ان کی عمر سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ اور یمن پر معاذ بن جبل کو جب قاضی بنا کر بھیجا گیا تھا، میری عمر ان کی اس وقت کی عمر سے زیادہ ہے اور کعب بن اسود سے بھی زیادہ ہے جنھیں حضرت عمر رضی نے بصرہ کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔

ابن ابی اللیث سے منقول ہے کہ جعفر وزیر کی والدہ کا ایک کارندہ مرزبان

(۱۵) مجوسی تھا جس کو ایک خراسانی شخص نے ۳۰ ہزار درہم میں کچھ اونٹ فروخت کیے مگر اس نے ایک عرصہ تک ان کی قیمت ادا نہیں کی اور ٹال مٹول کرتا رہا۔

اس شخص نے پریشان ہو کر قاضی حفص بن غیاث کے ہم نشینوں سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اس سے کہا کہ تم کارندہ سے ملکر یہ کہو کہ آپ فی الوقت مجھے ایک ہزار درہم دے دیں باقی رقم میں ایک اور شخص کے نام لکھ دوں گا۔ آپ جب چاہیں اسے دلا دیں۔ میں تو اب خراسان جانا چاہتا ہوں، اتنی بات کر کے پھر ملنا، اس خراسانی نے اسی طرح کیا، مرزبان سے ایک ہزار درہم لے لیے اب اس نے آکر اپنے اس مشیر کو اطلاع دی اس نے اسے مشورہ دیا کہ اب مرزبان سے جا کر کہنا کہ کل جب آپ سوار ہو کر دربار میں جائیں تو راستے میں قاضی صاحب کے ہاں ہوتے ہوئے جائیں میں آپ کو وہیں ملوں گا اور کسی کو اپنا وکیل

بنا کر چلا جاؤں گا۔ اس پروگرام کے مطابق اگلے دن جب مرزیان قاضی صاحب کے یہاں پہنچے تو تم فوراً قاضی کے سامنے اپنی باقی رقم کا دعویٰ کر دینا۔

خراسانی نے اسی ترکیب پر عمل کیا، مرزیان کے قاضی کے یہاں آتے ہی اس خراسانی نے بقیہ رقم کا دعویٰ پیش کیا اور قاضی نے اس کارندہ کو گرفتار کر لیا، اُم جعفر کو پتہ چلا تو خلیفہ ہارون رشید سے شکایت کی کہ آپ کے قاضی نے ہمارے کارندے کو پکڑ لیا ہے، آپ قاضی کو کارندہ کے چھوڑنے پر مجبور کیجیے۔ خلیفہ نے یہ حکم جاری کرنے کے لیے اپنے وزیر سے کہا۔ قاضی حفص کو اس کی بھنک پڑ گئی تو انہوں نے مدعی سے فوراً گواہ مانگے تاکہ خلیفہ کا حکم آنے سے پہلے مجوسی کے مقابلے میں اس کے حق میں فیصلہ کریں، چنانچہ یہ ساری کارروائی جلدی جلدی مکمل ہو گئی، اتنے میں خلیفہ کا حکم قاصد لے کر آیا تو قاضی صاحب فیصلہ لکھوا رہے تھے۔ انہوں نے فیصلہ لکھوا کر اور نافذ کر کے پھر قاصد سے حکم لیا، اسے پڑھا، پھر خادم سے کہا کہ امیر المومنین سے سلام عرض کرنے کے بعد کہنا کہ آپ کا حکم فیصلہ نافذ ہونے کے بعد وصول ہوا۔

(۱۶) مکے کے ایک قاضی مُطّلب بن محمد تھے ان کی بیوی کے پہلے چار شوہر مر چکے تھے اور قاضی جی پانچوے شوہر تھے۔ جب یہ قاضی مرنے لگے تو بیوی رونے لگی اور کہنے لگی بتاؤ میں اپنی زندگی کہاں گزاروں گی، قاضی صاحب نے فوراً کہا کہ چھٹے بدنصیب کے پاس۔

(۱۷) ایک شخص نے ابو حازم سے کہا کہ شیطان اکثر مجھے بہکاتا ہے کہ تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ مجھے یہ وسوسہ برابر آتا رہتا ہے، ابو حازم نے کہا تو کیا واقعی تم نے اسے طلاق نہیں دی، اس نے کہا کہ نہیں، ابو حازم نے کہا کیا تم کل میرے پاس آ کر بیوی کو طلاق نہیں دے گئے تھے، اس نے کہا، واللہ

میں تو آج ہی یہاں آیا ہوں میں نے ہرگز طلاق نہیں دی۔ تب ابو حازم نے کہا کہ بس اب شیطان تیرے پاس آئے تو اس وقت ایسے ہی قسم کھا لینا اور پھر مزے کرنا۔

یحییٰ بن محمد سے منقول ہے کہ ایک قاضی صاحب کی بیوی نے شوہر سے اصرار کیا کہ اس کے لیے ایک باندی خرید دیں۔ وہ نخاس گئے، چند باندیاں انہوں نے قابلِ فروخت دیکھیں۔ ان میں سے ایک کو پسند کر کے بیوی کے پاس دکھانے لے گئے اور کہا کہ میں اپنی ذاتی رقم سے تمھیں یہ باندی خرید دوں گا۔ بیوی نے کہا کہ نہیں آپ تکلیف نہ کریں، دینار میرے پاس ہیں، یہ لیجیے، سو دینار لیجائیے قاضی صاحب دینار لے گئے اور انھیں گھر میں کسی تھیلی میں سیل بند کر کے رکھدیا، اور اپنی نیت سے ایک باندی اپنے پاس سے پیسے دے کر خرید لائے، اس کی رجسٹری اپنے ہی نام سے کرائی اور اس بات کو باندی سے پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ بیوی باندی سے اپنی خدمت لیتی رہی اور اپنی مملوکہ باندی کی حیثیت سے قاضی صاحب موقع بہ موقع خدمت لیتے رہے۔

اتفاق سے بیوی نے ایک روز دونوں کو تنہا دیکھا تو آپے سے باہر ہوگئی اور بہت غصہ ہوئی کہ تم قاضی ہو کر ایسے قبیح فعل میں مبتلا ہو۔ خدا کا ذرا بھی تمھیں ڈر نہیں رہا، قاضی صاحب نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ قاضی بُرے فعل میں کیوں مبتلا ہونے لگا۔ لو یہ رہا، اس باندی کا بیعنامہ، اور یہ رہی تمھارے دیناروں کی سیل بند تھیلی۔ تب جا کر بیوی کو خاموش ہونا پڑا۔ اور پھر کسی موقع سے قاضی نے اس باندی کو فروخت کر دیا۔

تنوخی کی روایت ہے کہ قاضی القضاۃ ابو السائب کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں ہمدان میں ایک غیر معروف شخص تھا۔ قاضی نے یہ خیال کیا کہ (۱۹)

اسے اپنے یہاں عدالت میں شاہد اور مقبول بنا دے جو گویا اسلامی عہد میں ثقہ اور متقی لوگوں کا ایک عہدہ تھا ان سے مقدمات وغیرہ میں گواہی کا کام لیا جاتا تھا قاضی نے اس شخص سے اس سلسلے میں گفتگو بھی کی اور مراسلت بھی۔ پھر اس کے دستخط بھی اپنی عدالت میں محفوظ کرا کر رکھ لیے۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کی شہادت لی جا سکے۔

جب مقدمہ میں دوسرے شاہدوں کے ساتھ وہ قاضی کے سامنے پیش ہوا تو انھوں نے اس کی شہادت نہیں مانی، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو قاضی نے کہا کہ وہ ریاکار معلوم ہوتا ہے اس لئے اس کی شہادت قبول کرنے میں تامل ہوا۔ اور ریاکاری اس کی اس طرح ظاہر ہوئی کہ یہ شخص روزانہ میرے یہاں آتا رہا۔ اس وقت میں نے اس کی رفتارِ قدم کا گھر سے دروازے تک آنے جانے کا اندازہ کیا آج جب وہ عدالت میں پہنچا تو میں نے اس کے قدم شمار کیے تو وہ پہلے سے دو تین قدم زیادہ تھا جس سے میں نے سمجھ لیا کہ یہ مصنوعی وقار سے مجلس میں آیا ہے اور ریاکار ہے، بس اس کی شہادت میں نے اسی لیے رد کر دی۔

(۲۰) ایک بکری پر دو آدمیوں کا جھگڑا ہوا، ہر دو نے اس کا ایک ایک کان پکڑ رکھا تھا، اتفاق سے ایک تیسرا شخص آ گیا، ان جھگڑنے والوں نے اس تیسرے آدمی سے کہا کہ تم ہمارا فیصلہ کر دو۔ تمھاری بات ہمیں منظور ہوگی۔

اس تیسرے شخص نے کہا کہ اگر تم دونوں میرے فیصلے پر راضی ہو تو قسم کھاؤ کہ میرا فیصلہ نہ مانو گے تو تمھاری بیویوں پر طلاق ہوگی۔

چنانچہ ان دونوں جھگڑنے والوں نے یہ قسم کھالی۔ تب اس نے کہا کہ اب تم اس کے کان چھوڑ دو، انہوں نے کان چھوڑ دیے، اس نے بکری کا کان پکڑا اور چلتا بنا، یہ دونوں دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور منھ سے ایک

بھی نہ نکلا کہ اگر وہ کچھ بولتے تو اس کے فیصلے کے خلاف بات ہوتی۔ اور اس نے فیصلہ یہی کیا کہ بکری خود لے جائے اور ان کا جھگڑا ختم ہو جائے، لہٰذا یہ خاموش رہے کہ بولتے تو بیویوں پر طلاق پڑتی۔

(۲۱) احمد بن ابی داؤد ایک مرتبہ خلیفہ واثق باللہ کے ہاں پہنچے تو خلیفہ نے کہا کچھ دیر پہلے محمد بن ملک الزیات یہاں سے گیا ہے۔ اس نے تمہارے بارے میں خاصی شکایت کی، ابن ابی داؤد نے کہا۔ امیر المومنین خدا کا شکر ہے جس نے زیات کو اس کا محتاج بنایا کہ وہ سچ کے بجائے جھوٹ کو پسند کرتا ہے، اور مجھے اس بری چیز سے نفرت دی۔

باب ۱۳

علماء اور فقہائے اُمت کے واقعات

(۱) شعبی سے منقول ہے کہ وہ ایک مرتبہ حمام میں غسل کے لیے گئے تو وہاں داؤد ازدی برہنہ نظر آئے، تو انھوں نے آنکھیں بند کر لیں، داؤد نے پوچھا کہ تم اندھے کب سے ہو گئے، شعبی نے جواب دیا کہ جب سے خدا نے تیرا پردہ فاش کیا۔

(۲) ابراہیم نخعی کو جب کوئی ایسا آدمی گھر پر آکر مطلع کرتا جس سے وہ ملنا چاہتے ہوں تو باندی باہر آکر یہ کہہ دیتی کہ انھیں مسجد میں تلاش کرو۔ یعنی یہ جھوٹ نہیں بولتی تھی کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔

(۳) ایسا ہی امام نخعی کے بارے میں ہے کہ وہ اپنے بعض دوستوں سے کہا کرتے تھے کہ کوئی تم سے میرے بارے میں معلوم کرے تو کہہ دینا کہ

ہمیں تو پتا نہیں کہ کہاں ہیں۔ کیوں کہ میرے پاس سے جب تم چلے گئے تو میں کس جگہ ہوں اس کا علم تمھیں کیسے ہو سکتا ہے۔ اس لیے تمھارا جواب جھوٹ بھی نہ ہوگا غالباً اس وقت کے بعض سیاسی حالات کی وجہ سے امام نخعی نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوگا۔

(۴) جریر کہتے ہیں کہ ایک روز ہم اعمش سے ملنے گئے تو انھیں دیکھا کہ بارش کا پانی جمع ہو کر ایک چھوٹا سا تالاب بن گیا وہ اس پانی کے کنارے بیٹھے ہیں۔ ہم ہم اس تالاب کی دوسری جانب بیٹھ گئے اتنے میں ایک کالا سا آدمی آیا اس نے اعمش کو پھٹے حالوں میں دیکھا وہ ایک پرانا اونی عبا پہنے ہوئے تھے تو انھیں مزدور پیشہ معمولی آدمی سمجھ کر اس سے کہا کہ چل مجھے اس تالاب کے اس کنارے پار اتار دے۔ یہ کہہ کر اعمش کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور ان کی کمر پر سوار ہو گیا، سوار ہو کر وہ دعا پڑھی جو جانور پر سواری کے وقت پڑھی جاتی ہے چنانچہ اعمش اسے لاد کر تالاب کے اندر لے کر چلے اور بیچ تالاب میں پہنچ کر اسے وہیں دے مارا اور وہیں پانی میں اُلٹ پُلٹ ہوتے ہوئے چھوڑ کر باہر نکل آئے اور اس سے کہا کہ اب وہ دعا پڑھو جو سواری سے منزل پر پہنچ کر پڑھی جاتی ہے۔

(۵) ابوالحسن مدائنی کہتے ہیں کہ اعمش کے پاس ایک شخص نے آکر یہ کہا کہ اے ابو محمد! میں فلاں حدیث کے سلسلے میں تم سے معلومات کرنے کے لیے آدھا درہم خرچ کر کے گدھے پر آیا ہوں، اعمش نے جواب دیا کہ اچھا تو اب نصف درہم میں واپسی کا گدھا کر کے چلے جاؤ، گویا علم حدیث کو تم نے ایسی ارزاں چیز سمجھا کہ آدھا درہم کرایہ پر خرچ کر دیا تو اس لیے جتائی دی۔ لہٰذا اس کو کچھ بتائے بغیر واپس لوٹا دیا۔

(۶) حضرت عبداللہ ابن المبارک سے منقول ہے کہ یمن کے سفر میں ایک مقام پر میں نے دیکھا کہ لوگوں نے ایک تیار اور جوان اونٹ کا گوشت

بھون رکھا تھا اس میں سرکہ ڈال کر کھانا چاہتے تھے، مگر کوئی ایسا برتن موجود نہ تھا جس میں اسے ڈال کر کھا سکیں۔ اس جماعت میں ابو حنیفہ بھی موجود تھے لوگوں کی سمجھ میں کوئی صورت نہ آئی تو امام ابو حنیفہؒ نے مشورہ دیا کہ ریت کا ایک گڑھا کھود کر اس میں چمڑے کا دسترخوان ڈال کر پیالہ کی شکل کا بنالیں اور اس میں گوشت ڈال کر اس پر سرکہ الٹ دیں۔

چنانچہ اس تجویز کے مطابق سب لوگوں نے اطمینان سے کھانا کھایا تب لوگوں نے امام صاحب سے عرض کیا کہ آپ کو ہر بات میں سلیقہ پیدا کر دینے کا ملکہ حاصل ہے۔ تو فرمایا کہ اس پر میرا کیا اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے یہ تدبیر میرے ذہن میں ڈالی۔

---

(۷) محمد بن حسن کہتے ہیں کہ کچھ چور ایک آدمی کے گھر میں گھسے اور اس کو پہلے حلف طلاق دلایا کہ اگر اس نے شور مچایا یا چوروں کا نام و پتہ بتا دیا تو اس کی بیوی پر تین طلاق، چنانچہ چور اس کا سب مال و اسباب اٹھا کر لے گئے۔ صبح کو اس نے دیکھا کہ وہ چور بازار میں اس کا سامان فروخت کر رہے ہیں۔ اب یہ شخص ٹک ٹک دیکھتا رہا مگر اپنے حلف کی وجہ سے خاموش رہا۔ آخر اس نے امام ابو حنیفہ سے مشورہ کیا، انہوں نے فرمایا کہ تم محلے کی مسجد کے امام اور موذن کو لے کر آؤ اور محلے والوں میں سے جو با اثر آدمی ہو اسے بھی ساتھ لانا یہ شخص ان سب کو لے کر امام صاحب کی خدمت میں پہنچا تو امام صاحب نے فرمایا کہ کیا آپ لوگوں کی خواہش ہے کہ اس شخص کا سامان اللہ تعالیٰ اسے واپس دلا دے ان سب نے کہا، جی ہاں ضرور واپس ہونا چاہیے۔ تب امام صاحب نے ترکیب بتائی کہ تم اس کے پاس جتنے مشتبہ اور بدقماش لوگ ہیں انھیں گھر میں یا مسجد

میں اکٹھا کرلو۔ اور یہ شخص دروازے پر کھڑا ہو جائے، تم اندر سے ایک ایک شخص کو باہر نکالتے جاؤ اور اس سے پوچھتے رہو کہ کیا یہ تمہارا چور ہے؟ تو یہ دوسروں کے نمبر پر انکار کرے گا۔ مگر جب ان چوروں کا نمبر آئے گا جنھوں نے ان کے یہاں چوری کی ہے تو یہ خاموش کھڑا رہے اور ہاں یا نہ، کچھ نہ بولے پس جب یہ چپ ہو جائے تو تم سمجھ لو کہ یہ چور ہے۔ لہٰذا تم اسے پکڑ لو۔

امام صاحب کی اس تدبیر پر انہوں نے عمل کیا تو چور پکڑے گئے اور اس طرح اس کا تمام مسروقہ مال واپس مل گیا۔

(۸) حسین الاشقر سے منقول ہے کہ کوفہ ایک نیک بھلا آدمی تھا، وہ امام ابوحنیفہ کی طرف سے گزرا تو امام صاحب نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو اس نے بتایا کہ ابن ابی لیلیٰ کی طرف جا رہا ہوں، آپ نے فرمایا کہ وہاں سے لوٹتے ہوئے مل کر جانا۔

لوگ ابن ابی لیلیٰ سے عام طور پر درخواست کیا کرتے تھے یہ شخص بھی ان کے پاس تین دن ٹھہر کر لوٹا اور امام صاحب کی طرف سے گزرا تو امام صاحب نے آواز دی اور سلام و دعا کے بعد آپ نے پوچھا کہ تم ابن ابی لیلیٰ کے پاس تین روز کس مقصد سے ٹھہرے اس نے کہا ایک خفیہ بات ہے مجھے امید تھی کہ ابن ابی لیلیٰ کے پاس جا کر اس کا کوئی حل نکل آئے گا امام صاحب نے پوچھا کہ ایسی کون سی بات ہے، اس نے کہا میں ایک باحیثیت اور خوش حال آدمی ہوں ایک بیٹے کے سوا کوئی وارث نہیں ہے مگر اس کا عالم یہ ہے کہ جب میں اس کی شادی کرتا ہوں تو وہ بیوی کو طلاق دے ڈالتا ہے میں نے ایک باندی خرید کر دی تو اسے بھی آزاد کر کے چھوڑ دیا۔

امام صاحب نے پوچھا تو ابن ابی لیلیٰ نے اس کے بارے میں کیا کہا۔

اس نے بتایا کہ ابن ابی لیلےٰ نے تو جواب دے دیا کہ اس کا کوئی حل ان کے ذہن میں نہیں آتا۔

امام صاحب نے فرمایا کہ ہماری صحبت میں بیٹھو تو ہم تمھاری مشکل آسان کردیں گے، پھر کھانا آگیا، اس نے امام صاحب کے ساتھ کھانا کھایا۔ فارغ ہوکر آپ نے فرمایا کہ بیٹے کو لے کر بازار جاؤ، نخاس میں جو باندی وہ پسند کرے تو اس کی قیمت اپنی منشاء کے مطابق ٹھیک ٹھیک طے کرکے اس باندی کو لڑکے کے لیے نہ خریدو بلکہ اپنی ذاتِ خاص کے لیے خرید لو، بعد میں اس باندی کا اس سے نکاح کردو۔ اگر وہ اسے طلاق دے دے تو وہ تمھارے پاس لوٹ ہی آئے گی اور اگر اس نے اس باندی کو آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا جائز نہ ہوگا۔ کیوں کہ وہ تو دراصل تمھاری ملک ہوگی اور اگر اس باندی سے اولاد ہوئی تو تمھارا نسب اس طرح چل پڑے گا۔

اس نے پوچھا کہ یہ صورت شرعاً درست ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ ہاں شرعاً درست ہے۔

اس شخص نے جاکر ابی لیلےٰ کو اس کی خبر دی اور ان سے اس کا تذکرہ کیا، جو ابو حنیفہ نے بتائی تھی۔ انہوں نے امام صاحب کی تدبیر کی تصدیق کی اور اسے درست قرار دیا۔

(۹) امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ خلیفہ منصور نے ایک بار امام ابو حنیفہ کو دربار میں طلب کیا۔ امام صاحب خلیفہ کے حکم پر تشریف لے گئے منصور کے حاجب ربیع نے جو امام صاحب کا مخالف تھا کہا کہ اے امیر المومنین یہ ابو حنیفہ آپ کے دادا حضرت ابن عباس کی مخالفت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن عباسؓ قسم کے معاملے میں اس کے قائل ہیں کہ قسم کھاکر اگر ایک آدمی ایک دو روز بعد

ان شاء اللہ کہہ دے تو اس کا حلف لازم نہ ہوگا بلکہ ان شاء اللہ کی شرط سے مشروط ہوگا۔ جب کہ امام حنیفہ کا قول یہ ہے کہ قسم کھا کر اسی وقت متصلاً انشاء اللہ کہا تو یہ قسم لازم نہ ہوگی اور بعد میں ان شاء اللہ کہا تو یہ کہنا معتبر نہیں سمجھا جائیگا اور قسم لازمی قرار دی جائے گی۔

ربیع کے اس چٹکی لینے پر امام صاحب نے فرمایا کہ ربیع یہ چاہتا ہے کہ مخلوق کو آپ کی بیعت سے آزاد کردے۔

منصور نے پوچھا وہ کس طرح؟ وہ اس طرح کہ لوگ آپ کے سامنے آکر بیعت کا حلف کر جائیں گے اور گھر جاکر ان شاء اللہ کہہ کر گنجائش نکال لیں گے تو گویا آپ کی اطاعت کا حلف اس طرح باطل ہوتا رہے گا اور آپ کی بیعت لوگوں پر لازم نہ رہے گی۔

یہ سن کر منصور بہت ہنسا اور ربیع سے کہا کہ آئندہ ابو حنیفہ سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا ابو حنیفہ باہر نکلے تو ربیع نے کہا کہ آج تو آپ نے پھنسوا ہی دیا تھا، امام صاحب نے فرمایا کہ یہ کام تو خود تم نے کیا میں نے تو اپنی اور تیری گردن چھڑانے کی راہ نکالی ہے

---

(۱۰) عبدالواحد بن غیاث سے منقول ہے کہ ابوالعباس طوسی امام ابو حنیفہ سے بہت بدظن تھا اور عناد رکھتا تھا، یہ بات امام صاحب کے علم میں بھی تھی ایک مرتبہ امام صاحب خلیفہ منصور کے یہاں گئے اس وقت وہاں ایک اژدہام تھا، طوسی نے سوچا کہ بس آج ابو حنیفہ کی خبر لوں گا، یہ طے کرکے امام صاحب کے پاس آیا اور بولا کہ اے ابو حنیفہ یہ مسئلہ بتاؤ کہ امیر المومنین ہم میں سے کسی کو حکم دیتے ہیں کہ اس فلاں شخص کی گردن اُڑا دو اور یہ شخص یہ نہیں جانتا کہ کس بنیاد پر خلیفہ کے پاس گردن اڑا دینے کا جواز ہے ایسی حالت میں شرعاً کیا حکم ہے۔

امام صاحب نے کہا کہ اے ابوالعباس یہ بتاؤ کہ امیر المومنین جو حکم دیتے ہیں وہ حق پر مبنی ہوتے ہیں یا باطل پر، ابوالعباس نے جواب دیا کہ حق پر۔

امام صاحب نے فرمایا کہ بس تمھیں حق نافذ کرتے رہنا چاہیے۔ تمھیں اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔

امام صاحب نے اپنے قریبی لوگوں سے کہا کہ ابوالعباس مجھے لپیٹنا چاہتا تھا مگر اب میں نے ہی اسے جکڑ دیا ہے۔

(۱۱) علی بن عاصم کی روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا، حجام ان کے بال کاٹ رہا تھا امام صاحب نے اس سے فرمایا کہ تو تو ہمیشہ سفید بالوں ہی کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور انہیں ہی پہلے قطع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ تو بھلا ان سفید بالوں میں اضافہ کیوں کرتا ہے۔ حجام نے کہا کہ اضافہ کس طرح کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا، اللہ کے بندے جتنا تو ان بالوں کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے یہ اتنے ہی اور بڑھتے ہیں، سیاہ بالوں کو صاف کرنے کی کوشش کر، تاکہ وہ بڑھیں، گویا امام صاحب نے بڑے عمدہ پیرایے میں مزاح بھی فرمایا اور اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ سفید بالوں کو جتنا زیادہ نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے قدرتاً ان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، ان کو اپنی فطرت پر چھوڑ دیا جائے اور ان کی قطع و برید کا خاص اہتمام نہ کیا جائے تو وہ مناسب اور طبعی رفتار سے بڑھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی ذہانت کے واقعات (۱۲)

(۱۲) یحییٰ بن جعفر کہتے ہیں کہ مجھے ابوحنیفہ نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک بار میں جنگل میں تھا مجھے پانی کی ضرورت تھی ایک دیہاتی مشکیزہ میں پانی

لیے ادھر آیا میں نے اس سے پانی لینا چاہا تو اس نے انکار کر دیا اور قیمتاً دینے کی بات کی آخر ۵ درہم میں میں نے اس سے وہ مشکیزہ لے لیا۔

کچھ دیر بعد میں نے اس دیہاتی سے کہا کہ میرے پاس ستو موجود ہے کچھ رغبت ہو تو کھاؤ، اس نے بہت شوق سے لیا۔ یہ ستو زیتون کے تیل میں چرب کیا گیا تھا اس دیہاتی کو بہت مزیدار لگا اور خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ ستو کا خاصہ ہے کہ اس پر پیاس لگتی ہے۔ لہٰذا اس نے مجھ سے پانی طلب کیا، میں نے بھی قیمت کی بات کی اس نے ایک پیالہ کی خواہش ظاہر کی، میں نے ایک پیالے کے ۵ درہم مانگے آخر کار پیاس سے مجبور ہو کر اس نے ۵ درہم میں اپنے پینے کا پانی لیا اور میرے پاس پھر بھی مشکیزہ کا پانی باقی رہ گیا۔

امام ابو حنیفہ کی معاملہ فہمی اور ذہانت کا ذکر چل رہا تھا تو عبد المحسن بن علی (۱۳) نے بیان کیا کہ کوفے میں ایک آدمی اپنا کچھ مال ایک شخص کے پاس بطور امانت رکھ کر حج کو چلا گیا حج سے واپسی پر اس نے اپنی امانت طلب کی تو اس نے جھوٹی قسمیں کھا کر انکار کر دیا۔

یہ حاجی امام ابو حنیفہ کے پاس آیا امام صاحب نے فرمایا کہ ابھی اس کا کسی اور سے تذکرہ نہ کرو کہ تمھاری امانت دینے سے اس شخص نے انکار کر دیا ہے۔ جس کے پاس یہ مال امانت رکھا گیا تھا اس کی امام صاحب کے یہاں آمد و رفت تھی، ایک روز موقع پا کر امام صاحب نے اس سے تنہائی میں کہا کہ حکومت کے لوگوں نے مجھ سے کچھ ایسے باصلاحیت آدمی کے بارے میں معلومات چاہی ہیں جسے عہدۂ قضا دیا جا سکے (امام صاحب کی معاملہ فہمی، مردم شناسی، اصابت رائے کی بنا پر واقعتاً دربارِ خلافت آپ سے مشورہ لیا کرتا تھا، تو امام صاحب نے اس شخص سے پوچھا کہ (اگر اس منصب کے لیے تمھارے نام کی سفارش کی جائے تو کیسا ہے؟

اس شخص نے پہلے تو تکلفاً انکار کر دیا مگر پھر امام صاحب کے کہنے سننے پر کچھ ہامی بھر لی اور اس امید پر گھر لوٹا کہ اب مجھے قاضی بنایا ہی جانے والا ہے اس کے بعد وہ حاجی جس نے امانت رکھوائی تھی امام صاحبؒ کے پاس آیا تو امام صاحب نے اس سے کہا کہ اب تم جا کر اپنی امانت مانگو اور اس سے کہو کہ میرے خیال میں تمھاری یادداشت ٹھیک نہیں اور مزاج میں بھول زیادہ معلوم ہوتی ہے، ذرا سا یاد کرو کہ فلاں وقت میں نے امانت رکھوائی تھی اور اس کی پہچان یہ ہے۔

امام صاحبؒ کے مشورے کے مطابق حاجی گیا اور اس طرح سے اس سے گفتگو کی جس طرح امام صاحبؒ نے بتایا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے فوراً امانت لاکر اس کے حوالے کر دی اور امام صاحب کو آکر حاجی نے واپسی کی اطلاع دی۔

اب وہ شخص جس کو قضا کی رغبت دلائی گئی تھی امام صاحب سے ملا تو آپ نے فرمایا کہ اس قضا والے معاملے پر غور کرنے سے مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ میرا منشاء تو تمھیں کسی اونچے منصب تک پہنچانا اور ترقی دلانا تھا۔ اب جو عہدۂ قضا زیرِ غور ہے یہ معمولی نوعیت کا ہے اس کے لیے تمھارا نام تجویز کر کے دربار میں بھیجنا ٹھیک نہیں آئندہ جو کوئی اور اچھا عہدہ سامنے آئے گا تو اس وقت تمھارے نام کی سفارش ٹھیک رہے گی۔

ابن الولید کی روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے ایک نوجوان پڑوسی نے جو (۱۴) ان کی مجلس کا حاضر باش تھا، امام سے ذکر کیا کہ میں نے کوفے میں ایک آدمی کے ہاں نکاح کا پیغام بھیجا ہے لیکن وہ مہر میری ہمت سے زیادہ مانگتے ہیں نکاح میں وہیں کرنا چاہتا ہوں کوئی تدبیر بتائیے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ استخارہ کرلو پھر ان کی مانگ پوری کر دو چنانچہ اس نوجوان نے استخارہ کے بعد لڑکی والوں کا مطالبہ منظور کر لیا اور نکاح ہو گیا۔ اب

اس نے آکر امام صاحب سے کہا کہ میں نے سسرال والوں سے یہ بات کہی کہ مقررہ مہر کچھ اس وقت لے لیں، کُل مہر کی ادائیگی فوری طور پر میرے لیے دشوار ہے مگر وہ مانتے نہیں اور کہتے ہیں کہ پورا مہر ادا کرو تب لڑکی کو تمھارے یہاں بھیجیں گے۔

اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ اس کا ایک حیلہ اور تدبیر یہ ہے کہ سردست قرض لے کر مہر ادا کردو، اس طرح تمھاری بیوی تمھارے پاس آجائے گی، میرے نزدیک ان لوگوں کی یہ سختی اور درشتی تمھارے حق میں بالآخر مفید ہوگی۔

اس نوجوان نے امام صاحب کی اس بات پر عمل کیا اور دو جگہ سے قرض لیکر مہر ادا کردیا۔ کچھ رقم امام صاحب سے بھی قرض لی، ادائیگی مہر کے بعد بیوی اسے مل گئی اب امام صاحب نے اسے اگلی تدبیر بتائی کہ تم اب کسی طرح اس کا اظہار کرو کہ تم کہیں کسی طویل سفر پر دور دراز علاقے میں جانے والے ہو اور بیوی کو ہمراہ لے جانا چاہتے ہو تو تمھارے اس قصد اور ارادہ پر کوئی روک لگانے کا حق نہیں رکھتا۔

امام صاحب کی اس تجویز پر اس نے کرایہ پر دو اونٹ لیے اور خراسان کی طرف جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور بیوی کو ساتھ لے جانے کا بھی ذکر کیا، یہ بات جب اس کی سسرال والوں کو معلوم ہوئی تو انھیں بہت فکر اور ملال ہوا اور وہ لوگ فتوے کے لیے امام صاحب کے پاس دوڑے دوڑے آئے، امام صاحب نے فرمایا کہ شرعاً شوہر اپنی بیوی کو ساتھ لے جانے کا حق رکھتا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ اپنی لڑکی کو یوں اپنے سے دور لے جانے کی ہم اجازت نہیں دے سکتے۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ پھر اس کی یہ صورت ہے کہ اس کو کسی طرح راضی کرلو۔ اور جو کچھ تم نے بصورتِ مہر اس سے لیا ہے وہ اسے واپس کردو، یہ بات انکی سمجھ میں آگئی اور اس کو انھوں نے مان لیا۔

تب امام صاحب نے اس نوجوان کو بلایا اور اسے بتایا کہ تمہاری سسرال والے نرم پڑ گئے ہیں اور تمہارے دیے ہوئے مہر کو واپس کر دینے پر تیار ہیں اب وہ شخص ذرا لالچ میں آکر بولا۔ پھر تو میں اس سے بھی زائد کچھ رقم اور وصول کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ امام صاحب نے اب اس نوجوان کی گرفت کی اور کہا زیادہ اکڑ میں نہ آؤ، معاملہ الٹا بھی ہو سکتا ہے یہ بھی تو ممکن ہے کہ تمہاری بیوی کسی کی قرض دار ہو۔ اور برملا اس کا اعتراف کرے تو جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو وہ تمہارے ساتھ نہ جا سکے گی، اب یہ نوجوان سٹپٹایا کہ کہیں امام صاحب جیسے طبّاع اور قانونی آدمی سے یہ ترکیب سسرال والوں کو معلوم ہو گئی تو ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ فوراً کہا کہ سبحان اللہ! پھر تو مجھے ان لوگوں سے کچھ بھی وصول نہ ہو سکے گا، لہٰذا اس نے ادا کردہ مہر واپس لے کر وہیں ٹھہر جانے کا معاہدہ کر لیا اور امام صاحبؒ کی حسن تدبیر سے اس نوجوان کو اور اسکی سسرال والوں کو بیک وقت فائدہ پہنچا۔

امام ابوحنیفہ سے ایک شخص نے ذکر کیا کہ اس نے کسی جگہ مال دفن کیا تھا (۱۵) مگر اب وہ مقام بھول گیا ہے، امام صاحب نے فرمایا کہ یہ کوئی فتوے کی بات تو نہیں جس کا تمہیں کوئی حل بتلاؤں، خیر تم ایک کام کرو، رات کو جا کر نفلوں کی نیت باندھ لو اور صبح تک یہ ہی کام کرتے رہو ان شاء اللہ صبح ہونے تک جگہ یاد آجائے گی۔

اس شخص نے جا کر نفلیں شروع کر دیں ابھی تھوڑی ہی رات گزری تھی اور کچھ ہی نفلیں پڑھی تھیں کہ اسے اپنا دفینہ یاد آگیا، بس وہ نفلیں چھوڑ چھاڑ کر اب مطمئن ہو گیا اور صبح کو جا کر امام صاحب سے عرض کیا کہ دفینہ جس جگہ تھا وہ جگہ مجھے یاد آگئی، امام صاحب نے فرمایا کہ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ شیطان تمہیں نفلوں

نہیں لگنے دے گا اور تمھیں وہ مقام یاد دلا کر اس نیک کام سے روک دے گا۔ اور وہی ہوا، مگر اللہ کے بندے پہلے تو نوافل اپنی غرض سے پڑھنی شروع کی تھیں اب بقیہ رات اگر شکرانے کی نفلیں پڑھ کر گزار دیتے تو کیا ہی اچھی بات تھی۔

لسان المیزان لابن حجر ۷/۱۶ ۱۹۶ ، ۷۰۵ - ھشام بن محمد بن السائب الکلبی ابو المنذر الاخباری النسابۃ العلامۃ روی عن ابیہ

(۱۶) ہشام کلبی کا واقعہ محمد بن ابی سری سے منقول ہے کہ میں نے دو کام ایسے کیے کہ کسی نے نہ کیے ہوں گے، حفظِ قرآن ایسا کیا کہ کسی نے اس طرح نہ کیا ہوگا اور نسیان ایسا ہوا کہ ایسی چوک کسی سے نہ ہوئی ہوگی۔

وہ کہتے تھے کہ میرے چچا حفظ قرآن نہ کرنے پر مجھے بہت ڈانٹا کرتے تھے اور خفا ہوتے ایک دن گھر میں جب وہ مجھ پر برہم ہوئے تو میں نے قسم کھالی کہ اب گھر سے قرآن حفظ کر کے ہی باہر نکلوں گا چنانچہ اس قسم کے نتیجہ میں تین روز کے اندر سارا قرآن میں نے حفظ کر لیا۔

بھول کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز آئینہ اٹھا کر جو دیکھا تو ڈاڑھی حد سے بہت بڑھی ہوئی دیکھی۔ میں نے ایک مشت کے قریب ہاتھ میں ڈاڑھی پکڑی اور زائد بالوں کو قطع کرنا چاہا تو قینچی بجائے نیچے کے، اوپر کے حصے پر چلا دی اور ڈاڑھی اوپر سے کاٹ ڈالی۔

(۱۷) عبداللہ ابن المبارک کا واقعہ ابن حمید سے منقول ہے کہ ان کی مجلس میں ایک شخص کو چھینک آئی مگر اس نے الحمد للہ کہا ہی نہیں اس پر ابن مبارک نے اس سے پوچھا کہ جب چھینک آئے تو چھینکنے والے کو کیا کہنے کا حکم ہے، اس نے کہا الحمد للہ، اس پر انھوں نے فرمایا یرحمک اللہ، گویا حسنِ تدبیر سے چھینک کے بارے میں اسلامی آداب ذہن نشین کرا دیے۔

ابی النضر الکلبی

⁂ ⁂ ⁂

امام ابو یوسفؒ کی خوش طبعی

ایک بار خلیفہ ہارون رشید نے امام ابو یوسف سے پوچھا کہ دو عمدہ قسم کی ٹھنڈائیوں فالودہ اور نوزینہ میں سے آپ کا فیصلہ کس کے حق میں ہوگا، کون سی چیز بہتر ہے، ابو یوسف نے فرمایا۔

"امیر المومنین! عدالت میں جب تک فریقین حاضر نہ ہوں میں کوئی فیصلہ کرنے سے معذور ہوں۔"

خلیفہ ہارون رشید نے فالودہ اور نوزینہ دونوں کی دونوں خادم کو منگوا کر امام ابو یوسف کے سامنے رکھوادیں امام صاحب نے دونوں میں سے چکھنا شروع کیا تو دونوں پیالوں میں سے آدھا کھالیا تو خلیفہ نے سوالیہ نظروں سے انھیں دیکھا تو امام ابو یوسف نے کہا کہ امیر المومنین میں نے اب تک اس طرح جم کر لڑنے والے دو حریف نہیں دیکھے کہ جب میں نے ایک کے حق میں رائے قائم کرنا چاہی تو فوراً دوسرے فریق نے اپنی دلیل پیش کر دی۔

ابو العینا نابینا کی ذہانت

ایک وزیر نے ابو العینا سے ذکر کیا کہ سرکاری کام کی بہت زیادتی ہے تو ابو العینا نے برجستہ کہا کہ خدا کرے وہ دن نہ آئے کہ آپ کام سے بالکل فارغ ہوں۔

کسی نے پوچھا کہ حماد بن زین ابن درہم اور حماد بن مسلمہ بن دینار میں کیا فرق ہے۔ اور ان میں کون بہتر ہے۔ ابو العینا نے جواب دیا کہ ان (۲۰) دونوں میں وہی فرق ہے جو ان کے دادا کے ناموں میں بلحاظ سکہ فرق ہے

ایک کا دادا درہم دوسرے کا دادا دینار تھا۔

وہم کا عجیب علاج (۲۱)

ایک شخص نے ابوالوفا بن عقیل سے مسئلہ معلوم کیا کہ نہر میں غسل کرتے وقت میں دو تین غوطے لگا کر بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ پانی سر تک پہنچ گیا یا نہیں اور میرا غسل پورا بھی ہو گیا؟ اس طرح مجھے اپنی پاکی میں شبہ رہتا ہے بتائیے مجھے کیا کرنا چاہیے۔

ابن عقیل نے کہا، پھر تو تمھیں نماز ترک کر دینی چاہیے۔

اس شخص نے حیرت سے پوچھا کیوں؟ یہ آپ نے کیا بات فرمائی؟

ابن عقیل نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین آدمیوں میں سے کوئی سوال نہ ہوگا اور وہ غیر مکلّف ہیں۔

ایک بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے۔

دوسرے سونے والا جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے۔

تیسرے مجنوں جب تک اسے ہوش نہ آجائے۔

لہٰذا جو آدمی نہر میں دو، دو تین تین غوطے لگا کر بھی یہی سمجھے کہ غسل پورا نہیں ہوا تو وہ پاگل اور مجنوں ہی ہو سکتا ہے۔

(۲۲) ایک فقیہ سے کسی نے پوچھا کہ جب کپڑے اُتار کر میں نہر میں غسل کروں تو اس وقت قبلہ کی طرف توجہ کروں یا نہ کروں، فقیہ نے جواب دیا۔ کہ تم اپنے کپڑوں کی طرف توجہ کرو جو کنارے پر اُتار آئے کہ کہیں انھیں لے کر کوئی بھاگ نہ جائے۔

☆ ☆ ☆

باب ۱۴

عابد و زاہد لوگوں کی ذہانت کے واقعات

(۱) حضرت جنید بغدادیؒ اپنے شیخ حضرت سری سقطی سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ طروس نامی جگہ مجھے دستوں کی شکایت ہوگئی، میری عیادت کے لیے کچھ قاری حضرات آئے مگر اس طرح جم کر بیٹھنے کہ اُٹھنے کا نام ہی نہ لیا، مجھے ان کے اس طرح دیر تک بیٹھنے سے تکلیف ہوئی، وہ عیادت کرنے والے کہنے لگے کہ آپ اللہ سے ہمارے لیے دعا کیجیے، میں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ:

یا اللہ! ہمیں عیادت کے آداب سکھادے۔

(۲) یوسف بن الحسین کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ ذوالنون مصری کو اسم اعظم کا علم ہے، میں اسی شوق میں مصر گیا، سال بھر ان کی خدمت کی، ایکدن عرض کیا کہ:

استاذ محترم میں نے اتنے دنوں آپ کی خدمت کی، میرا حق الخدمت واجب ہے آپ کو اسم اعظم کا علم ہے، میرے بارے میں آپ نے جان لیا ہوگا کہ مجھ سے زیادہ اس چیز کا حق دار اور اہل آپ نے کسی کو نہ پایا ہوگا، میری خواہش ہے کہ آپ اسم اعظم مجھے سکھادیں۔ حضرت ذوالنون مصری میری بات سُن کر خاموش ہوگئے اور کوئی جواب نہیں دیا، اس بات کو چھ ماہ گزرتے ہوں گے کہ ایک دن وہ میرے ہاں اپنے ٹھکانے جیزہ سے سر پوش سے ڈھکا ایک

طباق لے کر آئے جو رومال میں بندھا ہوا تھا وہ طباق مجھے دے کر انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے دوست فسطاط میں ہیں ان سے تم واقف ہو؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ طباق انھیں پہنچانا ہے اسے دے آؤ میں نے وہ طباق لے لیا، اور فسطاط کے طویل راستے پر چل دیا، دل میں خیال آیا کہ حضرت ذوالنون جیسے آدمی نے یہ ہدیہ ایک دوسرے شخص کے پاس بھیجا ہے، بھلا اس میں کیا چیز ہے؟ اسے دیکھنا چاہیے۔ میں اپنی خواہش کو دبا نہ سکا نہر کے پُل پر پہنچا تو بیٹھ کر رومال کھولا اور سرپوش اٹھایا تو اس کے نیچے سے ایک چوہا نکل کر بھاگا یہ بات دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور غصّہ بھی آیا، بھلا ذوالنوں جیسے شخص کو کیا مذاق سُوجھا، اور میرے ساتھ یہ بے ہودہ مذاق کیا کہ چوہے کا ہدیہ میرے ہاتھ بھیجا، میں غصّے میں بھرا ہوا واپس لوٹا۔

حضرت ذوالنون نے مجھے دیکھا تو میرے چہرے سے میری کیفیت سمجھ لی اور فرمایا کہ بے وقوف ہم نے ایک تجربہ کرنا چاہا تھا تو نے چوہے کی امانت میں خیانت کر ڈالی، پھر اسمِ اعظم کی امانت دینے کے لائق تو کہاں ہے چلا اپنے گھر چلا جا، آئندہ میں تجھ سے ملنا بھی پسند نہیں کرتا۔

❊ ❊ ❊

دَولتِ جاوداں ملے، نعمتِ بیکراں ملے
تو جو ذرا سی ڈال دے، مجھ پر نگاہِ سرسری

حضرت ثاقبؒ پوری

باب ۱۵

عرب اور علماءِ عربیت کے بعض حیرتناک واقعات

(۱) علی بن مغیرہ سے منقول ہے کہ نزار بن معد نے مرتے وقت اپنے چار بیٹوں پر اپنا ترکہ تقسیم کیا، اس کے بیٹوں کے نام بالترتیب یہ تھے مضر، ربیعہ، ایاد، انمار۔ اور یہ وصیت کی کہ اگر میری اس تقسیم پر تمھارے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو تو تم شاہِ نجران افعی بن الافعیٰ جرہ کے پاس جاکر فیصلہ کرا لینا اور اس کے فیصلے کے مطابق عمل کرنا۔

چنانچہ جب نزار کا انتقال ہوگیا تو بیٹوں میں تقسیمِ ترکہ میں اختلاف ہوا۔ اس وقت یہ فیصلے کے لیے شاہِ نجران کے پاس چل دیئے۔ راستے میں مُضر کی نظر ایک قطعہ گھاس پر پڑی تو اُس نے کہا کہ یہاں سے جس اونٹ نے گھاس کھائی ہے وہ کانا معلوم ہوتا ہے، اس کے بھائی ربیعہ نے کہا کہ وہ ٹیڑھا بھی چلتا ہے، ایاد بولا کہ اس کی دم بھی کٹی ہوئی دکھائی دیتی ہے، انمار نے کہا کہ وہ بدک کر بھاگا ہے کچھ دور جاکر انھیں ایک شخص ملا اس نے پوچھا کہ میرا اونٹ کھو گیا ہے۔ تم لوگوں نے اسے کہیں دیکھا ہے؟

مُضر نے پوچھا کہ کیا وہ کانا بھی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں کانا ہے۔

ربیعہ نے پُوچھا کیا وہ ترچھا بھی چلتا ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔

ایاد نے پوچھا کیا وہ دُم کٹا بھی ہے؟ اس نے کہا، ہاں۔

انمار نے پوچھا، کیا وہ بدک کر بھاگا ہے؟ اس نے کہا ہاں، خدا کی قسم

میرے اونٹ میں یہ سب باتیں موجود ہیں جو تم نے بتائیں، ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ اونٹ تم نے کس جگہ دیکھا تھا۔

یہ چاروں بھائی قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم نے تمہارا اونٹ بالکل نہیں دیکھا۔ یہ سُن کر وہ ان کے پیچھے پڑ گیا کہ ساری علامتیں تم میرے اونٹ کی صحیح صحیح بتا رہے ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بغیر دیکھے تم یہ علامتیں بتا دو۔ غرض وہ ان سب کے ساتھ شاہِ نجران کے یہاں پہنچا اور شکایت کی کہ میرا اونٹ انہوں نے ہتھیا لیا اور پھر یہ کہہ رہے ہیں کہ انھوں نے دیکھا تک نہیں، جب کہ اس کی ساری صفات ٹھیک ٹھیک انھوں نے مجھ سے بیان کر دی ہیں۔

اعمی شاہِ نجران نے ان بھائیوں سے کہا کہ جب اونٹ تم نے دیکھا نہیں ہے تو اس کی صفات کس طرح تمھیں معلوم ہوئیں۔

مضر نے کہا کہ میری نگاہ ایک گھاس کے قطعہ پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ اونٹ نے ایک طرف کی گھاس چر لی اور ایک طرف کی چھوڑ دی، جس سے میں نے سمجھ لیا کہ اسے ایک آنکھ سے نظر نہیں آتا۔

ربیعہ نے کہا کہ میں نے ایک پاؤں کے نشان صحیح حالت میں نہیں پایا اور باقی نشان صاف تھے جس سے میں سمجھا کہ لنگڑا ہونے کی بنا پر وہ ایک ٹانگ گھسیٹتا ہوا چلتا ہے۔

ایاد نے کہا کہ اس کی مینگنیاں اکٹھی اور گچھے کی شکل میں پڑی ہوئی تھیں جس سے میں یہ سمجھا کہ اس کی دم کٹی ہوئی ہے۔ ورنہ دم ہوتی تو مینگنی کرتے وقت وہ دم ہلاتا تو مینگنیاں ہوا میں اِدھر اُدھر بکھر جاتیں۔

انمار بولا کہ اونٹ نے اس جگہ سے جہاں خوب اچھی گھاس تھی تھوڑا کھایا اور اسے چھوڑ کر وہاں چرنے لگا جہاں معمولی اور کم گھاس تھی اس سے میں نے

یہ سمجھا کہ وہ بدکا ہوا ہے اور اطمینان سے گھاس کھانے کے بجائے یوں ہی مُنہ مارتا پھر رہا ہے۔

افعی شاہِ نجران نے یہ سُنا تو اُونٹ والے سے کہا کہ جا اپنا اونٹ کہیں اور جا کر ڈھونڈھ لے انھوں نے تیرا اونٹ واقعی نہیں دیکھا ہے۔

پھر ان چاروں بھائیوں سے آمد کا مقصد معلوم کیا۔ انھوں نے اپنا تعارف کرایا اور اپنا پورا قصہ سنایا تو افعی بن الافعیٰ نے خوش آمدید کہا اور بولا کہ تعجب ہے کہ تم اتنے ذکی اور فہیم لوگ ہو اور پھر اپنے فیصلے کے لیے میرے پاس آئے ہو۔؟

تاہم ان کی خوب خاطر تواضع کی، عمدہ کھانا تیار کرایا۔ اور حسبِ دستور بہترین شراب پلوائی، کھا پی کر جب وہ لوگ فارغ ہو گئے اور اپنی قیام گاہ پر لیٹ پڑ گئے تو آپس میں بات چیت کرنے لگے۔

مُضر نے یہ بات کہی کہ سچ تو یہ ہے کہ ایسی عمدہ شراب میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں پی، کاش یہ شراب قبر پر لگے ہوئے انگور کی نہ ہوتی۔

ربیعہ نے کہا، میں نے آج تک اتنا لذیذ گوشت نہیں چکھا۔ کاش وہ اس بکری کا نہ ہو جس کی پرورش کتیا کے دودھ سے ہوئی ہے۔

ایاد نے کہا، کہ افعی جیسا بامروت اور شریف آدمی نظر سے نہیں گزرا۔ کیا اچھا ہوتا اگر وہ اسی باپ کا بیٹا ہوتا جس کے نسب سے وہ مشہور ہے۔

انمار نے کہا کہ روٹی بڑی ہی بہترین تھی، کمی یہ معلوم ہوتی ہے کہ آیا کسی حیض والی عورت نے گوندھا ہے۔

ان چاروں کی باتیں افعی کا ایک خادم جوان پر نگراں لگایا گیا تھا سُن رہا تھا۔ اس نے یہ ساری روداد افعی کو جا سنائی۔ اب اس نے تحقیق کی تو اُس نے

تحقیق کی تو اس نے شراب خانے کے منتظم کو بلایا اور پوچھا کہ شراب جو مہمانوں کو پلائی گئی کہاں کی تھی۔

اس نے بتایا کہ ہمارے ذخیرے میں کوئی اور عمدہ شراب موجود نہ تھی۔ بہترین شراب یہی تھی جو اس انگور کے پیڑ سے تیار ہوئی ہے جو آپ کے والد کی قبر پر کھڑا ہے۔

پھر بادشاہ نے گوشت کے متعلق معلومات حاصل کیں تو جس چرواہے سے بکری لی تھی، اس نے بتایا کہ واقعی یہ بکری کُتیا کا دُودھ پینے کی عادی تھی۔ اور یہ سب بکریوں میں موٹی اور تیار بکری تھی اسی لیے اس کو خاص طور پر مہمانوں کے لیے ذبح کیا گیا۔

اب بادشاہ نے آٹے کے بارے میں تحقیق کی کہ کس نے گوندھا ہے، تو معلوم ہوا کہ جس باندی نے آٹا گوندھا وہ واقعی حائضہ تھی۔

پھر آخر میں اپنی ماں کے پاس اپنے نسب کی تحقیق کرنے گیا تو اس کی ماں نے بتایا کہ اس کا خاوند اولاد پیدا کرنے کے لائق نہ تھا اور اس کو اولاد نہ ہونے کا اس کو بہت ملال تھا کہ حکومت بغیر کسی وارث اور جانشین کے رہ جائے گی، اسکو اس کا بھی بڑا ہی فکر تھا۔ اتفاق سے ایک شخص بادشاہ کے یہاں مہمان ہوا تو اس نے یعنی افعی کی ماں نے اس مہمان سے خلوت وصحبت کے ذریعہ نطفہ حاصل کیا اور وہی افعی کی شکل میں تخت کا وارث ہوا۔

ان حالات کی تحقیق سے شاہ نجران حیرت میں پڑ گیا اور اس نگراں کو جس نے مہمان خانے کی بات چیت سے بادشاہ کو آگاہ کیا تھا پھر مہمانوں کے پیچھے لگایا اور اس سے کہا کہ ان چاروں سے ان باتوں کی وجہ اور لِم دریافت کرو۔ چنانچہ اس شخص نے آکر ان چاروں سے کھوج کُرید کی۔ تو مضر نے بتایا۔

شراب قبر والے انگور سے بنی ہوئی اس وجہ سے معلوم ہوئی کہ بالعموم شراب سرور پیدا کرتی ہے اور غم دور کرتی ہے۔ مگر آج جو شراب پی تو اس کی خاصیت اس میں بالکل نہ تھی۔ اس کو پی کر دل پر غم کا بوجھ سا پڑ گیا۔

ربیعہ بولا کہ بکری کے گوشت سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ کُتیا کے دودھ پر پلی ہے کیونکہ مجھے یہ معلوم ہے کہ بھیڑ، بکری جیسے حیوانات کے گوشت کے اوپر چربی لگی ہوتی ہے۔ صرف کُتا ہی ایسا جانور ہے جس کا گوشت اوپر اور چربی نیچے ہوتی ہے۔ اس سے میں نے سمجھ لیا کہ یہ کُتیا کا دودھ پینے والی بکری کا گوشت ہے۔

ایاد نے کہا میں نے بادشاہ کے نسب کا فرق اس طرح محسوس کیا کہ اس نے ہمارے لیے جو کھانا بنوایا اس کا اہتمام تو بہت کیا مگر کھانا کھانے کے لیے دسترخوان پر ہمارے ساتھ نہیں بیٹھا جب کہ اس بادشاہ کا جس کا یہ وارث بنا ہے ایسا معمول نہ تھا بلکہ وہ مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتا تھا۔

انمار نے کہا کہ آٹا حائضہ عورت کا گوندھا ہوا اس طرح معلوم ہوا کہ روٹی توڑتے وقت ٹوٹتی نہ تھی جب کہ عام طور پر روٹی کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ روٹی چمڑے کی طرح سخت تھی۔

اس شخص نے پوری تفصیل سے بادشاہ کو آگاہ کیا تو اس نے کہا کہ یہ تو شیطان معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان سے جلد پیچھا چھڑانا چاہیے۔

افعی نے پھر ان چاروں کو بلوایا ـــــ اور ان کے اختلاف کی روداد سُنی اور ان کے باپ کی وصیت معلوم کی اور باہمی اختلاف کی بابت پوچھا تب بادشاہ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا۔

کہا، جو مال سُرخ خیمہ جیسا ہے وہ مُضر کا ہے لہٰذا اس کے حصہ میں دینار اور سُرخ اُونٹ لگائے، اسی بنا پر مضر کو مضر الحمراء کہا جاتا ہے لگا یعنی سُرخی والا مضر۔

پھر بادشاہ نے کہا:

جو مال سیاہ قبے کی مانند ہے اور شامیانے کی طرح ہے وہ ربیعہ کے حصے میں لگے گا۔ تو سیاہ رنگ کے شکی گھوڑے اس کے ہاتھ لگے اسی وجہ سے اسے ربیعۃ الفرس گھوڑوں والا کہا جانے لگا۔

پھر بادشاہ نے کہا کہ:

جو مال اس باندی کی طرح سفید و سیاہ ہو وہ ایاد کے حصے میں ہے۔ ابلق گھوڑے، بیل اور گائے اس کو دیے گئے۔

آخر میں انمار کے حصے میں درہم اور زمین لگائی گئی، اس فیصلے کو تسلیم کر کے سب لوگ واپس آئے۔

(۲) قیس بن زہیر کا مقولہ ہے کہ:

چار شخص ایسے ہیں جو بہت جلد اُبل پڑتے ہیں۔

ایک غلام جب وہ مالک بن جائے

دوسرے کمینہ شخص جو شکم سیر ہو جائے

تیسرے باندی جب وارث بن جائے

چوتھے بدصورت عورت جب اس کی شادی ہو جائے۔

(۳) شعبی کہتے ہیں کہ عرب کے مشہور پہلوان عمران معدی کرب ایک دن ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار اپنے ایک دشمن قبیلے کی طرف جا نکلے، انھوں نے دیکھا کہ سامنے ایک گھوڑا بندھا ہوا ہے اور نیزہ زمین میں گڑا ہوا ہے اور اس کا مالک ایک گھڑے میں بیٹھا ہوا رفع حاجت میں مشغول ہے۔

عمران بن معدی کرب نے اس کو وہیں سے للکار دی کہ اپنے ہتھیار اٹھا اور سامنے آ، میں تجھے آج ختم کر دوں گا۔ اس شخص نے پوچھا کہ تم کون شخص ہو، اس نے جواب دیا کہ

میں عمران معدی کرب ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ اے آبوثور۔ یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ تم گھوڑے پر سوار ہتھیاروں سے مسلح، اور میں کنویں کے اندر، ہتھیار سے محروم، بات یہ ہے کہ تم عہد کرو کہ جب تک میں اپنے ہتھیار نہ سنبھال لوں اور گھوڑے پر سوار نہ ہو جاؤں تم مجھے نہ مارو گے۔

عمرو بن معدی کرب نے پکا قول و قرار کر لیا تو وہ شخص قضائے حاجت کر کے باہر نکلا اور اپنی تلوار نیام میں کر لی، عمرو بن معدی کرب نے پوچھا کہ کیا بات ہے نہ تم نے ہتھیار سنبھالے اور نہ گھوڑے پر سوار ہوئے؟

اُس نے کہا، نہ میں گھوڑے پر بیٹھوں گا اور نہ تم سے مقابلہ کروں گا۔ ہاں اس کے باوجود اگر تم عہد شکنی کرنا چاہتے ہو تو تمھاری مرضی، یہ داغ عمر بھر کو تمھارے منہ پر لگ جائے گا۔

عمرو بن معدی کرب ہی کا کہنا ہے کہ اس شخص کی اس بات نے مجھے ایسی غیرت دلائی کہ ناچار اسے چھوڑنا پڑا اور میں یوں ہی واپس چلا آیا۔ میں نے اس سے زیادہ چالاک آدمی کوئی نہیں دیکھا۔

ایک دیہاتی کی عجیب و غریب فہانت (۴)

ابراہیم بن المنذر الحزامی سے منقول ہے کہ ایک بدو کسی شہری کے ہاں مہمان ہوا جس کے ہاں بہت سی مرغیاں پل رہی تھیں اور اس میزبان کے اہل و عیال میں اس کی بیوی دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں، اس میزبان کا بیان ہے کہ میں نے ناشتے میں اپنی بیوی سے مرغی تیار کرنے کے لیے کہا۔

ناشتہ کے وقت دسترخوان پر ہم سب گھر والے، بدو مہمان سمیت بیٹھ گئے بھنی ہوئی مرغی مہمان کے سامنے رکھ دی گئی اور اس سے کہا گیا کہ اسے تقسیم کر دو، یہ

بات تھی تو مذاق کی مگر اس نے سچ مچ مرغی کا بٹوارہ کر ڈالا، کہنے لگا کہ بھائی بانٹنے کا صحیح ڈھنگ تو مجھے آتا نہیں، ہاں یہ ہے کہ میں جیسی بھی تقسیم کر دوں آپ لوگ اس کو مان بھی لیں گے ؟ ہم سب نے کہا، ضرور مان لیں گے۔

اب اس نے مرغی کی تقسیم کی تو پہلے اس کا سر الگ کیا اور مجھے دے کر کہا کہ رأس یعنی سر، رئیس یعنی گھر کے مالک کے لیے مناسب ہے۔ پھر مرغی کی دونوں بازوؤں کو الگ الگ کر کے دونوں لڑکوں کو دیئے۔ پھر اس کی رانیں کاٹ کر لڑکیوں کے حصے میں لگائیں پھر اس کا پچھلا حصہ جس کو عجز کہتے ہیں کاٹا اور کاٹ کر میری بیوی کو دیا اور کہا کہ یہ عجوز یعنی بڑھیا کے لیے ہے۔ اب باقی جسم اور دھڑ رہ گیا تو اسے اپنے آگے سرکا کر کہنے لگا کہ زور یعنی دھڑ زائر یعنی مہمان کے لیے موزوں ہے۔ اس طرح اس چالاک بدو نے ساری مرغی ہڑپ کر لی اور زائد و غیر ضروری اجزاء ہمارے حصے میں لگا دیے۔

اگلے دن میں نے بیوی کو مشورہ دیا کہ آج پانچ مرغیاں تیار کرنا چنانچہ صبح کا کھانا کھانے بیٹھے اور مرغیاں دستر خوان پر آئیں تو ہم نے مہمان سے پھر مرغیاں تقسیم کرنے کی فرمائش کی۔

اس نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو میری کل والی تقسیم پسند نہیں آئی، ہم نے کہا ایسی بات نہیں ہے۔ آپ بلا تامل تقسیم کریں، تو کہنے لگا کہ جفت کے مطابق تقسیم کروں یا طاق کا حساب رکھوں۔ ہم نے کہا بہتر یہ ہے کہ طاق کا حساب ہو۔

اس پر اس نے طاق کے مطابق تقسیم شروع کر دی اور بولا اچھا تو، تم، تمہاری بیوی اور تیسری یہ مرغی اس طرح یہ تین ہو گئے۔ لو یہ ایک مرغی پکڑو۔ پھر بولا تمہارے دو بیٹے اور ایک مرغی مل کر تین ہو گئے یہ دوسری مرغی ان کی ہے لو کھاؤ۔

اس کے بعد کہنے لگا کہ تمھاری دو لڑکیاں اور ایک مرغی یہ تین ہو گئے ان کی بھی ایک مرغی لو یہ اس کو کھائیں۔

پھر بولا، میں اور دو مرغیاں تین ہو گئے یہ کہہ کر دو مرغیاں اپنے سامنے رکھ لیں۔

ہم نے جو للچائی ہوئی نظر سے اسے دیکھا تو اکیلا دو مرغیاں لے کر بیٹھ گیا ہے تو کہنے لگا۔

تم شاید میری تقسیم پر راضی نہیں ہو جو طاق کے حساب سے بالکل درست ہے۔ ہم نے کہا کہ اب جفت کے اعتبار سے تقسیم کر دو۔ کہنے لگا کہ اچھا اب میں جفت کے حساب سے تقسیم کیے دیتا ہوں، اب اُس نے پانچوں مرغیاں اکٹھی کر کے پھر سامنے رکھ لیں اور کہنے لگا کہ تم اور تمھارے دونوں بیٹے اور ایک مرغی۔ یہ چار ہو گئے لہٰذا ایک مرغی تمھاری ہوئی، لو اسے پکڑو، اور ایک مرغی ہماری طرف پھینک دی، پھر بولا بڑھیا اور اس کی دونوں لڑکیاں اور ایک مرغی چار ہو گئے ایک مرغی ان کی ہو گئی، لو یہ ایک مرغی۔

پھر کہنے لگا کہ میں اور تین مرغیاں یہ چار عدد ہو گئے۔ اور یہ کہہ کر تینوں مرغیاں اپنے سامنے رکھ لیں اور چٹ کر گیا۔ پھر آسمان کی طرف منہ کر کے کہا:

اے اللہ! تیرا بڑا ہی کرم ہے کہ تو نے مجھے اس تقسیم کی سمجھ بخشی۔

(۵) ایک بدّو کسی سے ملنے گیا، اس کے پاس طباق میں انجیر رکھے تھے۔ اس نے بدّو کو آتا دیکھ کر طباق کو ڈھک دیا، مگر بدّو دیکھ رہا تھا جب وہ آ کر بیٹھ گیا تو اس نے بدّو سے کچھ سُنانے کے لیے کہا:

بدّو نے قرآن پڑھا اور سورہ وَالتِّیْنِ سنائی۔

وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ، اس شخص نے بدّو سے کہا کہ تم نے

وَالتِّین کی سورۃ پڑھی اور وَالتِّین کا لفظ چھوڑ گئے، اس بدّو نے جواب دیا کہ اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تو چادر کے نیچے پہلے ہی موجود ہے۔

(۶) بصرہ کے حاکم کے یہاں ایک عیسائی پیش ہوا۔ اس سے نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ بندار شہر بندار۔ حاکم نے کہا پھر تو تم تین شخص ہو اور جزیہ ایک آدمی کا ادا کرتے ہو۔

(۷) ایک بدّو شہر میں آیا اور جو لوگ اس سے ملے ان کے نام اس نے پوچھے تو ایک نے اپنا نام وثیق بتایا۔ یعنی باندھنے والا، دوسرے نے منیع بتایا یعنی روکنے والا، تیسرے نے ثابت بتایا یعنی جو صحیح وسالم ہو، چوتھے نے شدید بتایا یعنی سخت، ان سب کے نام سُن کر وہ بولا کہ اب میری سمجھ میں آگیا یہ تالے جو بنتے ہیں تمہارے ہی ناموں سے تیار ہوتے ہیں۔

(۸) عباسی خلیفہ مہدی کے سامنے ایک بوڑھی عرب عورت آئی تو اس نے اس سے پوچھا کہ تیرا کس قبیلے سے تعلق ہے۔

اس نے جواب دیا کہ قبیلہ طے سے ہے۔

مہدی نے سوال کیا کہ قبیلہ طے میں حاتم جیسا کوئی اور شخص کیوں نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے؟

بُڑھیا بولی۔ اس کی وجہ وہی ہے جس بنا پر تم جیسا کوئی حکمراں نہیں ہوا۔

مہدی۔ بُڑھیا کے اس برجستہ جواب پر پھڑک اٹھا اور حیرت زدہ رہ گیا، بعد میں اس نے بُڑھیا کو بہت کچھ انعام واکرام دیا۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

باب ۱۶

ذکی لوگوں کے حیلے، اور تدبیریں

محمد بن سعد سے منقول ہے کہ جلولا کے معرکے کے بعد حضرت ابو موسیٰ نے مجوسی سردار ہرمزان اور بارہ افسران کو گرفتار کر کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ یہ لوگ اپنے معمول کے مطابق ریشم کے لباس میں تھے، سونے کا ٹپکا بندھا ہوا اور ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، اسی حالت میں یہ مدینے لائے گئے تمام مسلمان ان کی یہ پُر تکلّف ہیئت دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔

جب فوجی قیدیوں کا یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ مکان پر نہ ملے۔ تلاش کے بعد پتہ چلا کہ مسجد میں ہیں۔ وہاں جا کر دیکھا تو چادر سر کے نیچے رکھے سو رہے تھے ہرمزان نے دیکھا تو پوچھا کہ یہی مسلمانوں کے بادشاہ ہیں، جواب ملا کہ ہاں یہی امیر المومنین ہیں۔

اس نے کہا کیا ان کا کوئی پہرہ دار اور نگراں نہیں ہے لوگوں نے کہا کہ انکا محافظ اللہ ہے۔

حضرت عمرؓ بیدار ہوئے تو ان سے ملے اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا، ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو فوجی قیدی ہونے کی بنا پر ان کے قتل کا فیصلہ کیا گیا۔

ہرمزان نے قتل سے پہلے پانی مانگا اور حضرت عمرؓ سے عہد لیا کہ جبتک وہ پانی نہ پی لے وہ قتل نہیں کیا جائے گا۔

حضرت عمرؓ کے عہد کے بعد ہرمزان نے پانی کا پیالہ پھینک دیا۔

اب حضرت عمرؓ نے قتل کا حکم دیا تو وہ بولا۔

کیا آپ مجھے امان نہیں دے چکے؟

حضرت عمرؓ نے کہا وہ کیسے؟

ہرمزان نے کہا آپ نے پانی پینے سے پہلے قتل نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے اور اب وہ پانی گر چکا ہے جسے پینا ممکن نہ رہا۔ لہٰذا اب قتل بھی واقع نہ ہوگا۔

اس کی بات کی تائید دوسرے صحابہ حضرت زبیرؓ حضرت انسؓ اور حضرت ابوسعیدؓ نے بھی کی۔

چنانچہ حضرت عمرؓ کو قتل کا حکم واپس لینا پڑا۔ اور فرمایا کہ خدا اس سے سمجھے کہ اس شخص نے چالاکی سے امن حاصل کر لیا اور میں اس کی چالاکی سے واقف نہ ہو سکا۔ تاہم ہرمزان اس کے بعد مشرف باسلام ہو گیا۔

مُغیرہ بن شعبہ کو جُل دینے والا نوجوان (۲)

عبدالمالک سے منقول ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کہتے تھے کہ میں نے زندگی میں خاندانِ حارث بن کعب کے ایک لڑکے سے دھوکا کھایا ہے۔

ایک مرتبہ اس خاندان کی ایک عورت کا ذکر تھا۔ کچھ رشتے اور نسبت کی بات تھی کہ اس خاندان کا ایک نوجوان لڑکا موجود تھا۔ اس نے کہا کہ معاملہ کچھ ٹھیک نظر نہیں آتا آپ ذرا جلدی نہ کیجیے۔ میں نے اس کی وجہ معلوم کی تو کہنے لگا کہ میں نے ایک شخص کو اس عورت کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے چنانچہ

اس نوجوان کی بات سے میں ذرا ٹھٹکا مگر کچھ ہی دن بعد معلوم ہوا کہ اس نوجوان لڑکے نے اس عورت سے شادی کرلی تب میں نے اس سے تحقیق حال کے لیے آدمی بھیجا کہ تم نے ایک بار مجھ سے یہ ذکر کیا تھا کہ تم نے کسی کو اس عورت کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے اور اب خود اسی سے نکاح کرلیا۔

اس نے جواب دیا کہ ہاں، ضرور میں نے اس لڑکی کے باپ کو دیکھا تھا کہ وہ شفقت و محبت سے اسے چوم رہا تھا۔

مغیرہ کہتے ہیں کہ یہ جواب سُن کر مجھے رنج ہوا اور اس نوجوان کا یہ دھوکا مجھے اکثر یاد آجاتا ہے۔

(۳) ایک شخص نے کسی قبیلے میں رشتہ بھیجا اور اپنا تعارف یہ کرایا کہ اس کا ذریعۂ معاش چوپایوں کی تجارت ہے چنانچہ اس کا پیغام منظور کرلیا گیا اور اس کا نکاح ہوگیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ وہ شخص بلیوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے اس پر اس کی سُسرال والے لڑ پڑے، قاضی شریح کے یہاں مقدمہ پہنچا تو انہوں نے فیصلہ دیا کہ بلیاں چوپایوں کی تعریف میں شامل ہیں اس لیے اس کا نکاح درست ہے۔

(۴) اصمعی سے منقول ہے کہ والی کوفہ مختار کے زمانے میں محمد بن حنفیہ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا اور مختار کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہلوایا کہ وہ امام مہدی ہونے کے مدعی ہیں مگر مہدی کی پہچان یہ ہے کہ کوئی شخص انھیں بازار میں تلوار مارے گا تو ان پر تلوار اثر نہ کرے گی۔

محمد بن حنفیہ کو مختار کی یہ بات معلوم ہوئی تو سمجھ گئے کہ وہ ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی کرنا چاہتا ہے اور اس کی نیت میں کوئی فتور ہے تو پھر وہ کوفے

نہیں گئے۔

(۵) عاصم احول کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی جگہ پیغام بھیجا۔ لڑکی کے سرپرستوں نے کہا: جب تک وہ تین طلاق نہیں دے دے گا ہم رشتہ منظور نہ کریں گے اس شخص نے جواب دیا میں تین طلاقیں دے چکا تم گواہ رہو۔ چنانچہ اس لڑکی سے اس کا نکاح ہو گیا اور اس کی پہلی بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہی اب اس نئی بیوی کے سرپرستوں نے جھگڑا کیا اور طلاق کا مطالبہ کیا۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے جو لفظ کہے تھے وہ کیا تھے وہ یہ تھے کہ میں تین طلاق دے چکا۔ لوگوں نے تسلیم کیا، تب اس نے کہا کہ میں نے اس سے پہلے فلاں عورت سے شادی کی تھی اسے طلاق دی، پھر فلاں سے کی اسے طلاق دی، پھر فلاں سے کی اسے طلاق دی اس طرح تین طلاقیں واقع ہوئی یا نہیں؟ لوگوں نے کہا درست ہے۔ مگر ہماری مراد تو اس بیوی کو طلاق دینے سے تھی جو اس شادی سے پہلے تمہارے گھر میں موجود تھی، یہ قضیہ فقہاء کے پاس گیا تو سب نے کہا کہ شوہر کی نیت اس بارے میں قابلِ اعتبار ہوگی۔

(۶) غوث بن مسلم النخوی سے منقول ہے کہ عمر بن محمد اور ان کے رفقاء دشمنوں کے علاقے میں گھوم پھر رہے تھے۔ ان لوگوں کو ان کا پتہ چل گیا تو یہ جان بچا کر بھاگے راستے میں انھیں ایک بوڑھا ملا جس کے ساتھ ایک غلام بھی تھا۔ اس سے عمر بن محمد نے کہا کہ ہمیں یہ بتاؤ کہ تم لوگوں نے ہمارے لیے کیا گھات لگائی ہے اور کس جگہ لگا رکھی ہے تم ہمیں صحیح صحیح بتاؤ گے تو ہم تمھیں چھوڑ دیں گے ورنہ تمھاری خیر نہیں۔ اس بوڑھے نے کہا کہ بتانے میں مجھے کوئی تامل نہیں، مگر ڈر یہ ہے کہ اگر میں بتا دوں گا تو یہ غلام سب حال بادشاہ سے جا سنائے گا۔ اور وہ مجھے مار ڈالے گا اس لیے میں اس غلام کا قصہ پاک کیے دیتا ہوں، تو

پھر تمھیں پوری بات بتادوں، تو اس بوڑھے نے غلام کو قتل کر دیا اس کے بعد کہنے لگا کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ مجھے یہ خطرہ تھا کہ اگر میں تمھیں کچھ نہ بتاؤں گا تو یہ غلام ضرور بتادے گا، اب اس کا قصہ پاک ہوگیا، خدا کی قسم میں ایک بات بھی نہ بتاؤں گا گویا بڈھا بہت پکا نکلا۔ تب ہم نے اس خبیث کی گردن ماردی کہ کہیں ہمیں بھی نہ پکڑادے اور دھوکہ دے کر دشمنوں میں نہ پھنسوادے۔

حفظِ قرآن کی ترغیب کا عجیب واقعہ (۷)

حسن بن علی التنسوخی کے والد کی روایت ہے کہ ۳۴۲ھ میں جب وہ حج کیلئے گئے تو انھوں نے مسجدِ حرام میں بہت سارو پیہ اور کپڑے پڑے ہوئے دیکھے انھوں نے لوگوں سے پوچھا یہ قصہ کیا ہے؟ تو انھیں معلوم ہوا کہ ایک صاحب خیر اور فیاض خراسانی شخص علی الزرادنے گزشتہ سال اپنے کسی آدمی کے ہاتھ یہاں بہت سامال اور کپڑے بھیجے تھے اور اس شخص نے یہ کہا تھا کہ جاکر قریش والوں میں یہ اعلان کردو کہ ان میں جو کوئی حافظ قرآن ہوگا اسے بطورِ انعام اتنا مال اور انعام دیا جائے گا مگر اس وقت کوئی قریشی اس کو ایسا نہ ملا جو حافظِ قرآن ہوتا اور یہ انعام حاصل کرتا۔ بس بنی ہاشم کا ایک شخص آیا جس نے حفظ قرآن کے بعد یہ انعام پایا تھا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر اس شخص نے لوگوں سے کہا کہ کیسی غیرت کی بات ہے کہ قریشیوں کی حفظ قرآن سے یہ بے اعتنائی ہے اس لیے اس نے بقیہ مال اور روپیہ لے جاکر اس خراسانی کو واپس دے دیا۔

اب یہ دوسرا سال آیا تو حج کے موقع پر پھر خراسان سے مال اور کپڑے آئے تاکہ حافظوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اب کی مرتبہ یہ حال ہوا کہ قریش کی

ہر شاخ میں سینکڑوں آدمی حافظ ہونے کی حیثیت سے آموجود ہوئے جنھوں نے پچھلے سال کے واقعہ سے سبق سیکھ لیا اور ان میں غیرت پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں حفظِ قرآن کا شوق عام ہوگیا اور اگلے سال انعام لینے کے لیے اتنے حافظ جمع ہوگئے کہ انعام پانے والے بڑھ گئے اور انعام کے طور پر جو کپڑا اور روپیہ آیا تھا وہ سب نمٹ گیا۔ بلکہ بہت سے حافظ باقی رہ گئے جو انعام مانگ رہے تھے، میں نے یہ قصہ سنا تو کہا کہ اس شخص نے قریش والوں کی فضیلت پھر ان میں پیدا کرنے کے لیے کیسی اچھی تدبیر اختیار کی، اللہ اس کی بہترین جزا اس کو عنایت فرمائے۔

(۸) علی بن محسن کی روایت ہے کہ بغداد میں دجلے کے پُل پر دو اندھے مانگا کرتے تھے۔ پُل کے اس سرے پر ایک اندھا کھڑا ہو جاتا اور امیر المومنین حضرت علی رضؓ کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کرتا۔

پُل کے اس سرے پر دوسرا اندھا کھڑا ہو جاتا اور حضرت معاویہ رضؓ کے نام پر بھیک مانگتا۔ بہت سے لوگ وہاں جمع رہتے اور انھیں دیتے رہتے۔

دن بھر وہ اپنی جھولی میں جمع کرتے رہتے اور جب وہاں سے واپس آتے تو دن بھر کی بھیک کو برابر برابر بانٹ لیتے، دونوں نے مانگنے کا عجب حیلہ اختیار کیا تھا۔

(۹) عبدالواحد بن محمد الموصلی کی روایت ہے کہ ایک نوجوان نے بیان کیا کہ جب ناصر الدولہ نے ابو بکر بن رائق کو قتل کرایا تو لوگوں نے موصل میں اس کے گھر کی لوٹ مار شروع کر دی تو میں بھی ایسی لوٹ میں شریک تھا مجھے اس لوٹ میں ہزار دینار کی ایک تھیلی ملی۔ میں نے اسے اٹھا تو لیا مگر یہ ڈر رہا کہ کسی نے دیکھ لیا تو مجھ سے چھین لے گا۔ چنانچہ میں نے گھر کی تلاشی لی تو باورچی خانے میں ایک بڑا دیگچہ نظر آیا جس میں شوربا تھا ایک سالن تھا میں نے یہ ترکیب کی کہ دینار کی تھیلی

اس میں ڈال دی اور دیگچہ اٹھا کر چل پڑا۔ اب جس نے مجھے دیکھا تو سمجھا کہ بھوکا آدمی ہے سالن ہی کا دیگچہ اٹھائے جا رہا ہے، تو پھر کسی نے مجھے نہیں ٹوکا اور میں دیگچے میں دینار لیے صحیح وسالم اپنے گھر میں آ گیا۔

جعلسازی کا ایک واقعہ (۱۰)

قاضی ابوالحسن بن عباس کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک دوست کو بغداد میں کشتیوں کے پُل پر بیٹھے ہوئے دیکھا، ہوا تیز تھی اور اس کی وجہ سے کشتیوں کا یہ پُل بھی ہل رہا تھا مگر میرا وہ دوست اسی حالت میں پُل پر بیٹھا کوئی رُقعہ لکھ رہا تھا میں نے کہا یہ کیا جگہ ہے جو آپ لکھنے بیٹھ گئے، تو وہ بے تکلفی سے بولا میں ایک جعلسازی کا کام کر رہا ہوں۔

رعشہ والے ہاتھ کی ایک تحریر کی ضرورت ہے میں ایسے تو اس طرح کی تحریر لکھ نہیں سکتا، ہلتے ہوئے پُل پر بیٹھ کر لکھنے سے رعشہ والے آدمی کی تحریر لکھنی آسان ہے اس طرح میری تحریر بالکل رعشہ والے آدمی کی تحریر سے ملتی جائیگی

بغداد کا ایک عیّار عابد (۱۱)

ابوالطیّب عبدالمومن سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ بغداد سے ایک بڑا شاطر اور چالاک شخص مع اپنی بیوی کے حمص آیا، یہاں آکر میاں بیوی نے مل کر لوگوں کو لوٹنے اور جھانسہ دینے کی ایک لمبی چوڑی اسکیم تیار کی۔

شوہر نے بیوی سے کہا کہ حمص میں کافی بے وقوف لوگ ہیں۔ میرا جو منصوبہ ہے اس میں تو ہاتھ بٹا۔ وہ بولی کہ میں تو تیرے ساتھ ہوں، وہ شاطر بولا کہ اسکیم یہ ہے کہ تو فلاں جگہ اپنا ٹھکانہ بنا جو عام نظروں سے اوجھل مقام تھا اور میں فلاں

مسجد میں اپنا ٹھیہ بناتا ہوں۔ مگر مجھ سے سال بھر تک کوئی تعلق نہ رکھنا۔ البتہ روزانہ تیرا کام یہ ہوگا تین پاؤ کشمکش اور تین پاؤ بادام تازہ تازہ لاکر اور انھیں کوٹ کر دونوں کو اچھی طرح گوندھ دینا پھر ایک نئی اینٹ لے کر اس پر رکھ دینا اور وہ اینٹ لاکر جامع مسجد کے قریب جو بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں وہاں جو فلاں بیت الخلاء ہے خاموشی سے رکھ جانا، کشمکش اور بادام کی اس مقدار میں کمی بیشی بالکل نہ کرنا۔ لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھیو کہ اس عرصہ میں از خود میرے پاس نہ پھٹکنا۔

بیوی سے قول و قرار لے کر اس نے سانگ بھرا، ایک بڑا اونی جبہ اور عبا لیکر اس کے ساتھ اونی پائجامہ بھی پہنا، سر پر رومال لپیٹا اور جامع مسجد میں آکر اپنی نشست کے طور پر اس ستون کو منتخب کیا جہاں سے لوگوں کی عام طور پر آمد و رفت تھی۔

اس ستون کے پاس اپنا ٹھیہ جما کر دن رات نفلیں پڑھنی شروع کر دیں۔ مکروہ اوقات میں تسبیح پڑھتا رہتا اور باقی وقت میں نماز۔ اور کسی وقت کسی سے بات نہ کرتا اور بہت چوکس و چوکنا رہتا، ایک مدت تک اس نے یہ ہی معمول بنائے رکھا۔

شروع میں تو کسی نے کچھ خیال نہ کیا مگر جب ایک ہی حالت اور ایک ہی شغل میں لوگوں نے اسے دیکھا تو اب عام نظریں ادھر اٹھنے لگیں۔ جو شخص چوبیس گھنٹے اپنی جگہ جما رہتا ہو نہ کسی سے بولتا ہو اور نہ کھاتا ہو اس پر لوگوں کو تعجب اور حیرت ہونی ہی تھی۔

اس عیار نے معمول کر لیا تھا کہ دوپہر کے وقت اپنی جگہ سے اٹھتا اور بیت الخلاء جا کر پیشاب کرتا اور جس طرح کی اینٹ پر اس نے بادام کا حلوا بیوی کو رکھ جانے کی ہدایت کی تھی اس پر رکھا ہوا حلوا کھا آتا جو اپنے رنگ کی وجہ سے دور سے غلاظت کا سا رنگ دکھائی پڑتا اور کسی کی توجہ اس پر نہ ہوتی اور پاخانہ سمجھ کر لوگ پاس سے گزر جاتے، اس معجون سے اسے ایسی قوت اور توانائی حاصل ہوئی کہ

۲۴ گھنٹے بے تکلف عبادت گزاری کی نمائش کرتا رہتا، رات کو چپکے سے موقع پاکر پانی پی لیتا۔

اس کے اس عجیب و غریب طریقۂ عمل سے شہر والے اس کے معتقد ہوگئے اور یہ سمجھ کر کہ یہ شخص بغیر کچھ کھائے پیئے مسلسل عبادت میں مصروف ہیں اسے بہت پہنچا ہوا بزرگ اور ولی ماننے لگے۔ عوام زیارت کے لیے آنے جانے لگے لوگ چاہتے کہ حضرت جی کوئی لفظ منھ سے نکالیں مگر وہ ایک بول تک نہ نکالتے اب مشتاقینِ زیارت کا میلہ لگا رہنے لگا اس کی نشست گاہ کو لوگ چھو چھو کر برکت حاصل کرتے۔ اس جگہ کی مٹی تبرک سمجھ کر لیجاتے بچوں اور بیماروں کو اس کے پاس لے کر آتے تاکہ وہ اپنا بابرکت ہاتھ ان پر پھیر دے اور وہ صحت یاب ہوجائیں۔

جب اس مکار شخص کی بزرگی کا سکہ اچھی طرح بیٹھ گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ اب اس کو اونچے درجے کا ولی و عابد سمجھا جانے لگا اور تقریباً سال بھر گزر گیا تو ایک دن موقع پاکر وہیں بیوی سے بیت الخلاء میں ملا اور اسے پٹی پڑھائی۔ اب جو جمعہ آنے والا ہے اس روز عین جمعہ کی نماز کے وقت آکر مجھ سے الجھ پڑنا اور مجھے خوب مکے تھپڑ مارنا اور یہ الزام لگانا کہ اے دشمنِ خدا، فاسق و فاجر تو بغداد سے یہاں آکر بڑا پرہیزگار بن گیا ہے وہاں میرے بیٹے کو جان سے مار دیا اور یہاں یہ چولا بدل لیا، یہ تیری عبادت وغیرہ سب بے کار جائے گی اسی طرح چیخ چلا کر سب کو اکٹھا کر لینا اور میرا پیچھا نہ چھوڑنا جب لوگ تجھ سے پوچھیں تو ان سے اس طرح اظہار کرنا کہ میں تو اس شخص کی اپنے لڑکے کے قصاص میں جان لینا چاہتی ہوں، لوگوں کا مجمع تجھے گھیر لے گا میں ان کو اس سے منع کروں گا اور تجھے کسی قسم کا نقصان پہنچانے سے روکوں گا پھر سب کے

سامنے اس کا اعتراف کروں گا کہ بے شک میں نے اس کے لڑکے کو جان سے مار دیا تھا۔ لیکن اپنے اس فعل سے توبہ کر کے اور نادم ہو کر یہاں آگیا ہوں اور اللہ سے اپنے اس ظالمانہ قتل پر توبہ کرتا رہتا ہوں۔

اس شخص نے بیوی کو پھر تاکید کی کہ میری اس تقریر کے باوجود تو چپ نہ ہونا اور قصاص کے مطالبے پر قائم رہنا کہ اس قاتل کو بادشاہ کے سامنے لے جانے دو، غرض تیرے اس اصرار پر وہ کہیں گے کہ اچھا تو اپنے بیٹے کی جان کے بدلے مالی معاوضہ جو شریعت نے مقرر کیا ہے وہ لے لے مگر تو مت ماننا جب وہ ایک دیت یعنی ایک قتل کے معاوضے کے بجائے دس دیت یعنی دس قتل کے معاوضۂ مالی تک یا اس سے کم و بیش تک پہنچ جائیں تو ذرا خاموش ہو جانا، اور جب وہ کسی حد پر پہنچ کر رک جائیں اور میری جان بچانے کے لیے وہ زیادہ سے زیادہ عطیے اور مال دینے پر راضی ہو جائیں تو پھر ان کے عطیات کو قبول کر لینا اور سارا مال جمع کر کے اسی روز شہر سے نکل جانا اور بالکل نہ ٹھہرنا اور میں بھی موقع دیکھ کر تجھ سے آملوں گا۔

اس اسکیم کے مطابق آئندہ جمعہ کو اس کی بیوی جمعہ میں پہنچ گئی اور جا کر اس نمائشی عابد کو لپٹ گئی اور وہی سارا ناٹک رچایا جو اس کے شوہر نے اسے پڑھایا تھا۔ اس عورت کے شور و شر پر عام لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو گئے اور اس کے دعوے کو جھٹلانے لگے کہ اے عورت تو پاگل ہوئی ہے یہ شخص سال بھر سے اس جگہ خدا کی عبادت میں مشغول ہے۔

اس کی برکت سے دنیا ٹھہری ہوئی ہے۔ اسی اثنا میں اس شخص نے اشارہ سے لوگوں کو روکا کہ اس عورت کو نہ ستاؤ، خیر لوگ ذرا رُکے، اس نے نماز جلدی جلدی ختم کر کے اپنے کو زمین پر ڈال دیا اور دیر تک زمین پر لوٹ پوٹ

ہوتا رہا، پھر لوگوں کو خطاب کر کے بولا۔

اے لوگو! میں جس وقت سے یہاں آیا ہوں تم نے کوئی لفظ میرے منہ سے نہیں سُنا ہے۔ اس شخص نے آج پہلی بار مخلوق کے سامنے زبان کھولی تھی۔ اس کی بات سننے کو لوگ ٹوٹے پڑتے تھے اور اس کے مقدس کلمات سن کر لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ آخر کو اس کے سوال کے سوال کے جواب میں سب نے کہا کہ ہم نے آج سے پہلے آپ سے کوئی بول نہیں سُنا۔ تیسرے نے کہا کہ یہ عورت جس غلطی کا الزام لگا رہی ہے اس کا ارتکاب کر کے توبہ کرنے کے لیے یہاں آیا ہوں۔ یہ واقعہ ہے کہ میں بہت نقصان اور خسارے میں ہوں اور میں بہت بُرے احوال میں تھا، مجھے اس کا اقرار ہے کہ میں نے اس کے لڑکے کو قتل کیا ہے اب اس گناہ پر مجھے ندامت ہے۔ اور اب بقیہ عمر عبادت کے لیے وقف کر چکا ہوں اور مسلسل اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کر رہا ہوں کہ واپس جاؤں اور اپنے کو اس عورت کے حوالے کر دوں تاکہ یہ اپنے لڑکے کا قصاص مجھ سے لے سکے۔ کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ خدا نے کہیں میری توبہ قبول نہ کی ہو لیکن میں اپنی توبہ کی قبولیت کی برابر دعا کرتا رہا ہوں اور یہ کہ وہ اس عورت کو مجھ پر قابو دے دے، آج میری دعا قبول ہو گئی کہ یہ عورت یہاں پہونچ گئی اور اب قصاص کا مطالبہ کر رہی ہے۔ تو ٹھیک ہے تم لوگ اسے قصاص لینے سے نہ روکو، بس تم خدا کے سپرد اور میں اسے ساتھ چلا۔

اس شخص کی اس تقریر پر ایک ماتم بپا ہو گیا مجمع میں جو با اثر اور ممتاز لوگ تھے انہوں نے یہ حالت دیکھ کر سب سے کہا کہ تمھیں اس مسئلہ کا حل نکالنا چاہیے، ایسے آدمی کی جان بچانے کی تدبیر سوچو، ذرا اس عورت کو سمجھا بجھا کر

راستے پر لاؤ اور اس پر آمادہ کرو کہ وہ ان بزرگ کی جان لینے کے بجائے دیت اور مالی معاوضہ قبول کرلے، جسے ہم سب لوگ اجتماعی طور پر جمع کرکے ادا کردیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے اس سے دیت کے لیے کہا تو وہ اکڑ گئی کہ میں تو دیت نہیں لیتی۔ لوگوں نے ایک جان کے بجائے دو جان کی دیت دینے کو کہا، وہ پھر بھی نہ مانی کہنے لگی کہ میرے بچے کے ایک بال کے عوض ایک ہزار دیت ادا کرو، بات اسی طرح چلتی رہی، اقرار و انکار کے ساتھ بات دس جانوں کا مالی معاوضہ دس دیت ادا کرنے پر ٹھہری، عورت نے کہا کہ اچھا تم میرے سامنے یہ سب مال جمع کرکے رکھو، اسے دیکھنے کے بعد اگر میرا دل اس پر مائل ہوا تو خیر ورنہ میں تو قاتل کی جان ہی لوں گی۔

لوگوں نے اس عورت کو ذرا نرم پڑتے دیکھا تو دھڑا دھڑ مال اس کے سامنے جمع کرنے لگے حتیٰ کہ ایک لاکھ درم اکھٹے ہوگئے اس پر بھی وہ راضی نہ ہوئی تو اب لوگوں نے قیمتی کپڑے انگوٹھیاں اور عورتوں نے اپنے زیور نکال نکال کر اس کے سامنے پھینک دیے، تب جاکر وہ راضی ہوئی اور یہ سارا سامان گٹھڑ بنا کر مسجد سے چلتی بنی۔

اس قصے کے چند روز بعد تک اس عیار نے مسجد میں قیام کیا اور جب اسے یہ اندازہ ہوگیا کہ اس کی بیوی حمص سے کافی دور نکل گئی ہوگی تو پھر ایک روز موقع پاکر رات کے وقت وہ بھی فرار ہوگیا، بعد میں لوگوں نے تلاش کیا کچھ پتہ نہ چل سکا ایک عرصہ بعد لوگوں پر یہ حقیقت کھلی کہ یہ لوٹنے اور کھانے کمانے کا سارا دھندا تھا۔

ابو دلامہ شاعر کا خلیفہ مہدی سے حسنِ طلب (۱۲)

ابو دلامہ نے ایک مرتبہ مہدی کی شان میں قصیدہ پڑھا، مہدی نے خوش

۱-۱ ابو عبداللہ محمد المہدی بن منصور (126ھ-169ھ/785ء) بحث نمبر 775=158

ہو کر کہا، مانگو کیا مانگتے ہو؟۔

ابو دلامہ نے عرض کیا حضور! ایک کتا عنایت ہو۔

مہدی کو بہت تاؤ آیا اور غصے سے بولا ہم تمھاری ضرورت پوری کرنا چاہتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ کتا عنایت کیا جائے۔

ابو دلامہ نے جواب دیا کہ امیر المومنیں، ضرورت یا حاجت میری ہے یا آپ کی۔؟

مہدی نے کہا حاجت مند تو تم ہی ہو۔

ابو دلامہ نے کہا کہ بس تو میری درخواست جس چیز کی ہے وہ مجھے عنایت کردی جائے میں ایک عدد شکاری کتا چاہتا ہوں

مہدی نے اشارہ کیا کہ دیا جائے۔

ابو دلامہ نے عرض کیا! امیر المومنین، جب اس کتے کو لے کر شکار کیلیے نکلوں گا تو کیا میں اس کے ساتھ ساتھ دوڑ سکوں گا؟

اس پر مہدی نے حکم جاری کیا کہ ابو دلامہ کو ایک گھوڑا دے دیا جائے

گھوڑے کی منظوری کے بعد ابو دلامہ نے پوچھا کہ امیر المومنین! اس گھوڑے کی خدمت کس طرح ہوگی اور کون کرے گا؟

مہدی نے ایک غلام بھی بخش دیا۔

ابو دلامہ نے عرض کیا کہ امیر المومنین! شکار کر کے گھر میں لاؤں گا تو اس شکار کو پکائے گا کون؟ مہدی نے اس پر ایک کنیز بھی دے دی۔

ابو دلامہ نے اب عرض کیا کہ امیر المومنین! ان سب کے رہنے کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ اس پر مہدی نے ایک مکان بھی عنایت کر دیا۔

اب ابو دلامہ نے کہا کہ امیر المومنین! میرے سر پر تو ایک اچھے خاصے

کنبے کا بار ہوگیا، یہ سب کھائیں گے کہاں سے ؟

مہدی نے ایک ہزار جریب عامر یعنی زرخیز زمین اور اتنی ہی غابر یعنی بنجر زمین کا پروانہ جاری کر دیا۔ fertile

ابو دلامہ نے کہا، امیر المومنین! عامر زمین کا مطلب تو میں سمجھتا ہوں مگر غابر کس زمین کو کہتے ہیں ؟

futile مہدی نے کہا کہ ایسی زمین جس میں کچھ پیداوار نہ ہو، اس پر ابو دلامہ بولا، حضور پھر تو میں آپ کو جنگل کی ایسی ایک لاکھ جریب زمین بخشتا ہوں اور میں تو ایسی دو ہزار جریب کے بجائے صرف ایک جریب زمین چاہتا ہوں۔

مہدی نے پوچھا کہاں سے لینا چاہتے ہو ؟

ابو دلامہ نے کہا کہ بیت المال سے، مہدی نے کہا کہ اچھا تو وہاں سے خزانہ دوسری جگہ بھیج دیا جائے اور اس میں سے ایک جریب ابو دلامہ کو دے دی جائے

ابو دلامہ نے کہا امیر المومنین! جب وہاں سے مال اور خزانہ دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا تو وہ زمین عامر یعنی زرخیز کے بجائے غابر یعنی بنجر ہو جائے گی۔ میں اسے لے کر کیا کروں گا۔

اور اس پر مہدی کو بہت ہنسی آئی اور ابو دلامہ کو بہت سا انعام دے کر خوش کر دیا۔

ضمرہ بن شوریب سے منقول ہے کہ ایک شخص نے اپنی باندی کے ساتھ بیوی (۱۳) کی آنکھ بچا کر شب کی پچھلی رات اٹھ کر بیوی سے اور باندی سے کہا کہ آج کی رات حضرت مریم غسل کیا کرتی تھیں، تم سب لوگ اس سنت پر عمل کرنے کے لیے غسل کرو۔ اس حیلے سے اس نے خود بھی غسل کر لیا، باندی کو بھی غسل کرا دیا اور بیوی کو اس بات کا پتہ نہ چلنے دیا کہ یہ غسل غسل مسنون نہیں بلکہ غسل واجب تھا۔

حافظ کی روایت ہے کہ ایک شخص فرضی طور پر داڑھ کا درد جھاڑا کرتا تھا (۱۴) اور لوگوں سے پیسے اینٹھتا تھا اس کا طریقہ یہ تھا کہ درد والے شخص سے کہہ دیتا کہ درد تو میں نے جھاڑ دیا مگر اس کا خیال رکھنا کہ رات کو بندر کا خیال نہ آنے پائے۔ داڑھ کا درد بڑا ظالم ہوتا ہے، تھوڑی بہت تکلیف تو خود بخود کچھ دیر کے بعد رک جاتی مگر جس کو زیادہ تکلیف ہوتی اور رات بھر وہ درد سے تڑپتا جس کی صبح کو آکر اس سے شکایت کرتا تو یہ شخص اس سے کہتا کہ میری جھاڑ تو ٹھیک تھی مگر رات کو تم نے بندر کا دھیان کیوں آنے دیا اس سے درد بڑھ گیا ورنہ درد تو لوٹنے والا نہ تھا۔

ایک جُرم کو چھُپانے کا زبردست حیلہ

(۱۵) روایت ہے کہ عقبہ ازدی کسی لڑکی کا جن اتارنے کے لیے گئے اس کے گھر والے اسے اس کے شوہر کے یہاں بھیجنا چاہتے تھے مگر اس وقت اس کو دورہ پڑ گیا اور گھر والوں نے یہ محسوس کیا کہ اس پر کسی جن آسیب کا اثر ہو گیا عقبہ نے لڑکی کو مُردوں کی طرح پڑا ہوا دیکھا تو گھر والوں سے کہا کہ آپ سب لوگ کچھ دیر کے لیے ہٹ جائیں اور مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔

جب سب گھر والے باہر نکل گئے تو عقبہ نے اس لڑکی سے کہا کہ جو بات تیرے دل میں ہے وہ سچ سچ بتا دے۔ بس تیرے مقصد کو پورا کرنا میرا کام ہے اس پر وہ بولی کہ میرا ایک شخص سے تعلق رہا ہے۔ اب یہ گھر والے مجھے شوہر کے پاس بھیج رہے ہیں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ اب وہاں یہ بھید کھلے گا کہ میں کنواری نہیں ہوں، تو تم کسی تدبیر سے مجھے اس رسوائی سے محفوظ رکھ سکتے ہو؟

عقبہ نے اسے تسلی دی کہ فکر نہ کر مجھے اس کی تدبیر معلوم ہے۔

کچھ دیر بعد عقبہ نے لڑکی کے گھر والوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ اس لڑکی کا جن اس پر تیار ہو گیا کہ وہ چلا جائے گا اب یہ تمھاری رائے پر منحصر ہے کہ جن لڑکی کے بدن سے کس طرح نکلوانا چاہتے تھے کیوں کہ وہ جسم کے جس حصّہ سے نکلے گا وہ حصّہ یقیناً بے کار ہو جائے گا، اگر آنکھوں کے راستے نکلا تو بینائی جاتی رہے گی منہ سے نکلا تو یہ گونگی ہو جائے گی، کان سے نکلا تو بہری ہو جائے گی، ہاتھ سے نکلا تو ہاتھ ہمیشہ کے لیے بے کار ہو کر رہ جائے گا۔ پاؤں سے نکلا تو یہ لنگڑی ہو جائے گی اور اگر پیشاب کے راستے نکلا تو کنوارہ پن جاتا رہے گا۔

یہ سن کر لڑکی کے متعلقین نے سوچا کہ ان سب میں کم نقصان اور عیب کی شکل میں ظاہر نہ ہونے والی چیز یہی ہے کہ جن پیشاب گاہ سے نکل جائے، لہٰذا اس کو ہلکا جان کر انھوں نے عقبہ سے یہی فرمائش کی کہ جن کو پیشاب کے راستے نکال دیں۔

عقبہ نے نمائشی طور کچھ جھاڑ پھونک کر انھیں اطمینان دلایا کہ جن اسی راستے باہر نکل گیا، اس کے بعد لڑکی اپنے شوہر کے پاس بڑے اطمینان سے چلی گئی۔

(۱۵) احنف ابن قیس کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے ان کے منہ پر ایک تھپڑ مارا، انھوں نے پوچھا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی۔ اس نے بتایا کہ اس کام کے لیے مجھے پیسے دیے گئے ہیں کہ بنی تمیم کے سردار کو تھپڑ مار آؤں، احنف نے کہا کہ واہ تم نے پھر کیا بہادری کی سردار بنی تمیم تو وہ ہے جس کا نام حارثہ بن خدامہ ہے تمھیں اس کو تھپڑ مارنا چاہیے تھا، یہ سُن کر وہ آدمی باہر نکلا اور جا کر حارثہ کے تھپڑ مار آیا، حارثہ نے بگڑ کر اس شخص کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ احنف کا مقصد پورا ہو گیا کہ جس ہاتھ نے انھیں تھپڑ لگایا تھا وہی قلم ہو گیا۔

❊ ❊ ❊

ابوالجرخشاب سے منقول ہے کہ ایک شخص جاہل آدمی جو کپڑے بننے کا کام کرتا تھا کسی حکیم کے مطب سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ مریضوں کے لیے مختلف دوائیں تجویز کر رہے ہیں کسی کو عرق دے رہے ہیں کسی کو تمر ہندی کا پانی بتا رہے ہیں کسی کو کچھ اور دے رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کے منہ میں بھی پانی بھر آیا کہ یہ پیشہ تو بہت اچھا ہے۔ بھلا اسے اختیار کرنا کیا مشکل ہے۔

فوراً گھر آکر بیوی سے فرمائش کی کہ میرے لیے ایک لمبا چوڑا صافہ اور پگڑی تیار کر دے وہ بولی کہ کیا ارادے ہیں۔ اس نے کہا کہ بس میں نے طے کر لیا کہ اب میں حکیم بنوں گا، اس نے کہا کیا غضب کرتے ہو، تم لوگوں کی جان لے کر رہو گے۔ اور پھر تمھیں پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا، مگر اس نے کہا کہ تمھیں اس میں کیا دخل ہے۔ مجھے تو یہ کام کرنا ہی ہے۔

آخر کار بڑا سا صافہ باندھ کر حکمت شروع کر دی اور مطب میں بیٹھ کر مریضوں کو دیکھنے لگا۔ الٹی سیدھی دوائیں تجویز کرتا مگر قسمت سیدھی تھی کہ پیسے خوب کمانے لگا۔

بیوی سے کہا کہ میں یوں ہی ایک گولی بنا لیتا ہوں اور ہر ایک مریض کو وہی دیتا ہوں، بیوی بولی خدا کے بندے یہ کام چھوڑ دے۔

وہ بولا کہ اب تو اس کام میں مزہ آیا ہے کس طرح چھوڑ دوں یہ اتنے پیسے اسی کی بدولت کمائے ہیں۔

اگلے دن ایسا اتفاق ہوا کہ اس کے مطب کے سامنے سے ایک باندی گزری اور اس نے نئے حکیم کے ٹھاٹ باٹ دیکھے تو جا کر اپنی مالکہ سے کہا کہ آپ کتنے دن سے بیمار چل رہی ہیں کچھ آرام نہیں ہوا۔ میرے خیال میں آپ اس نئے طبیب کو دکھائیں اور اس کا علاج کرائیں، اس کی مالکہ عورت کی سمجھ میں بات

آگئی اور اس سے کہا کہ اچھا کہ حکیم صاحب کو بلا لا۔

باندی جا کر اس نے حکیم کو بلا لائی اور اس مریضہ کی صورتِ حال یہ تھی کہ بیماری تو باقی نہیں رہی تھی البتہ طویل بیماری کی وجہ سے کمزوری اور نقاہت بہت تھی جس کو وہ لوگ مرض ہی سمجھ رہے تھے اس حکیم نے آکر دیکھا تو اتنی بات سمجھ لی اور تجویز کیا کہ اس کے لیے مرغی بھون کر لائی جائے۔

چنانچہ مرغی بھونی گئی اور حکیم نے مریضہ کو کھلوائی، مرغی کھاتے ہی اس کی آنکھیں کھل گئیں اور ضعف ختم ہوتا دکھائی دیا تو خوب باتیں کرنے لگیں۔ غرض اس کو دو چار مرغیاں کھا کر صحت ہو گئی تو اس بات کی خبر ہوتے ہوتے بادشاہ تک جا پہنچی اس نے اس طبیب کو جا کر ہاتھ دکھلایا اس نے دوا تجویز کی تو یہاں بھی اس کی قسمت سیدھی تھی دوا نے ایسا کام کیا کہ مرض جاتا رہا۔ اسی دوران کچھ لوگ دربار میں پہنچے تو وہ اس حکیم کو پہچانتے تھے انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ حضور! کس جاہل سے علاج کرا رہے ہیں، یہ تو معمولی پیشہ ور آدمی ہے۔ اسے طبابت کا کیا پتہ۔

بادشاہ نے کہا کہ اس کے ہاتھ سے فلاں عورت کو صحت ہوئی اور مجھے آرام ہوا تو میرے تجربے میں تو اس کی تشخیص اور تجویز دونوں درست ہیں، تمہاری بات کیسے مان لوں۔

وہ لوگ کہنے لگے کہ حضور تجربے کے طور پر ہم اس سے طب کے کچھ مسئلے پیش کرتے ہیں اس پر وہ بولا کہ اگر مسئلوں کے جواب میں تمہارے سامنے رکھوں تو تم انھیں کیا سمجھو گے۔ ہاں اگر تجربہ کرنا چاہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ تمہارے یہاں جو بڑا ہسپتال ہے اس میں کتنے ایسے مریض ہیں جو مدت سے اس میں داخل ہیں اور انھیں آرام نہیں ہوا، بس تجربہ ان پر کر لو، میں ان کا علاج کرتا ہوں، گھنٹہ بھر میں اگر اپنے پیروں پر چل کر کے گھروں کو چلے گئے تو میری قابلیت تسلیم کر لینا ورنہ نہیں

جب یہ معاہدہ طے ہوگیا تو یہ حکیم صاحب ہسپتال پہنچے، لوگوں سے کہا کہ تم سب کے سب ہسپتال کے دروازے پر ٹھہرو۔ بس میرے ساتھ صرف ہسپتال کا افسر اعلیٰ رہے گا۔

غرض افسر کو لے کر وہ تن تنہا ہسپتال میں داخل ہوا اور اس کو ڈانٹ پلائی کہ میرے منصوبہ کا اگر تو نے کسی کے سامنے اظہار کر دیا تو بادشاہ سے بغیر پھانسی دلائے نہ چھوڑوں گا، لہٰذا تم اس معاملے میں بالکل خاموش رہنا جیسے میں کہوں تم اس کے مطابق عمل کرتے رہو۔ پھر تمھیں روپوں سے تول دوں گا۔ افسر نے وعدہ کر لیا تو اس کو طلاق کا حلف دلایا، پھر اس سے پوچھا کہ ہسپتال میں تیل تو موجود ہوگا؟ اس نے کہا کہ ہے، چنانچہ بہت سا تیل منگوا کر ایک دیگ میں ڈلوایا اور اس کے نیچے آگ جلوا دی۔ جب تیل خوب پک گیا اور اس میں جوش آگیا تو ہسپتال کے ان مریضوں کو بلوایا جو مفت خوری کی وجہ سے پڑے پڑے ہسپتال میں آرام کر رہے تھے۔

اس طبیب نے ان میں سے ایک مریض کو بلا کر کہا کہ تیرے مرض کا ایک ہی علاج ہے کہ تو اس دیگ میں غوطہ لگا۔

یہ سنتے ہی مریض کا رنگ فق ہوگیا، اس کے اوسان اڑ گئے، حکیم جی نے کہا کہ کچھ بھی ہو تمھیں یہ کرنا ہی پڑے گا، اس پر مریض نے کہا کہ حکیم صاحب خدا کے واسطے مجھے چھٹی دو۔ میرا مرض تو آپ کی بات ہی سے دور ہوگیا بس سر میں معمولی سا درد ہے جس وجہ سے یہاں ہسپتال میں پڑا تھا، یہ تو اپنے آپ ہی چلا جائیگا۔ میں تو سمجھیے کہ بس اچھا ہوگیا۔

حکیم جی بولے کہ پھر جاؤ، ابھی رخصت ہو جاؤ، ہسپتال چھوڑ دو۔ غرض تمام مریضوں سے اس نے اسی طرح کی بات کی اور انھیں ہسپتال سے بھگا دیا۔

اور یہ تاکید کی کہ اگر اس گرم تیل میں ڈبکی سے بچنا چاہے تو باہر جا کر لوگوں سے یہی کہنا کہ مجھے شفا ہوگئی اور میں اچھا ہوگیا۔ اور اس طرح سارے مریض رخصت ہوتے گئے اور لوگوں سے یہی کہتے کہ حکیم جی کے طفیل سے ہم صحت یاب ہوگئے

اس طرح ایک بے پڑھے لکھے جاہل آدمی نے اپنی ذہانت سے لوگوں پر اپنا سکہ جما دیا۔

○ منقول ہے کہ ایک عورت کی کسی سے آشنائی تھی، ایک دن اس کے آشنا نے قسم دے کر اس عورت سے کہا کہ جب تک تو کوئی ایسی تدبیر نہ کرے گی کہ تیرے شوہر کے سامنے تجھ سے صحبت کروں تو تیرے پاس نہ آؤں گا۔

عورت نے کہا کہ اچھا کوئی ایسا حیلہ سوچوں گی، آخر ایک حیلہ اس کے دماغ میں آگیا۔ اس نے ایک دن طے کر کے آشنا کو گھر میں چھپا لیا اور شوہر سے کہا، کہ ہمارے گھر میں یہ کھجور کا جو پیڑ کھڑا ہے اس میں کھجوریں پک رہی ہیں میں اس پر چڑھ کر کھجوریں اپنے ہاتھ سے توڑ توڑ کر کھاؤں گی، شوہر نے کہا کہ تیرا جی چاہے تو ایسا کر لے۔

جب وہ پیڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی تو شوہر کی طرف دیکھا جو نیچے کھڑا تھا وہ چلا کر بولی کہ ارے یہ تو کیا کر رہا ہے۔ میری موجودگی میں دوسری عورت کے ساتھ بدکاری! شرم کر، بہت چیخی اور چلائی نیچے سے شوہر لاکھ قسم کھا کر یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا مگر بیوی پیڑ سے اتر کر بھی جھگڑتی رہی آخر شوہر نے کہا کہ اچھا تو نیچے بیٹھ میں پیڑ پر چڑھتا ہوں، شوہر پیڑ پر چڑھ گیا ادھر بیوی نے اپنے آشنا کو بلا لیا اور شوہر کے روبرو اس سے بدکاری شروع کر دی شوہر نے پیڑ پر سے دیکھا تو بولا کہ

میری جان! تو ملال نہ کر واقعی جو تو نے پیڑ پر سے دیکھا وہی میں بھی دیکھ

دیکھ رہا ہوں۔ جو اس پیڑ پر چڑھے گا اسے یہی نظر آئے گا۔

ابو عبیدہ معمر بن اللیثی سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ فرزدق شاعر ایک مرتبہ (۱۷) فرزدق شاعر ایک بہت خوش رنگ پھولدار چادر اوڑھے ہوئے ایک مکان کے پاس سے گزرا۔ جہاں ایک خوش جمال عورت اپنی باندی کے ساتھ اسے نظر پڑی، فرزدق کھڑا ہو کر اس کے جمال کو دیکھنے لگا، باندی نے فرزدق کی چادر دیکھی تو بولی کیسی عمدہ چادر ہے، فرزدق بولا کہ اگر تیری مالکہ مجھے اپنا بوسہ لینے کی اجازت دے تو میں یہ چادر نذر کر دوں۔

باندی نے مالکہ سے سفارش کی کہ ایسی حسین چادر ایک بوسہ کے عوض کیا بُری ہے۔ اس دیہاتی کو یہاں کون جانتا ہے۔ عورت نے فرزدق کو بوسہ لینے کی اجازت دے دی، اس نے بوسہ لے کر چادر دے دی۔ پھر اس نے باندی سے پینے کے لیے پانی مانگا وہ پانی شیشے کے گلاس میں لائی تو فرزدق نے ہاتھ سے گلاس چھوڑ دیا، جو گر کر ٹوٹ گیا، اس کے بعد وہ دروازے پر بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد اس عورت کا شوہر باہر سے آگیا، اس نے فرزدق کو پہچان لیا، اُسے دروازے پر بیٹھا دیکھ کر پوچھا کہ ابو فراس کیا بات ہے؟ مجھ سے کوئی کام ہے۔؟

فرزدق بولا، کام تو کچھ نہیں، البتہ میں نے پانی پینے کے لیے مانگا تھا، شیشے کا گلاس میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس کے عوض گھر والوں نے میری چادر قبضالی۔ اس شخص نے اندر جا کر بیوی کو بُرا بھلا کہا اور فرزدق کی چادر اسے واپس دلوائی۔

⁂

باب ۱۷

ایسے حیلے جو خود حیلہ کرنیوالوں پر اُلٹ گئے

دُور اندیش خلیفہ، ہوشیار اور خوش قسمت قاصد

ابراہیم کہتے ہیں کہ بڑھاپے میں حضرت معاویہ کو بے خوابی کا مرض لاحق ہوگیا جہاں ذرا آنکھ لگی دمشق کے گرجوں میں بجنے والی گھنٹوں کی آواز انھیں جگا دیتی۔

پریشان ہوکر ایک دن حضرت معاویہؓ نے صبح کے وقت اپنی مجلس میں ذکر کیا کہ اے عربی بہادرو! تم میں کوئی ایسا جان فروش بھی ہے کہ میں اسے جس بات کے لیے کہوں وہ کر دکھائے اس کا انعام تین دیت یعنی ۳۰ اونٹ کی مالیت کے بقدر اسے پہلے دیا جائے گا اور ۲۰ اونٹ کے بقدر اس وقت ملے گا جب وہ کام انجام دے کر آجائے گا۔

یہ سُن کر غسّان قبیلے کا ایک نوجوان کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ امیرالمومنین میں حاضر ہوں، بتائیے کیا خدمت ہے؟

حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ شاہِ روم کے پاس یہ میرا خط لے کر جاؤ، اور دیکھو جب اس کے دربارِ خاص کے کنارے پہنچ جاؤ تو اذان دینا۔

اس نوجوان نے پوچھا کہ پھر کیا کرنا ہے؟

حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ بس اتنا سا کام ہے اور کچھ نہیں۔ اس نے کہا کہ امیرالمومنین اتنی سی خدمت کا معاوضہ آپ نے بہت تجویز کیا ہے، خیر لائیے خط لیکر جاتا ہوں۔

چنانچہ وہ خط لے کر چل دیا۔ جب شاہِ روم کے پاس پہنچا اور اس کے تخت کے سامنے آیا تو کھڑا ہو کر اذان کہنے لگا، پورا دربار سناٹے میں آگیا، شاہی محافظوں نے تلواریں کھینچ لیں، قیصر جلدی سے اٹھ کر اس غسانی نوجوان کے پاس آیا اور اسے اپنی پناہ میں لے کر محافظوں کی زد سے بچایا اور عیسائی امراء کو بہت کچھ سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔ پھر اس نوجوان کو تخت پر اپنے ساتھ لے گیا اور بائیں طرف بٹھا کر اپنے درباریوں کو مخاطب کیا۔ کہ

سنو! حقیقت یہ ہے کہ معاویہ ضعیف ہو گیا اور اسے بے خوابی کی بیماری بھی ہو گئی، دمشق میں ہمارے گرجوں کی گھنٹیوں سے اسکی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس تکلیف کی وجہ سے اس نے اس شخص کو یہاں بھیجا ہے کہ اذان سُن کر ہم اشتعال میں آجائیں اور اس کو قتل کر دیں تو اس بہانے سے وہ دمشق کے گھنٹہ بجانیوالے عیسائیوں کو قتل کرا دے۔ واللہ، ہم معاویہ کا یہ خیال پورا نہ ہونے دیں گے اور اس قاصد کو صحیح وسلامت واپس کریں گے۔

چنانچہ قیصر نے سواری، انعام وخلعت دے کر اسے رخصت کیا۔ جب وہ واپس معاویہؓ کے پاس پہنچا تو اسے دیکھ کر ٹھٹھکے اور بولے۔

اچھا تو صحیح وسلامت لوٹ آیا؟

غسانی نوجوان بولا کہ جی ہاں آگیا، مگر آپ کی مہربانی سے نہیں۔

مورخین نے لکھا ہے کہ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ عہدِ خلافت سے جس طرح کا خلیفہ مسلمانوں میں ہوا اسی طرح کا روم میں عیسائی بادشاہ ہوا ہے، خلیفہ اگر

مدبر اور دور اندیش ہوا تو ویسا ہی محتاط اور سمجھ دار بادشاہ روم میں تخت نشین ہوا چنانچہ عہد فاروقی میں جو قیصر روم تھا اس نے بھی حضرت عمرؓ کی طرح اپنے وقت میں دفاتر قائم کیے اور حفاظتی تدابیر اختیار کیں، ایسے ہی عہد حضرت معاویہؓ انہی جیسا مدبر اور دانا عیسائی بادشاہ حکمراں تھا۔

ایک بگلا بھگت پادری

ایک فوجی نے اپنا واقعہ نقل کیا کہ میں نے شام کی طرف سفر کا قصد کیا، خچر میری سواری تھی۔ اس پر سفر کا توشہ رکھ کر اور کچھ روپیہ پیسہ رکھ کر روانہ ہوا درمیانِ راہ میں ایک جگہ منزل پر پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی چلتے چلتے تھک چکا تھا۔ سورج چھپنے لگا تو سامنے ایک قلعہ دکھائی دیا جس میں ایک گرجا تھا اس کے دروازے پر ایک پادری کو کھڑا دیکھا وہ پادری مجھے دیکھ کر میری طرف آیا اور میرا حال پوچھ کر یہ کہا کہ اب رات ہونے والی ہے بستی تک پہنچنے کا وقت نہیں رہا۔ رات کو یہاں میرے پاس ٹھہرو اور جو کچھ حاضر موجود ہے اسے قبول کرو۔ کل منزل پر روانہ ہو جانا میں نے پادری صاحب کی آؤ بھگت کو غنیمت جانا۔ اور پادری صاحب کے ساتھ گرجے میں جا اترا۔

اندر جا کر پادری کے سوا کوئی دوسرا آدمی نظر نہ پڑا، پھر پادری نے میری سواری کو لے جا کر ایک طرف باندھا، اس کا گھاس چارہ کیا، میرا اسباب ایک کمرے میں لے جا کر رکھا۔ گرم پانی لایا، سردی شدید تھی اور برف گرنے کا زمانہ تھا آگ جلائی اور بہت عمدہ کھانا میرے واسطے لایا، سونے سے پہلے میں نے معلوم کیا کہ بیت الخلاء کدھر ہے اس نے بتایا کہ اوپر ہے، اس کا راستہ مجھے دکھایا میں رفعِ حاجت کے لیے اوپر پہنچا اور پاخانے کے دروازے میں قدم رکھا

تو ایک بڑی سی چٹائی پر نظر پڑی میں نے اس پر جیسے ہی پاؤں رکھا تو دھم سے میدان میں ..... باہر آگرا۔ گویا اس کم بخت نے وہ چٹائی چھت سے باہر اس طرح لٹکائی تھی کہ اس پر ذرا سا بوجھ پڑے تو آدمی فوراً جا گرے۔ میں نے گرنے کے ساتھ ہی شور مچانا شروع کر دیا۔ مگر اس ظالم پادری نے کوئی جواب نہ دیا، خیر مجھے چوٹ تو ضرور آئی مگر کوئی ہڈی وغیرہ نہیں ٹوٹی تھی۔ اس سخت سردی کے عالم میں جب آسمان سے برف باری ہو رہی تھی میں جاڑے سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ آخر برف سے بچاؤ کے لیے قلعہ کے دروازے کی ایک محراب میں کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں اوپر سے ایک بہت وزنی پتھر آکر گرا، اگر مجھ پر گرتا تو پیس کر رکھ دیتا میں وہاں سے نکل کر بھاگا، وہ پادری مجھے گالیاں دیتا رہا جس سے میں نے سمجھ لیا کہ ساری شرارت اسی کی ہے جو مجھے لوٹنے اور جان مارنے کی فکر میں ہے۔

اوپر سے برف گر رہا تھا اور میں کھلے آسمان کے نیچے کھڑا تھا۔ میرا سارا بدن اور کپڑے بھیگ گئے۔ تب میں نے سوچا کہ جان بچانے کی صورت کرنی چاہیے ورنہ صبح تک اکڑ کر مر جاؤں گا۔

اس وقت میرے ذہن میں یہ تدبیر آئی کہ ایک آٹھ دس کیلو کا پتھر ڈھونڈ کر اسے اپنے کندھے پر رکھا اور ادھر سے اُدھر تک میدان کا بھاگتے ہوئے ایک چکر لگایا اور جب تھک گیا اور جسم میں گرمی آگئی تو پتھر اتار کر کچھ دیر کو بیٹھ گیا، پھر سردی نے پریشان کیا تو پھر پتھر اٹھا کر ایک دوڑ لگائی، غرض صبح تک اسی طرح چکر لگا کر سردی اور برف کا علاج کیا۔

سورج نکلنے سے پہلے میں نے قلعہ کی پشت پر گرجا کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی میں نے جو آگے بڑھ کر غور سے دیکھا تو پادری باہر نکلتا دکھائی دیا اس نے مجھے وہاں تلاش کیا۔ جہاں میں رات کو بالاخانے سے نیچے گرا تھا، مجھے وہاں نہ پایا تو بڑبڑاتا

ہوا چلا اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ وہ پاس کی بستی میں مجھے ڈھونڈنے کے لیے جائے گا اور یہ معلوم کرے گا کہ وہاں جا کر میں نے اس کے متعلق لوگوں سے کچھ کہا سنا تو نہیں؟

چنانچہ وہ تو اسی طرف کو چلا اور میں فاصلے سے اس کے پیچھے پیچھے آہستہ سے قلعہ کے دروازے میں داخل ہو گیا اور کواڑ کے اوٹ میں کھڑا ہو گیا، پادری مجھے تلاش کر کے کچھ دیر بعد لوٹ کر آ گیا اور آ کر دروازہ بند کرنے لگا۔ میں ایک طرف چھپا کھڑا ہی تھا، جوں ہی وہ پلٹا اور میری طرف کو اس کی نگاہ اٹھنے ہی والی تھی کہ میں نے اپنی کمر میں لگے ہوئے خنجر کو نکالا اور تیزی کے ساتھ جھپٹ کر اس کو پکڑا اور نیچے گرا کر خنجر اس کے سینے میں بھونک دیا اور اسے ختم کر کے اطمینان کا سانس لیا پھر قلعہ کا دروازہ بند کر کے اوپر گیا، آگ جو پہلے سے سلگ رہی تھی اسے اور لکڑیاں ڈال کر روشن کیا اور بدن کو خوب سینک کر گرم کیا اس کے بعد گیلے کپڑے نکال کر اپنے سامان میں سے دوسرے کپڑے نکال کر پہنے اور پادری کی چادر اوڑھ کر سو گیا، رات کا جاگا ہوا تھا، لمبی تان کر سویا تو عصر تک سوتا رہا آنکھ کھلی تو بھوک لگ رہی تھی، اٹھ کر قلعہ میں گھوما پھرا، باورچی خانے میں گیا تو کھانے پینے کا اچھا خاصا ذخیرہ ملا۔ ڈٹ کر کھانا کھایا تو جان میں جان آئی اور طبیعت بحال ہوئی

وہیں مجھے قلعہ کے کمروں کی تالیاں مل گئیں، اب میں نے بہت سکون کے ساتھ ایک ایک کمرہ کھول کر دیکھا تو وہاں ہر طرح کے سامان کے انبار لگے دیکھے، قیمتی چیزیں، کپڑے اور طرح طرح کے اسباب، سونا اور چاندی، سواریوں کے کجاوے۔ قسم قسم کے آلات، غرض بہت کچھ مال و اسباب بھرا پڑا تھا جس سے میں نے سمجھ لیا کہ یہ پادری ایک قسم کا راہزن تھا جو کسی مسافر کو تنہا ادھر سے گزرتے دیکھتا تو جس طرح میرے ساتھ معاملہ کیا، ایسا ہی معاملہ کرتا ہوگا اور اسے دھوکے سے مار کر اس کے سامان پر قبضہ کر لیتا ہوگا۔

اب میں نے سوچا کہ اس عظیم الشان ذخیرے کو کس طرح یہاں سے منتقل کروں اور اپنے بارے میں ادھر سے گزرنے والوں کو شبہ نہ پیدا ہونے دوں تو یہ تدبیر ذہن میں آئی کہ صبح کو پادری کا لباس پہن لیتا اور اسے پہن کر گرجا کے اوپر جاتا اور چھت پر ٹہلنے لگتا۔ نیچے سے گزرنے والے دور سے دیکھ کر یہی سمجھتے کہ وہی پادری ہے اور جانے والے قریب آتے تو میں پشت کر کے دوسری طرف چلا جاتا، اسی طرح چند روز گزارے، کسی کو پتا نہ چل سکا، اس کے بعد میں نے تلاش کر کے دو خرجیاں نکالیں ان میں بہت سا قیمتی اور نادر سامان بھر لیا پھر پادری کا لباس اتار کر اپنے کپڑے پہن کر اور یہ خرجیاں اپنے خچر پر لاد کر پاس کی بستی میں گیا۔ اور ایک مکان کرایہ پر لے کر اس میں ٹھہر گیا اور موقع بہ موقع اس قلعے کے سامان کو اس مکان میں خچر پر لاد کر منتقل کرتا رہا، چونکہ وہ سامان بہت کچھ تھا اور ہر قسم کا تھا اس لیے خچر پر شروع شروع میں صرف وہی چیزیں منتقل کیں جو اپنے سائز اور وزن کے لحاظ سے تو کم اور مختصر مگر قیمتی اور عمدہ تھیں البتہ وزنی اور بڑی چیزیں وہیں چھوڑ دیں، آخر ایک دن میں نے اس کا بھی بندوبست کیا، بہت سے خچر اور گدھے کرائے پر حاصل کیے اور کچھ مزدور لیے اور یہ سب سامان لاد کر ایک قافلے کے ہمراہ وہاں سے چل پڑا اور یہ مالِ غنیمت لے کر اپنے گھر آ گیا۔

سامان بیش قیمت اور بہت تھا، چنانچہ اسی ہزار درہم و دینار اور اسی قدر نقد کے علاوہ بہت سا نفیس اور بیش قیمت اسباب میرے ہاتھ لگا تھا اور اس میں سے میں نے متعدد قیمتی سامان زمین میں دفن کر چھوڑا تھا جس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔

جان بچانے جان لیوا تدابیر (۳)

علی بن حسین کی روایت ہے کہ ۳۴۰ھ کے بعد کا واقعہ ہے کہ ابو طیب

قلانسی نصرانی کا نوجوان لڑکا جوادیب تھا اتفاقاً کُردوں کی کسی بستی کی طرف گیا۔ کُردوں نے اسے پکڑ کر یرغمال بنا لیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ اگر کچھ رقم تو اپنے رشتہ داروں سے دلوائے تو تجھے چھوڑ دیں گے۔ مگر اس نے زیادہ ہوشیاری برتنا چاہی اور چپکے سے اپنے گھر والوں کو یہ پیغام بھجوایا کہ تم مجھے چار درہم افیون بھیج دو میں اسے پی لوں گا تو مجھ پر سکتہ طاری ہو جائے گا اور یہ کُرد مجھے مُردہ جان کر تمھیں میری لاش واپس لوٹا دیں گے، تم میرے جسم کو حمام میں رکھ کر بدن کی خوب مالش اور رگڑ رگڑائی کرنا اور ایارج کی لکڑی سے منہ میں مسواک بھی کرنا تب میں ہوش میں آ جاؤں گا۔

اس لڑکے کا یہ پیغام اس کے گھر والوں کو ملا تو انھوں نے مطلوبہ افیون بھیج دی اس عیسائی نوجوان نے کھالی تو کردوں نے اسے مردہ سمجھا اور کسی طرح اس کے گھر والوں کے پاس اسے پہنچا دیا، گھر والوں نے اس نوجوان کے لکھنے کے مطابق اسے حمام میں رکھا۔ جسم کی خوب مالش کی بلکہ بہت رگڑا اور ایارج کی مسواک بھی کرائی گئی۔ کئی روز گزر گئے مگر اس کے جسم پر کچھ اثر نہ ہوا، پھر حکیموں کو بلا کر دکھلایا، انھوں نے دیکھ بھال کر کہا کہ یہ تو مر چکا ہے اسے سکتہ وغیرہ کچھ نہیں گھر والوں نے بتایا کہ اس نے افیون کھائی بھی اس لیے سکتہ کا شبہ ہے، اطبّاء نے پوچھا کہ کتنی مقدار میں کھائی تھی متعلقین نے کہا چار درہم، تب حکیموں نے کہا کہ اللہ کے بندو! اب اسے کسی قسم کی مالش اور گرمائی کی ضرورت نہیں۔ اسے جہنم میں بھی ڈال دو، تو بھی زندہ نہ ہوگا کہ چار دانق یعنی ایک درہم افیون کھا کر آدمی مر جاتا ہے اس نے چار درہم کھائی ہے۔

اس بے وقوف لڑکے نے کسی سے سُن رکھا ہوگا کہ کچھ زیادہ افیون کھا لینے سے سکتہ ہو جاتا ہے اور سکتہ کا علاج یہ مالش اور ایارج کی مسواک وغیرہ ہے۔

آخر جب اس کے جسم میں تعفن پیدا ہونے لگا تو رشتے داروں نے نا امید ہو کر اُسے دفن کیا۔

احمق نے جو تدبیر جان بچانے کے لیے کی تھی اس نے اس کی جان لے لی اور اپنی ہی تدبیر اُلٹی ہو گئی۔

آخر ہزار درہم میں خود اپنی موت خریدنے کا قصہ (۴)

اسی طرح کا قصہ حجاج کے دور کا ہے کہ اس نے بلال بن ابی بردہ ابن ابی موسیٰ اشعری کو گرفتار کر کے جیل خانے میں ڈال دیا جہاں انھیں بہت تنگ کیا جاتا جیل کی سختیوں سے تنگ آ کر بلال نے ایک دن جیل خانے کے نگران سے کہا کہ تمھارے ہاں کا قاعدہ ہے کہ جو قیدی مر جاتا ہے حجاج کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے وہ اسکی لاش ورثاء کے سپرد کرنے کا حکم دے دیتا ہے تم بھی میرا نام مردوں کی فہرست میں لکھ کر حجاج سے میری لاش متعلقین کے سپرد کیے جانے کی منظوری لے لو پھر میں کسی دور دراز جگہ چلا جاؤں گا۔ حجاج کو میرا پتہ نہ چلے گا اس کے عوض تمھیں دس ہزار درہم اپنے گھر والوں سے دلوا دوں گا اور اگر تم چاہو تو تم بھی میرے ساتھ نکل چلنا تمھیں روپیہ پیسہ دے کر ہر چیز سے بے نیاز کر دینا میرا ذمہ ہے۔ چنانچہ جیل خانہ کے نگراں نے بلال کے گھر والوں سے دس ہزار درہم لے کر ان کا نام مردوں کی فہرست میں لکھ کر بھیج دیا۔

حجاج بھی بہت جہاں دیدہ تھا اس نے بلال کا نام مردوں کی فہرست میں دیکھ کر کہا کہ یہ شخص خطرناک ہے۔ جب تک میں اس کی لاش کا معائنہ نہ کر لوں اسے اسکے رشتہ داروں کے سپرد کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

جیل کے نگراں نے بلال سے آ کر پوری بات بتلائی اور کہا اب تو اگر میں

تمہاری لاش نہ دکھلاؤں تو میری جان بچنی مشکل ہے بلال نے بہت کچھ اس کی خوشامد کی مگر وہ بھی پھنس گیا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے تمہیں مردہ کی صورت میں حجاج کے سامنے نہ دکھایا تو وہ سمجھ لے گا کہ میں نے تمہیں بھگانے کی سازش کی ہے اور پھر وہ مجھے مار ڈالے گا، مجبوراً یہ کام تو کرنا ہی ہے۔ آخر کو بلال نے آخری وقت سمجھ کر وصیت کی اور جیلر نے ان کا گلہ گھونٹ کر ختم کر دیا۔ لاش لے جا کر حجاج کے سامنے پیش کی اس نے دیکھ کر یقین کر لیا کہ واقعی یہ مرا ہوا ہے، تب حکم دیا لاش متعلقین کو دے دی جائے۔ گویا دس ہزار درہم میں بلال نے اپنی بدقسمتی سے اپنی موت خریدی۔

خلیفہ منصور کا ناکام منصوبہ (۵)

ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ خلیفہ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو خفیہ طور پر رات کے وقت بلایا اور عبداللہ بن علی کو اس کے سپرد کر کے یہ کہا کہ یہ شخص وہ ہے جو میری خلافت بھی چھیننا چاہتا ہے اور تمہارا حق خلافت بھی کہ مہدی کے تم ولی عہد اور خلافت کے حق دار ہو۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور چپکے سے اسے ختم کر ڈالو اور دیکھو کسی کو پتہ نہ چلے اور ہاں اس معاملے میں نرمی و بزدلی ہرگز نہ دکھانا اس کے بعد تحریری طور پر عیسیٰ سے پوچھ بھی لیا کہ میں نے جس چیز کا تمہیں حکم دیا تھا اس پر عمل کیا یا نہیں؟ عیسیٰ نے جواب دیا کہ آپ کا حکم نافذ کر دیا گیا، منصور نے یقین کر لیا کہ اب بلاشبہ عبداللہ بن علی کو عیسیٰ نے قتل کر دیا۔

مگر اس معاملے میں رُخ کچھ اور تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ عیسیٰ کو اس کے مخبر نے اطلاع دی تھی منصور عبداللہ بن علی اور عیسیٰ بن موسیٰ دونوں کو اپنی راہ سے صاف کرنا چاہتا ہے۔ اس کا ایک مرحلہ تو یہ طے کیا گیا کہ اس نے اپنے نزدیک عبداللہ کے قتل کا منصوبہ تو پوشیدہ طور پر آپ کو دیا اور آپ کے ذریعہ انھیں ختم کرا کے

اسے ان کی طرف سے اطمینان ہوگیا۔ اب وہ خاندانِ ہاشمی کو عیسیٰ کے خلاف عبداللہ کے خون کا دعویٰ عدالت میں پیش کرنے پر اکسائے گا، مخبر سے یہ اطلاع ملنے پر عیسیٰ نے اس سے پوچھا کہ پھر تمھاری کیا رائے ہے کہ اس کی ایک ہی صورت سمجھ میں آتی ہے کہ عبداللہ کو اپنے مکان میں چھپا لو اور کسی کو اس کی اطلاع نہ ہونے دو، جب کسی وقت وہ کھلم کھلا تم سے عبداللہ کو طلب کرے تو پیش کر دینا۔

حقیقت یہی تھی جو مخبر نے عیسیٰ کو بتائی تھی چنانچہ کچھ روز کے بعد منصور نے خاندانِ ہاشمی میں سے عبداللہ کے چچازاد بھائی کو اپنے طور پر بھڑکایا کہ وہ کھلم کھلا دربار میں منصور سے عبداللہ بن علی کے بارے میں رہائی کا سوال کرے تو منصور انھیں امید دلائے گا کہ ان کا سوال پورا ہوگا، غرض منصور کی اس تجویز کے مطابق ہاشمیوں کا ایک سربرآوردہ شخص دربار منصور سے عبداللہ کی رہائی کی درخواست کی اس پر منصور نے عیسیٰ کو بلوایا اور کہا کہ ہم نے عبداللہ کو تمھارے حوالے کیا تھا، اب یہ لوگ تمھارے پاس آئے ہیں اور عبداللہ کے بارے میں بات چیت کر رہے ہیں۔ لہٰذا اسے میرے پاس لے کر آؤ، اس پر عیسیٰ نے کہا کہ امیر المومنین کیا آپ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ عبداللہ کی گردن مار دوں، منصور نے کہا نہیں تم جھوٹ کہتے ہو میں نے اسے مارنے کا حکم نہیں دیا، پھر منصور نے ان کے خاندان والوں سے جو عبداللہ کے مدعی تھے کہا کہ عیسیٰ تمھارے سامنے ہے تمھارے عزیز کے قتل کا اقرار کر چکا ہے غلط طور پر الزام میرے سر پر لگایا ہے کہ میں نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ بات بالکل جھوٹ ہے، ان لوگوں نے کہا کہ آپ عیسیٰ کو ہمارے حوالے کیجیے منصور نے کہا تم لوگوں کو اختیار ہے ..... تو بنی ہاشم عیسیٰ کو پکڑ کر میدان میں لے گئے تاکہ عبداللہ بن علی کے عوض قتل کر دیں جب بہت لوگ جمع ہو گئے تو ایک شخص عیسیٰ کی طرف ننگی تلوار لے کر مارنے کو بڑھا، عیسیٰ نے کہا ذرا ٹھہرو، کیا تم مجھے

قتل کرنا چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا ہاں، خدا کی قسم ہم تمھیں مار ڈالیں گے۔ عیسیٰ نے کہا کہ ذرا خلیفہ کے پاس واپس چلے چلو اس کے کہنے پر لوگ اسے خلیفہ منصور کے پاس لائے، عیسیٰ نے منصور سے سوال کیا کہ:

آپ نے علی کے قتل کا حکم دے کر اس سے میرے قتل کرا دینے کا قصد کیا تھا۔ مگر اے ہاشمیو! لو تمھارا چچا عبداللہ بن علی زندہ و سلامت تمھارے سامنے موجود ہے۔

یہ کہہ کر اپنے گھر سے عبداللہ بن علی کو بلوا کر ان کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس طرح منصور کو اس کے منہ پر ہی عیسیٰ نے رسوا کر ڈالا اور اس کا منصوبہ ناکام ہو کر خود اس کے لیے شرمندگی کا باعث بن گیا۔

قیصر کے سامنے قاضی باقلانی کی خوش تدبیری (۶)

حسین بن عثمان کی روایت ہے کہ قاضی ابوبکر باقلانی کو عضد الدولہ نے رومی بادشاہ کے یہاں اپنے قاصد کی حیثیت سے بھیجا وہ جب عیسائیوں کی راجدھانی میں پہنچے تو شاہِ روم کو اطلاع ہوئی کہ عضد الدولہ نے اپنے ایک زبردست عالم و فاضل اور دانشمند کو اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا ہے، تو اس کم بخت کو قاضی صاحب کی حیثیت اور مرتبہ کو مجروح کرنے اور انھیں ذلیل کرنے کی ترکیب سوجھی کہ اپنی شاہی کرسی ایسے مقام پر رکھوائی جہاں پہنچنے کے لیے ایک چھوٹے دروازے سے گزرنا پڑتا تھا اور اس میں جھک کر رکوع کی شکل میں داخل ہونا پڑتا تھا۔ کیوں کہ اس کے آداب دربار میں زمین بوسی ضروری تھی۔ اور قاضی صاحب سے اس بات کی توقع نہ تھی وہ اپنے عقیدے کے خلاف بادشاہ کے سامنے زمین بوس ہوں گے۔ اسی لیے اس نے یہ تدبیر نکالی کہ قاضی صاحب

زمین نہ چومیں گے تو کم از کم سر جھکا کر رکوع کی حالت میں تو مجبوراً داخل ہوں گے ہی۔

چنانچہ قاضی صاحب جب دربار میں پہنچے تو انہوں نے یہ صورتِ حال دیکھی، تو انہوں نے سمجھ لیا کہ بادشاہ کا کیا مفسدانہ ارادہ ہے تو انھوں نے اس دروازے کی جانب پشت کرلی اور دوسری طرف سر جھکا کر پیچھے کو سرکتے ہوئے اندر بڑھے، گویا کہ بادشاہ کی طرف منھ کرنے کے بجائے پیٹھ کرلی دروازے سے نکل کر سر اٹھایا گھوم کر سیدھے کھڑے ہوئے اور بادشاہ کی طرف رُخ کر کے آگے بڑھے اب شاہ روم کی تدبیر خود اس کی تذلیل و توہین کا سبب بن گئی اور اسے پتہ چلا کہ قاضی صاحب کس درجہ عقل مند اور باغیرت ہیں، پھر وہ مرعوب ہوا اور انکا اعزاز کیا۔

ضد کا نتیجہ چڑ

مزینہ قبیلے نے مشہور شاعرِ اسلام حسانؓ کے والد ثابت کو پکڑ لیا اور کہا کہ ہم اس کے بدلے بکروں سے اُوپر اور کوئی چیز فدیے میں قبول نہ کریں گے، اس پر ثابت کے قبیلے کو غصہ آگیا اور وہ بھی ضد میں آکر بولے کہ ہم بکرے نہیں دیں گے۔ لیکن ثابت نے اپنی قوم کو یہ پیغام بھیجا کہ ضد نہ کرو مناسب یہی ہے کہ ان کی مانگ پوری کردو، آخر جب وہ بکرے لے کر آگئے تو ثابت نے اپنے قبیلے والوں سے کہا ان کے بھائیوں کو ان کے حوالے کردو اور مزینہ والوں کو خطاب کیا کہ لو اپنے بھائیوں کو لے لو، بس اسی وقت سے مزینہ قبیلہ "مزینۃ القیس" کہلانے لگا "یعنی بکری والے مُزنیہ" کا لقب سب جگہ ان کی چڑ بن گئی۔

بدخطی کا نادر نمونہ

ابو بکر خطاط کی روایت ہے کہ ایک فقیہ بہت بدخط تھا۔ اس کے خط کی

خرابی مشہور تھی اور دوسرے فقہاء اس کو بدخطی کا طعن دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دنیا میں کسی کا خط تم سے برا نہ ہوگا۔ وہ اس سے بہت چڑتا تھا۔

ایک دن اتفاق سے بازار میں اس فقیہ کو ایک کتاب بکتی نظر آئی انھوں نے اسے دیکھا تو اندازہ ہوا کہ اس کتاب کا خط ان کے خط سے بھی بدتر ہے انھوں نے اچھی خاصی قیمت دے کر اس کو خرید لیا اور اسے لے کر جماعتِ فقہاء کے پاس پہنچے۔

ان میں پھر ان کی بدخطی کا تذکرہ ہوا تو انھوں نے جھٹ سے وہ کتاب آگے کھول کر رکھدی اور کہا کہ لو اسے دیکھو مجھے بدخطی کا طعنہ کیا دیتے ہو مجھ سے زیادہ بدخط موجود ہیں اور تم پر حجت قائم کرنے کے لیے میں نے اس کتاب کو بہت پیسے خرچ کر کے خریدا ہے۔ اب آئندہ نہ کہنا کہ مجھ سے زیادہ کسی کا خط برا نہیں ہے۔

ان فقیہ صاحب کی بات سن کر دوسروں کو خیال ہوا کہ واقعی اگر ان سے زیادہ بدخط ہے تو پھر ان پر اعتراض کا کیا موقع، غرض سب نے کتاب دیکھنی شروع کی تو واقعی بہت ہی بھدا خط تھا۔ لیکن آخر کے صفحات پر نظر پڑی تو ان ہی صاحب کی کسی ابتدائی عہد کی لکھی ہوئی ثابت ہوئی کہ کاتب کی حیثیت سے آخر میں ان ہی کا نام درج تھا۔ تب تو وہ اپنا سا منھ لے کر رہ گئے۔

یا عکسِ عکس کر مجھے اپنے جمال کا
یا پھر مٹے نقوشِ ہنر کو نکھار دے

طارق ابنِ ثاقب

باب ۱۸

اپنی تدابیر اور حیلہ کی بدولت مصیبت سے چھٹکارا پانے کے بعض واقعات

حضرت عمرؓ کے سامنے شاعر کی بدیہہ گوئی (۱)

حضرت عمرؓ نے ایک قریشی کو کوئی خاص کام سپرد کیا تو کسی نے حضرت عمرؓ سے کہا، کہ اس قریشی نے ایک شعر کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "اے دوست ایسی شراب دے جو لذت بخش ہو اور تجھے خدا کی قسم ویسی ہی ذائقہ والی شراب ہشام کو پلا" اس قریشی کو یہ بھنک پڑ گئی کہ کسی نے اس کے شعر کو شکایت کے طور پر حضرت عمرؓ تک پہنچا دیا ہے۔ اس نے اس کے ساتھ ایک اور شعر کہہ کر رکھ لیا، اب حضرت عمرؓ نے اسے طلب کر کے پوچھا کہ تم نے فلاں شعر کہا ہے کیا یہ صحیح ہے۔؟

اس نے کہا کہ حضور میں نے اپنے شعر میں شَرُوبَۃ کا جو لفظ کہا ہے اس سے شراب مراد نہیں ہے، میں نے اس کے ساتھ دوسرا شعر بھی کہا ہے جس سے اس لفظ کا مفہوم متعین ہو جاتا ہے اور اس سے شراب مراد لینا درست نہ ہوگا۔

وہ شعر یہ ہے ؎

عَسَلًا بَارِدًا بِمَاءِ سَحَابٍ
اِنِّیْ لَا اُحِبُّ شُرْبَ المُدَامِ

یعنی ایسا سرد اور ٹھنڈا شہد جو بارش کے پانی میں ملا ہوا ہو کیونکہ میں تو شراب

کو شراب کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا قسمیہ یہ بات ہے، اس نے عرض کیا واللہ! تب حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا تو جاؤ اپنے کام میں لگو۔

ایک چرواہے کا بادشاہ سے مقابلہ (۲)

عبید راویۃ الاعشی سے منقول ہے کہ حیرہ کی زمین بہت شاداب تھی، عرب اس کو اپنی زبان میں "رخسار محبوبہ" کہا کرتے تھے یہاں طرح طرح کے پھول اور پودے تھے۔

بادشاہ نعمان بن منذر جب حیرہ کی سرسبز مقام پر گھومتا ہوا آیا تو اسے یہ جگہ بہت پسند آئی، یہاں ہر قسم کے پھول اور پودے تھے، زعفران اور لالہ کی خاص پیداوار تھی، لالہ کا پیڑ اس کو اتنا بھایا کہ یہ حکم جاری کر دیا کہ جو اس کا پیڑ اکھاڑے گا اس کے بازو اکھاڑ دیے جائیں گے اسی بنا پر لالہ کا نام شقائق النعمان پڑ گیا۔

ایک روز وہ وادیٔ حیرہ کی سیر کو نکلا نجف کی طرف کو چلا تو اپنے لاؤ لشکر کو پیچھے چھوڑ آیا۔ وہاں ایک نشیبی علاقے میں پہنچا تو ایک بوڑھا شخص جوتے گانٹھتا ہوا دکھائی دیا یہ اس کے پاس جا کھڑا ہوا اور پوچھنے لگا کہ بڑے میاں تمہارا کس قبیلے سے تعلق ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بکر بن وائل میرا قبیلہ ہے۔ نعمان نے پوچھا، تو پھر یہاں کس غرض سے آئے ہو؟ بوڑھا بولا کہ نعمان نے سارے چرواہوں کو تتر بتر کر دیا ہے۔ سب ادھر ادھر چلے گئے۔ میں نے اس میدان کو خالی دیکھ کر یہاں ڈیرہ جما لیا،

نعمان نے کہا، تو نعمان سے نہیں ڈرتا بوڑھا بولا کہ میں اس سے کیا ڈرتا، میں نے تو اس کی ماں کی ستر پر ہاتھ پھیرا ہے۔ اور نعمان تو خرگوش کی طرح بھاگا پھرتا تھا۔ نعمان غصے سے لال پیلا ہو گیا اور بھڑک کر بولا۔ بڑے میاں، تیری یہ مجال،

ہے، اب تو نعمان کے منہ سے غصے میں جھاگ آنے لگے، تبھی اس کے سپاہی اور خادم پیچھے پیچھے ڈھونڈتے ہوئے ادھر نکلے اور نعمان کو دیکھ کر کہا کہ حضور سلامت رہیں۔ ہم تو تلاش کرتے کرتے پریشان ہو گئے۔ انھیں دیکھ کر نعمان نے سر سے کپڑا ہٹایا تو شاہی تاج وغیرہ ظاہر ہوا اور پتا چلا کہ یہ بادشاہ ہے، اب نعمان نے اس سے کہا کہ بڈھے تو نے کیا بکواس کی تھی وہ بڈھا اک دم ہوشیار ہو کر سنبھلا اور کہنے لگا کہ تم میری بات کا بالکل خیال نہ کرو۔ واللہ کُل عرب کو معلوم ہے کہ اس خطہ میں مجھ سے زیادہ جھوٹا آدمی کوئی نہیں ہے۔ نعمان نے بوڑھے کی بات سُنی تو ہنستا ہوا چلا گیا۔

ایک یہودی عالم کی حسنِ تدبیر

حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل نے تورات میں تحریف اور تغیر کے بعد اس کا نیا نسخہ تیار کر لیا اور اسی کو کلامِ الٰہی قرار دے کر لوگوں سے اس پر ایمان لانے کا مطالبہ کرنے لگے تو ایک یہودی عالم نے اصل تورات کا ایک ورق لیا جس میں کلامِ الٰہی درج تھا اور اس کو ایک سینگ کھوکھلا کر کے اس میں رکھ لیا اور اسے گلے میں لٹکا کر اوپر سے کپڑے پہن لیے، جب لوگوں نے وہ تحریف شدہ کتاب سامنے رکھ کر اس عالم سے سوال کیا کہ کیا تم اس پر ایمان رکھتے ہو تو اس عالم نے اپنے سینے پر ہاتھ لے جاتے ہوئے اشارہ کیا اور کہا کہ ہاں میرا اسی کتاب پر ایمان ہے۔ اس عالم کا منشا یہ تھا کہ اصل تورات کا جو حصہ گلے میں سینگ کے اندر لٹکا ہوا ہے ان پر اس کا ایمان ہے جب کہ اس کا مقصد ان تحریف کرنے والوں سے پیچھا چھڑانا تھا۔

چنانچہ اس عالم کا انتقال ہو گیا۔ دفن کرنے کے بعد لوگوں نے کسی ضرورت

سے اس کی قبر کو کھولا تو اس میں وہ سینگ ملا اور سینگ کے اندر تورات کا ورق تھا تب انھوں نے سمجھا کہ اس شخص کی ایمان لانے سے کیا مراد تھی۔

جان بچانے کا ایک دل چسپ واقعہ (۴)

اصمعی سے منقول ہے کہ عبدالملک سے بغاوت کرنے والے کچھ لوگ پکڑے گئے تو ان میں جب ایک شخص کے متعلق عبدالملک نے قتل کرنے کا حکم دیا تو اس نے کہا کہ

امیرالمومنین! آپ کا میرے لیے ایسی سزا تجویز فرمانا ٹھیک نہیں۔

عبدالملک نے پوچھا پھر تمھیں کیسی جزا اور بدلہ دیا جائے؟

اس نے عرض کیا کہ امیرالمومنین! واللہ! میں نے جو آپ کے اس مخالف کا ساتھ دیا وہ صرف آپ کی خیرخواہی کے جذبے سے دیا، کیوں کہ میں بہت بدنصیب آدمی ہوں، میں نے جس کا بھی ساتھ دیا اسے ناکامی ہوئی اور دشمن اس پر غالب آیا چنانچہ میرے اس دعوے کی تصدیق آپ کو اسی موقع پر ہوگئی۔ ایک لاکھ آدمی جو آپ کے لشکر میں تھے میں تنہا ایک ان سب کی بہ نسبت آپ کے حق میں بہتر ثابت ہوا کہ دشمن کی طرف جا ملا، اور میری بدولت اسے آپکے مقابلے میں شکست اٹھانا پڑی اس پر عبدالملک کو ہنسی آگئی اور اس کی جان بخشی کردی۔

خلیفہ کو زچ کرنے اور اس کی بیوی سے خراج وصول کرنے والا مصاحب

شبیب ابن سرۃ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ خالد بن صفوان تمیمی نے خلیفہ ابوالعباس سفاح کو تنہا دیکھ کر بات چھیڑی کہ امیرالمومنین جب سے اللہ نے آپ کو خلافت دی میں اس فکر میں تھا کہ آج جیسی تنہائی اور خلوت کا موقع ملے اور میں

آپ سے ایک ضروری بات کروں۔ مناسب ہو تو جب تک میں اپنی بات پوری کروں۔ دروازہ بند کرادیں، سفاح نے دروازہ بند کرنے حاجب کو حکم دیا۔

اب خالد نے کہنا شروع کیا کہ امیر المومنین میں مدت سے آپ کے سوچ میں تھا میرے نزدیک اللہ نے آپ کو بہت کچھ قدرت و وسعت دی ہے عورتوں سے لطف اندوز ہونے کا جیسا موقع اور سہولت آپ کو حاصل ہے کسی کو نہیں۔ مگر اس کے باوجود آپ کی گھریلو زندگی کس قدر محدود اور تنگ ہے کہ بس ایک عورت کے ہو کر رہ گئے حالانکہ دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک عورت موجود ہے مگر آپ نے صرف ایک عورت کو اپنا مالک بنا رکھا ہے اور اسی پر قناعت کر لی ہے۔ اگر وہ بیمار پڑ جائے تو آپ بھی بیمار دکھائی دینے لگیں۔ اگر وہ کسی وقت غیر حاضر اور تنگ دل ہو تو آپ کا حال بھی ایسا ہی ہو اگر وہ کھائے پیے تو آپ بھی کھائیں پئیں۔

امیر المومنین! آپ نے گویا اس ایک عورت کے مقابلے میں اپنے اوپر دوسری عورت کو حرام کر لیا ہے آپ کو ان کے طرح طرح کے احوال کا اور ان سے لذت اندوز ہونے کے جنسی طور طریقوں کا ذرا بھی پتا نہیں ہے۔ بعض ان میں دراز قامت اور اپنی جسمانی صحت کا خیال رکھتی ہیں، کچھ سفید رنگ کی اور بناؤ سنگار کرنے والی ہوتی ہیں۔ بعض سیاہ لب اور گندمی رنگ کی اور بعض بھاری سُرین کی اور زردی مائل ہوتی ہیں۔ مدینہ اور طائف و یمامہ کی عورتیں بہت شیریں زبان اور حاضر جواب ہوتی ہیں۔ اور نہ آپ کو شاہزادیوں کے رنگ ڈھنگ سے کچھ واقفیت ہے نہ یہ معلوم ہے کہ ان کی زیبائش و آرائش کی کیا کیا چیزیں ہیں۔

غرض خالد نے تو خوب لن ترانیاں ہانکیں اور عورتوں کی اقسام اور صفات دیر تک تفصیل سے بیان کرتا رہا اور سفاح کے جنسی جذبات خوب بھڑکائے۔

اس کی پوری تقریر سن کر سفاح بولا کہ اے خانہ خراب! ایسی لچھے دار

دلفریب باتیں میں نے آج تک نہیں سنیں، ذرا ایک بار پھر اپنی تقریر دہرا، خالد نے اب اور نمک مرچ لگا کر اور بھی جذبات انگیز باتیں کیں۔ جب خالد چلا گیا تو سفاح ان کی باتوں میں گم بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ابوالعباس کی بیوی اُم سلمہ آپہنچی اس نے شوہر کو متفکر دیکھا تو بولی۔

امیرالمومنین! کیا بات ہے، کوئی ناگوار چیز پیش آئی ہے یا کوئی تکلیف دہ اطلاع کہیں سے آئی ہے، ابوالعباس نے جواب دیا نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

اُم سلمہ نے کہا کہ پھر چہرے پر یہ فکر کیوں طاری ہے؟

ابوالعباس نے ٹالنا چاہا مگر اُم سلمہ پوچھنے پر مصر رہی آخر ابوالعباس کو خالد کی گفتگو کی سب تفصیل بتانا پڑی کیوں کہ اُم سلمہ اس کی بہت محبوب بیوی تھی۔ اور اس نے یہ قسم کھا رکھی تھی کہ اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے تعلق نہ رکھے گا اور اپنے اس عہد کی اس نے نہایت سختی سے پابندی کی چنانچہ اُم سلمہ نے خالد کی ساری گفتگو شوہر کی زبانی سنی تو اس کو خالد پر بہت طیش آیا اور ابوالعباس سے پوچھا کہ پھر اس حرام زادہ کی باتوں کا آپ نے کیا جواب دیا۔

ابوالعباس بولا کہ وہ تو میری ہمدردی اور دل چسپی کی باتیں کر رہا تھا اور تم اسے بُرا بھلا کہہ رہی ہو۔ اس پر اُم سلمہ غصہ میں بھری اٹھ کر چلی اور حرم میں جا کر اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ خالد کی جا کر پٹائی کریں، ادھر میں ابوالعباس کے پاس سے بہت خوش خوش لوٹا اور دل میں سوچ رہا تھا کہ میں نے جس ڈھب سے خلیفہ سے بات چیت کی ہے اس سے یقیناً وہ بہت متاثر ہوا ہے اور اب انعام ملنے میں کوئی شک نہیں ہے، انہی خیالات میں مگن میں دربار سے باہر نکل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور چلنے ہی والا تھا کہ کچھ آدمی میری طرف کو بڑھے جو مجھے ہی ڈھونڈ

رہے تھے، اب تو مجھے پکا گمان ہوگیا کہ مجھے انعام دیا جانے والا ہے۔ یہ سمجھ کر میں نے کہا کہ جسے آپ ڈھونڈ رہے ہیں وہ میں ہی ہوں۔ بس یہ سنتے ہی ان میں کا ایک شخص لاٹھی اٹھا کر میری طرف کو آیا یہ دیکھتے ہی میں نے گھوڑے کو بھگا دیا۔ وہ بھی میرے پیچھے بھاگا اور میرے قریب آکر لکڑی کو جو گھمایا تو گھوڑے کے پچھلے حصے میں پڑی، میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور روپوش ہوگیا پھر ان پیچھا کرنے والوں کے ہاتھ نہ لگا اور گھر میں جا کر چھپ رہا اور کئی روز تک روپوش رہا۔ میں نے سمجھ لیا کہ ام سلمہ کے نوکر تھے جو میرے پیچھے لگے تھے۔

کچھ دنوں کے بعد جو میں گھر سے نکلا تو پھر مجھے کچھ آدمیوں نے آگھیرا اور کہا کہ امیر المومنین کے پاس چلو۔ اب میں نے جان لیا کہ بس موت سر پر کھڑی ہے اور انا للہ پڑھ کر خلیفہ کے محل کو روانہ ہوگیا اور یہ افسوس کرتا رہا کہ میری طرح کسی کا خون بے کار نہ بہا ہوگا۔

بہر حال خلیفہ کے دربار میں پہنچا تو وہ خلوت میں تھے میں نے جو اس پر نظر ڈالی تو مہین کپڑے کا پردہ پڑا ہوا تھا اور اس کے پیچھے مجھے کچھ آہٹ بھی محسوس ہوئی جس سے مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ ام سلمہ پردہ کے پیچھے موجود ہیں میرے پہنچتے ہی ابو العباس نے کہا کہ تم نے عورتوں کے پہلے جو اوصاف واقسام بیان کی تھیں ان کو ذرا پھر تو دہراؤ۔"

میں نے کہا کہ بہت اچھا۔ تو امیر المومنین! میں نے آپ سے کہا تھا کہ عرب والوں نے سوتن کے لیے جو لفظ گھڑا ہے وہ "ضَرَّتَیْن" ہے جو ضر یعنی نقصان سے نکلا ہے تو بلاشبہ جس کے پاس ایک سے زیادہ عورتیں اور بیویاں ہیں وہ نقصان اٹھائے گا۔

ابو العباس نے کہا کہ نہیں یہ بات تو تم نے نہیں کہی تھی۔

میں نے کہا امیر المومنین! یہ بات بھی آئی تھی اور میں نے یہ بھی کہا کہ تین عورتیں ہانڈی کی طرح دہکتی رہتی ہیں جو یقیناً مرد کے لیے سخت مصیبت کا باعث ہوتی ہیں۔

ابوالعباس نے کہا ارے خالد! اگر یہ بات تجھ سے سنی ہو یا اس کا ذکر اس وقت آیا ہو تو میں رسول اللہ کی قرابت سے محروم ہو جاؤں۔

میں نے ابوالعباس کی بات ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ امیر المومنین میں نے یہ کہا تھا کہ چار بیویاں مرد کے لیے مجموعۂ شر ہوتی ہیں، اسے بہت جلد بوڑھا اور ازکارِ رفتہ بنا دیتی ہیں۔

ابوالعباس نے پھر تردید کی کہ خدا کی قسم میں نے تو یہ بات تجھ سے ہرگز نہیں سُنی تھی۔

میں نے زور دے کر کہا کہ واللہ یہ بات آپ نے ضرور سنی ہے۔

ابوالعباس نے کہا کہ۔ اب تو مجھے جھٹلانے لگا۔

میں نے کہا کہ امیر المومنین کیا آپ کا ارادہ مجھے قتل کرنے کا ہے واللہ! اے امیر المومنین کنواری لونڈیاں تو مَردوں کی طرح ہوتی ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ وہ خصی نہیں ہوتیں اس پر پردے کے پیچھے سے ہنسی کی آواز آئی، میں نے اور جسم کر کہا کہ امیر المومنین! آپ کے پاس تو قریش کی ایک حسین کلی ہے اور پھر آپ دوسری عورتوں کو تاکتے ہیں۔

اب پیچھے سے اُمِّ سلمہ کی آواز آئی، واللہ! تم نے سچی بات کہی۔ تمھاری یہی بات چیت خلیفہ سے ہوئی ہو گی مگر انھوں نے بات بدل دی اور الٹ پلٹ کر تمھاری طرف ایسی ویسی باتیں منسوب کر دیں۔

ابوالعباس نے کہا کہ کم بخت! تو نے کیسی فرضی باتیں گھڑ دیں اور سارا ہی معاملہ الٹ دیا، بس میں تو موقع دیکھتے ہی وہاں سے سرک گیا۔ پھر ام سلمہ نے

مجھے انعام کے طور پر دس ہزار درہم بھجوائے، نیز ایک عمدہ خلعت اور ایک بہترین گھوڑا بھی دیا۔

دو سوکنوں کو خوش کرنے کی تدبیر (۶)

ایوب بن عبابہ نے بنی نوفل بن عبد مناف کے متعلق نقل کیا کہ اتفاق سے کچھ دولت ہاتھ لگی تو اسے دوسری شادی کا اشتیاق پیدا ہوا۔ اس کے گھر میں پہلی ایک بیوی ام محجن موجود تھی جو سیاہ فام اور بدمزاج تھی، اب اس کے دل میں گدگدی پیدا ہوئی کہ ایک گوری چٹی خوبصورت عورت سے شادی کرے، چنانچہ اسے اتفاق سے ایک خوش جمال، سفید فام اور شریف طبیعت عورت دستیاب ہوگئی اور اس نے اس سے شادی کرلی۔

ظاہر ہے کہ ام محجن جو پہلے ہی تیز مزاج تھی سوکن کو آسانی سے کیسے برداشت کرتی، اور شوہر پر بہت بگڑی، شوہر نے کہا! اللہ کی بندی! ناراض ہونے اور حسد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں میں بھی خاصا ادھیڑ ہو چکا اور تو بھی اس درجے میں آگئی۔ بات یہ ہے کہ تمہاری جو عزت میرے دل میں ہے وہ کسی اور کی ہرگز نہیں۔ تم سے بڑھ کر مجھ پر کسی کا حق نہیں ہے۔ دل سے اس بات کو قطعاً نکال دو اور بالکل فکر نہ کرو، غرض شوہر کے سمجھانے بجھانے سے اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور شوہر کی طرف سے مطمئن ہوگئی۔

اس بات چیت کے چند روز بعد شوہر نے اس سے کہا کہ نئی بیوی کو تمہاری راحت کے خیال سے اب تک میں نے تم سے جدا رکھا، مگر کیا تمہارے خیال میں یہ بات مناسب ہے کہ اس نئی بیوی کو بھی تم اپنے پاس رکھو، ساتھ رہنے سے خانہ داری کا نظم بھی بہتر ہوگا اور دوسروں کو خواہ مخواہ الزام تراشی کا موقع بھی نہ ملے گا۔ پھر ایک

دینار نکالا اور کہا کہ اس کانی بیوی سے کوئی ذکر نہ کرنا۔

شوہر کی تقریر ام مجن کی سمجھ میں آگئی، اس نے کہا ٹھیک ہے اسے یہیں رکھ لیجئے ام مجن کے اس جواب پر شوہر نے اس سے کہا کہ اچھا یہ ایک دینار رکھو، میری خواہش یہ ہے کہ تمھاری برتری اس نئی بیوی پر قائم رہے اور اسے یہ بھی محسوس نہ ہو کہ تمھاری طبیعت میں اس کی طرف سے کوئی کدورت اور میل ہے۔ اس لیے تم اس دینار سے کوئی چیز اس کے لیے خرید دینا، اب کل میں اسے گھر میں لے آؤں گا۔

اب شوہر نئی بیوی کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم ام مجن کے پاس چلو اور وہاں جاکر رہو تم جاؤ گی تو وہ ضرور تمھاری دلداری کرے گی۔ مجھے یہ کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ ام مجن کو تم پر بڑائی جتانے کا موقع ملے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ یہ ایک دینار لے لو اور ام مجن کے لیے کوئی ہدیہ خرید کر لے جاؤ تاکہ وہ یہ محسوس نہ کرے کہ تمھارا دل اس کی طرف سے صاف نہیں ہے۔ مگر اس دینار وغیرہ کا ام مجن سے بالکل تذکرہ نہ کرنا۔

اس اسکیم کے بعد شوہر اپنے ایک دوست سے ملا اور اس سے اس اسکیم کے بارے میں بتایا میں اب دونوں بیویوں کو ایک ساتھ ہی رکھنا چاہتا ہوں لہٰذا کل صبح تم میرے یہاں ہی ناشتہ کرنا اور اس سے فارغ ہو کر تم مجھ سے پوچھنا کہ مجھے دونوں بیویوں میں کس سے زیادہ محبت ہے میں تمھارے اس سوال پر ذرا غصہ دکھاؤں گا اور جواب دینے سے انکار کر دوں گا۔ تم مجھ سے قسم دے کر پوچھنا،

اگلے دن اسکیم کے مطابق دوسری بیوی ام مجن کے پاس پہنچ گئی اور شوہر کا دوست بھی آگیا۔ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر دوست نے بات چھیڑی کہ ام مجن یہ تو بتاؤ کہ تمھیں کون سی بیوی زیادہ محبوب ہے ام مجن نے کہا! کہ واہ بھئی واہ تم نے بھی ایسے بے ڈھب موقع پر یہ سوال چھیڑا کہ دونوں کی دونوں برابر میں موجود ہیں

ام مجن

اور تمھاری بات سن رہی ہیں۔ بھلا یہ بات بھی پوچھنے کی ہے تم یہ بات رہنے دو، دوست نے کہا کہ خدا کی قسم تمھیں آج یہ بات بتانی ہی پڑے گی، تمھارا کوئی عذر و معذرت آج قبول نہیں کروں گا، اس پر اُم مجن نے کہا، آج تم نے حد کر دی بالکل ہی مجبور کر دیا تو سن لو مجھے دینار والی سے زیادہ محبت ہے اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس سے آگے کچھ اور نہ کہوں گا۔

ابو مجن نے دینار تو دونوں ہی کو دیا تھا دونوں نے یہ بات سنی تو خوب ہنسیں اور اندر ہی اندر خوش ہوئیں، ہر ایک نے یہ سمجھا کہ شوہر کے دل میں اسی کی عزت اور محبت ہے۔

قاضی صاحب کے طلاق سے بچنے کا پُر لطف حیلہ (۷)

قاضی ابو الحسین بن عتبہ نے اپنا واقعہ بتایا کہ میرے چچا کی لڑکی صاحب حیثیت تھی اور اسی بنا پر میں نے اس سے شادی کر لی تھی کوئی خاص شکل و صورت اور اس کی خوبصورتی میرے لیے نکاح کا باعث نہ بنی تھی جب کہ میں نے چوری چھپے ایک شادی اور کر رکھی تھی اور اسے دوسری جگہ پوشیدہ طور پر رکھ چھوڑا تھا، جو صاحب جمال بھی تھی اور میری ہم مذاق اور سمجھدار بھی تھی۔ کسی طرح میری اس بیوی کو اس کی خبر لگ گئی، اور اس نے سمجھ لیا کہ میری دوسری بیوی موجود ہے تو اس نے مجھ سے جدائی اختیار کر لی اور یہ دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ اس دوسری بیوی کو طلاق دوں تو وہ میرے گھر آئے گی۔ حالانکہ میں نے یہ دوسری شادی کچھ ہی دن پہلے کی تھی جس پر میرے چچا لڑکی جو میری پہلی بیوی تھی طوفان کھڑا کر دیا اور مجھے سخت کشمکش میں ڈال دیا، مجھے یہ دوسری بیوی نہایت محبوب اور عزیز تھی اس سے جدائی میرے لیے آسان نہ تھی۔

خیر میں نے سوچ سمجھ کر ایک تدبیر نکالی، ایک روز نئی بیوی سے یہ کہا کہ تم

ایک کام کرو، اپنی کسی پڑوسن سے ایک بڑھیا جوڑا، دو ایک روز کے لیے مانگ لو اور اسے عنبر وغیرہ کی دھونی دے کر پہنو اور پھر اس پہلی بیوی کے پاس جاؤ اور اس کے سامنے خوب روؤ دھوؤ اور اس کو بہت کچھ دعائیں دو۔ جب یہ تمھاری حالت زار دیکھے گی تو تمھاری طرف متوجہ ہوگی اور تمھارا حال احوال پوچھے گی تو تم اس سے کہنا کہ میرے چچازاد بھائی نے مجھ سے شادی کی مگر میرے اوپر سوکن لا بٹھایا۔ روز ایک نہ ایک نئی سوکن کرتا رہتا ہے اور میری ساری دولت ان پر لٹا دیتا ہے خدا کے واسطے آپ قاضی صاحب کے سامنے میری سفارش کردیں کہ وہ میرا انصاف چکائیں، میں اپنے شوہر کے خلاف قاضی صاحب کے یہاں دعویٰ کرنا چاہتی ہوں۔

جب تو اس سے داد فریاد کرے گی تو وہ ضرور پسیجے گی اور تجھے میرے پاس لے کر آئے گی، غرض میری اس تجویز کے مطابق میری نئی بیوی نے عمل کیا، اگلے دن پہلی والی بیوی کے پاس جا کر خوب روئی آخر اس کو اس پر ترس آیا اور اسے لے کر غصہ میں لال بھبوکا اس کا ہاتھ پکڑے میرے گھر پہنچی، باہر ہی سے چلا کر بولی کہ اس نامراد کی حالت بھی مجھ جیسی ہی ہے، ذرا اس کی فریاد سنو اور اس کا انصاف چکاؤ۔

میں نے کہا، تو پھر تم دونوں اندر آؤ اور پوری بات بتاؤ اس پر وہ دونوں اندر آگئیں، میں نے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے تفصیل سے مطلع کریں۔ اس پر اس نے وہی بات دہرائی جو اسے میں بتائی تھی، تمام باتیں سن کر میں نے کہا کہ کیا تیرے چچازاد بھائی اور تیرے شوہر نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس نے تیرے اوپر سوکن لا بٹھائی ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں بھلا وہ کیسے اقرار کرے گا کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔

پھر میں نے پوچھا کہ کیا تو نے خود اس عورت کو دیکھا ہے۔؟

تو اس کے گھر اور صورت سے واقف ہے؟

اس نے کہا کہ میں نے نہ گھر دیکھا اور نہ اس کی صورت دیکھی۔ تب میں نے کہا کہ خدا کی بندی! تو کیسی بات کر رہی ہے، جو ادھر ادھر سے کسی نے کہا سُنا بس تو اس پر ایمان لے آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ حسد اور جلن میں بہت لوگ مبتلا ہیں۔ اور عورتوں کو بگاڑنے اور پریشان کرنے میں انھیں لطف آتا ہے۔ اسطرح کی جھوٹی اور غلط باتیں اور چھل فریب عام ہے۔ اپنا بھلا چاہے تو ایسی باتوں پر کان نہ دھر، اور تو اور خود میری یہ ہی بیوی جو تجھے لے کر آئی ہے کسی نے اسے بہکا دیا کہ میں نے دوسری شادی کرلی ہے۔ حالانکہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر اسی کمرے سے باہر میری بیوی کوئی ہو، اس کو بغیر کسی شرط کے تین طلاق، بس میرا یہ جملہ پورا ہونا تھا کہ میری پہلی بیوی بے ساختہ اٹھی اور میرے سر کو چوم کر کہنے لگی اب اب مجھے یقین آگیا کہ تمھارے سر شادی کی تہمت دھری گئی ہے اور مجھے غلط فہمی تھی،

گویا قاضی ابوالحسین نے اس چالاکی کے ساتھ دوسری بیوی سے اپنا نکاح بھی برقرار رکھا اور پہلی بیوی کو بھی خوش کر کے راضی کرلیا۔

جان بخشی کے لیے بہترین درخواست (۸)

اصمعی کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور کے سامنے ایک مجرم پیش ہوا تو اس نے عرض کیا کہ:

امیر المومنین آپ کو خوب معلوم ہے کہ انتقام عدل ہے، مگر عفو و درگزر فضل۔ یعنی عدل سے اونچا وصف ہے اور خدا کی پناہ اگر امیر المومنین اعلیٰ صفت کے مقابلے میں کمتر درجے کی صفت اپنے لیے پسند کریں، منصور نے یہ چبھتا ہوا فقرہ سُنا تو اس کا قصور بخش دیا۔

فرشتوں کی بدولت رہائی (۹)

ابوالحسن مدائنی کہتے ہیں کہ احمد بن سُمیط نے پانچ سو آدمی گرفتار کر کے مختار والی کوفہ کے سامنے پیش کیے۔ مختار نے ان میں سے ۲۴ کو قتل کرادیا۔ بعض کو قید کی سزا دی اور کچھ کو رہا کر دیا، سراقہ بن مرداس البارقی کو پہلے تو قید کرنے کا حکم دیا پھر کہا کہ اسے قتل کر دو اس پر سراقہ نے کہا کہ مجھے اس وقت تک نہ مارئیے جب تک میں آپکے ساتھ جا کر اپنا سارا گھر جڑ بنیاد سے نہ اکھاڑ ڈالوں، مختار نے کہا کہ یہ بات ہے اور یہ بات تجھے کس نے بتائی کہ ایسا ہوگا۔ سراقہ نے کہا کہ قدیم کتابوں کی پیشین گوئیوں سے مختار نے عبداللہ بن کامل اور ابو عمرہ کو خطاب کر کے کہا کہ ہمارے اسرار کی کون تحقیق کرتا پھرے گا۔ لہٰذا سراقہ سے تنہائی میں گفتگو کی جائے، چنانچہ خلوت میں سراقہ نے بتایا کہ ہمیں جن لوگوں نے پکڑا وہ ہمیں نظر نہیں آئے۔ اسے بتایا گیا کہ وہ سب ہمارے ساتھی ہی ہیں جو اللہ کے لشکری ہیں، سراقہ نے کہا کہ نہیں واللہ ہمیں جس طرح کے لوگوں نے گرفتار کیا ان کے سروں پر لال صافے اور ان کے نیچے ابلق گھوڑے تھے اور وہ زمین و آسمان کے بیچ ہوا میں اڑ رہے تھے۔

مختار نے کہا کہ وہ تو اللہ کے فرشتے تھے، اے سراقہ لوگوں کو یہ بات بتادے، سراقہ نے بیان کیا ہے کہ پھر میں نے مینار کے اوپر جا کر یہ واقعہ قسم کھا کر سب کو سنایا، تب مجھے مختار کی قید سے رہائی ملی۔

جھوٹی خوشامد کے ذریعہ جان بخشی (۱۰)

ابن عیاض کا بیان ہے کہ حرّہ کی لڑائی والے روز مسلم بن عقبہ سے عباس بن سہل بن سعد الساعدی کے لیے جان بخشی کی درخواست کی گئی تو مسلم نے رد کر دی اس پر

عباس کو پیش کیا گیا۔ اس وقت مسلم ناشتہ کر رہے تھے۔ عباس نے عرض کیا کہ:

اللہ آپ کو تادیر سلامت رکھے اس وقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اک بڑی سینی آپ کے والد بزرگ وار کے سامنے رکھی ہے کیونکہ وہ جب حرہ آیا کرتے تھے تو ایک بہت بڑا پھول دار چادر اوڑھے ہوئے یہاں بیٹھتے تھے تو ایک بہت بڑی سینی ان کے سامنے رکھی جاتی جسے وہ حاضرینِ مجلس کو پیش کرتے۔

مسلم نے یہ بات سنی تو بولا کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ جاؤ تمھیں امان دی گئی۔

بعد میں عباس سے پوچھا تو کیا مسلم کا باپ ایسا ہی رئیس اور فیاض تھا جیسا تم نے اس کے سامنے بیان کیا تھا۔ عباس نے جواب دیا بالکل نہیں، واللہ حرہ میں تو اس کا میں نے ایسا برا حال دیکھا ہے کہ اگر اس کو ہم اپنے لشکر کے آس پاس دیکھ لیتے تو اس کے بارے میں یہ اندیشہ رہتا تھا کہ وہ ہماری رکاب پا کوئی اور سامان نہ چرا لے جائے گویہ اس کی حالت بہت خستہ اور بدتر تھی۔ فیاضی اور ریاست کی بات تو محض عباس نے جان چھڑانے کے لیے محض بازی کی تھی۔

اصمعی کی وقت شناسی (۱۱)

اصمعی کا بیان ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے ایک بار انھیں بلوایا وہ دربار میں پہنچے تو ایک لڑکی ہارون کے پاس بیٹھی تھی رشید نے پوچھا کہ اس لڑکی کو جانتے ہو؟ میں نے ناواقفیت ظاہر کی، تو خلیفہ نے بتایا کہ یہ امیر المومنین کی بیٹی ہے۔ اس پر میں نے اسے اور امیر المومنین کو دعا دی، خلیفہ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کی بیٹی کے سر کا بوسہ دوں، مجھے خیال آیا کہ میں نے بعمیلِ حکم نہ کی تو مجھے بخشے گا نہیں اور میں نے اس لڑکی کے سر کا بوسہ دیا، تو خلیفہ کی غیرت اسے برداشت نہ کرے گی اور وہ میری جان لے لے گا۔ یہ سوچ کر میں نے اپنی آستین اس لڑکی کے سر پر رکھی اور کپڑے کے

اوپر سے اس کے سر کو بوسہ دیا۔

ہارون رشید نے دیکھا تو بولا خدا کی قسم اصمعی اگر تجھ سے چوک ہو جاتی تو ابھی تیری گردن اڑا دیتا اور اس کے بعد حکم دیا کہ مجھے دس ہزار درہم دیے جائیں۔

خوارج کے ہاتھ سے بچنے کی قرآنی تدبیر (۱۲)

ابن البہلول نے قصہ نقل کیا کہ ابو حذیفہ واصل بن عطا کسی قافلے کے تھا ایک سفر میں نکلے راستہ میں خارجیوں کے ایک گروہ نے انھیں روک لیا، واصل نے قافلہ کے لوگوں کو منع کر دیا کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی ان خارجیوں سے بات چیت نہ کرے۔

چنانچہ واصل گفتگو کرنے ان کے پاس پہنچے تو خارجیوں نے ان پر حملہ کرنا چاہا۔ واصل نے کہا۔ تم نے مجھ حملے کو کیسے جائز سمجھ لیا جب کہ تمھیں یہ پتہ ہی نہیں کہ ہم لوگ کون ہیں اور یہاں کس لیے آئے ہیں؟ سنو!

ہم قوم مشرکین میں سے ہیں تمھارے پاس مستجیر بن کر آئے ہیں (یعنے تجارت کی اجازت لے کر ملک میں داخل ہونے والے کی حیثیت سے) تمھارے پاس خدا کا کلام سننے آئے ہیں۔

اس بات پر خارجی حملے سے رک گئے۔ اور ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر قافلے کے سامنے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ جب وہ فارغ ہو گیا تو واصل نے کہا کہ ہم نے اللہ کا کلام سن لیا اب تم ہمیں اپنی جگہ پہنچا دو تاکہ ہم وہاں پہنچکر خدا کے کلام پر غور کر سکیں۔ اور یہ کہ دین میں کس طرح داخل ہوں کیوں کہ خود قرآنی حکم ہے وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ

كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْ مَاْمَنَه۔

اس پر خوارج نے کہا کہ ہاں یہ تو قرآن کی رُو سے واجب ہے۔ لہٰذا چلو، تمھیں تمھارے ٹھکانے پر پہنچا آئیں۔ غرض خوارج نے ہمیں بحفاظت منزل تک پہنچا دیا۔

جب ہم اپنے شہر کے پاس پہنچ گئے تو خوارج کی حدود سے باہر تھا تب وہ لوگ ہمیں چھوڑ کر واپس لوٹ گئے۔

حجاج کے درگزر کے واقعات (۱۳)

ابو اسحٰق جہنی کا قول ہے کہ حجاج رعایا کے احوال اور اپنے متعلق لوگوں کے تاثرات معلوم کرنے کے لیے اپنے غلام کے ساتھ بھیس بدل کر نکلا، ان کی ملاقات ابو لہب کے غلام سے ہوئی، انھوں نے اس سے پوچھا کہ حجاج کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا، اس پر خدا کی لعنت ہو۔

انھوں نے کہا کہ وہ یہاں سے کب جائے گا، مطلب نے جواب دیا کہ مجھے کیا پتہ، کب دفع ہوگا، خدا جلدی اس کی روح قبض کرلے، اب حجاج بولا، تو مجھے جانتا ہے؟ مطلب نے کہا مجھے کیا معلوم تو کون ہے؟

حجاج نے کہا، میں حجاج بن یوسف ہوں۔

مطلب بولا، تم مجھے پہچانتے ہو، حجاج نے کہا نہیں۔

وہ بولا میں ابولہب کا غلام مطلب ہوں اور یہ سب کو معلوم ہے کہ مہینے میں تین روز مجھ پر پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے، آج دورے کا پہلا دن ہے، حجاج یہ سُنکر درگزر کرتا ہوا نکل گیا۔

(۱۴) ابوالحسن بن ہلال الصابی سے منقول ہے کہ ایک روز حجاج اپنے لشکر سے بچھڑ گیا اور ایک باغ میں پہنچا تو باغ والا پیڑوں کو پانی دے رہا تھا۔ حجاج نے پوچھا کہ حجاج کے دور میں تمہارا کیا حال چال ہے۔ باغ والے نے کہا کہ اس پر خدا کی لعنت ہو، نیکوں کا قاتل اور بغض رکھنے والا ہے۔ اللہ اس سے جلد انتقام لے۔

حجاج نے باغ والے سے کہا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ وہ بولا کہ نہیں۔ حجاج نے کہا میں ہی حجاج ہوں، یہ سنتے ہی اس کے تو ہوش اڑ گئے۔ اس نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور بولا، تم بھی مجھے جانتے ہو؟ حجاج نے کہا، میں نہیں جانتا۔ وہ بولا کہ میں ابوتور مجنون ہوں۔ آج میرے جنون کا دور ہے۔ یہ کہہ کر منہ سے کف نکالے اور اول فول بکنے لگا اور خوب دھمکا چوکڑی دکھا کر لاٹھی اپنے سر پر مارنی چاہی۔ حجاج نے یہ حالت دیکھی تو ہنستا ہوا چلا گیا۔

(۱۵) ایسا ہی ایک اور واقعہ ہے۔ اپنے لشکر سے بچھڑ کر حجاج کسی طرف کو نکل گیا۔ وہاں کسی اعرابی سے ملاقات ہوئی تو اس سے پوچھا کہ جناب عالی! حجاج کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اس نے کہا کہ وہ تو بہت ظالم اور غاصب آدمی ہے۔ حجاج نے کہا کہ پھر خلیفہ عبدالملک سے تم نے اس کی شکایت کیوں نہ کی۔ اعرابی نے کہا کہ خدا امیر پر بھی لعنت بھیجے وہ حجاج سے بھی بڑھ کر ظالم اور غاصب ہے۔ اتنے میں حجاج کا لشکر اسے ڈھونڈتا ہوا آپہنچا تو حجاج نے حکم دیا کہ اس بدو کو سوار کر لو۔ چنانچہ لشکر والے اسے بٹھا کر ساتھ لے چلے۔ راستہ میں اس نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے۔ لشکریوں نے کہا حجاج ہے۔ اس پر وہ اعرابی دوڑ کر حجاج کے قریب پہنچا اور اسے آواز دے کر کہا، اے حجاج! ہماری تمہاری جو پوشیدہ بات ہوئی ہے وہ کسی سے کہہ نہ دینا۔ یہ سن کر حجاج کو ہنسی آگئی اور اس اعرابی کو جانے کی

اجازت دے دی۔

(۱۶) ایسے ہی ایک مرتبہ حجاج کو جنگل میں ایک گاؤں والا ملا، حجاج نے اس سے حجاج اور اس کے افسران کے معاملات اور برتاؤ کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو اس نے سارے جواب ناگوار اور توہین آمیز دیے۔ پھر حجاج بولا کہ خدا تجھے قتل کر ڈالے اگر میں تیری جان نہ لوں۔ اس سے اعرابی نے سمجھ لیا کہ یہ حجاج ہے تب اس گاؤں والے نے کہا کہ پھر بے تکلفی سے دوستانہ باتیں کرنے کا حق کیا ہوا کہ ہماری بات تو اسی نوع کی تھی، حجاج نے اس کی بات سنی تو کہنے لگا وہ حق تیرے لیے ہے، تو نے کس خوبصورتی سے اپنے چھٹکارے کی راہ نکالی۔ چنانچہ حجاج نے اسے کچھ نہیں کہا اور چھوڑ دیا۔

جو نہ مرجھا سکے وقت کی دھوپ سے
سطحِ احساس پر وہ شجر چھوڑ دے
زندگی چاہیے خوشبوؤں کی طرح
جو دکھائی نہ دے اور اثر چھوڑ دے

طاہر بن تابش

باب ۱۹

ذہین واعظ (۱)

ابوالحسن ابنِ سماک شہر کی جامع مسجد میں وعظ کہا کرتے۔ تھوڑی بہت دینی معلومات اور صوفیانہ نکتے جانتے تھے۔ وہی بیان کرتے اس کے علاوہ دیگر علوم سے کوئی مَس نہ تھا۔ دورانِ وعظ کسی نے پرچہ بھیجا کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا اور اسکے اتنے وارث ہیں تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ ابن سماک نے پرچہ پڑھا۔ ذرا غور سے دیکھا۔ پھر بولے کہ یہ علم فرائض کا سوال ہے۔ پھر پرچہ پھینک دیا اور کہنے لگے کہ میری ساری گفتگو اور وعظ تقریر تو ان لوگوں کے مذہب کے تحت اور اسی کے متعلق ہوتی ہے کہ وہ مرتے ہیں تو کوئی ترکہ نہیں چھوڑتے۔ ہم صوفیہ اور زاہدین کے گروہ سے ہیں۔ ان کے اس فی البدیہہ اور عاقلانہ جواب پر سب کو حیرت ہوئی کہ اپنی ناواقفیت اور لاعلمی کو کس خوش اسلوبی سے چھپا لیا۔

مسخرا ہنسی گل پھنسی (۲)

والیٔ مدینہ کے یہاں مزید ایک مسخرہ وقت پر آیا کرتے تھے۔ ایک روز دیر سے پہنچے تو والی نے دیر کی وجہ پوچھی تو کہا مجھے ایک عورت سے لگاؤ تھا۔ آج رات میں نے اس پر قابو پالیا۔ یہ سنکر والیٔ مدینہ کو غصہ آگیا اور بولا کہ خدا کی قسم تم نے اقبالِ جرم کرلیا ہے۔ ہم تمھیں ماخوذ کرکے سزا دیں گے۔ مزید نے دیکھا کہ والی واقعتاً

سنجیدہ ہے اور اس گفتگو کو مذاق کے بجائے حقیقت پر محمول کر رہا ہے تو بولا۔ اچھا میری بات تو پوری ہونے دیجیے۔ والی نے کہا اچھا کہو۔ مزید بولا کہ جب صبح ہوئی میں تعبیر دینے والے کو ڈھونڈتا پھرا مگر اب تک کوئی ایسا آدمی نہ ملا۔ والی نے کہا۔ تو کیا یہ خواب کی بات تھی؟ مزید نے کہا اور کیا۔ اس پر والی کا غصہ رفع ہوا اور اس نے درگزر کی۔

فی البدیہہ شعر گوئی اور حسن معذرت (۳۱)

عرب کی مشہور تاریخی عورتیں عزہ اور ثبینہ بیٹھی ہوئی تھیں تو عزہ کا عاشق کثیر آتا دکھائی دیا۔ تو ثبینہ نے عزہ سے کہا کہ دیکھ میں ابھی دکھاتی ہوں کہ کثیر تیرا سچا پرستار نہیں ہے۔ عزہ بولی اچھا ثبینہ نے کہا تو اندر خیمہ میں چلی جا۔ اتنے میں کثیر قریب آیا اور ثبینہ سے سلام دعا ہوئی تو ثبینہ بولی کہ عزہ نے تجھے اس لائق نہیں چھوڑا کہ تجھ سے اور بھی کوئی دل بہلا سکے۔ کثیر بولا کہ اگر عزہ میری باندی ہوتی تو میں اس کو تجھے بخش دیتا۔ ثبینہ نے کہا کہ اگر تو سچ کہہ رہا ہے تو اس مضمون کو شعر میں ڈھال دے۔

امیر کثیر نے شعر پڑھا کہ:

ثبینہ نے مجھ پر قصداً تیر پھینکا جب کہ میری جوانی تو ڈھل رہی ہے اور مجھے اس کی جوانی مرغوب ہے۔

دوسرے شعر کا مطلب یہ تھا۔ ثبینہ نے ایسی بڑی بڑی آنکھوں سے تیر چلایا کہ ان میں آنسو بھرے ہوں تو ثریا ستارے سے بادل برسنے لگیں۔

یہ شعر عزہ نے سنے تو خیمہ کا پردہ ہٹا کر بولی۔ کم ہمت میں نے تیرے شعر سن لیے اسی پر تجھے دعوائے محبت ہے جھوٹا اور ہرجائی کہیں کا۔ کثیر نے کہا۔ اری جلدی نہ کر تیسرا شعر تو سن لے۔ عزہ نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ اس نے تیسرا شعر پڑھا کہ لیکن

اے شبنیہ! تو ایسی ذات پر اپنا تیر چلا رہی ہے جو مریض ہے جس کی حمیت اور قوت عزہ ہی بحال کر سکتی ہے۔ تو پھر عزہ کا غصہ جاتا رہا اس کے بہترین عذر کو اس نے سراہا۔

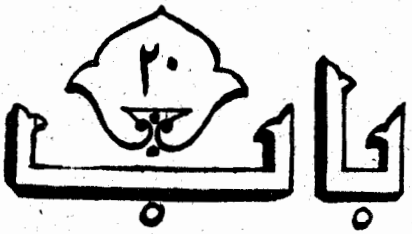

ایسے افعال واقوال کے بیان میں جو متوسط اور عام طبقہ کے اہلِ زکاوت سے متعلق ہیں

(۱) یحییٰ حزوری سے منقول ہے کہ میں ایک دن ہارون رشید کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا تو انھوں نے خادم کی طرف متوجہ ہو کر اس سے فارسی میں گفتگو کی۔ میں نے کہا اے امیر المومنین اگر آپ اس سے کوئی راز کی بات کہنا چاہیں تو (یہ خیال رکھیں کہ) میں فارسی سمجھتا ہوں۔ میرے اس اظہار کی ہارون نے بہت تعریف کی اور کہا کہ ہم کوئی راز آپ سے پوشیدہ نہیں رکھتے۔

(۲) ابو عمر نابینا اپنے دوستوں میں سے ایک شخص کی عیادت کے لیے گئے۔ باندی نے ان کا ہاتھ پکڑا اور اوپر چڑھا کر لے گئی۔ جب انھوں نے اترنا چاہا تو اس نے پھر آ کر ان کا ہاتھ پکڑا تاکہ نیچے چلے۔ مگر انھوں نے کہا کہ مجھے اپنے آقا کے پاس واپس لے چل۔ وہ لے کر آئی تو انھوں نے کہا یہ تمھاری کنیز جب میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر لے کر آئی تھی اس وقت کنواری تھی۔ پھر اب اس وقت جب کہ اس نے میرا ہاتھ پکڑا تو کنواری نہیں رہی۔ اس شخص نے اس کی تحقیق کی تو معلوم

ہوگیا کہ اس شخص کے بیٹے نے اس کو لٹایا تھا۔

(۳) مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مالک بن انس نے ذکر کیا کہ ایک منہ پھٹ آدمی نے ایک شخص کے پیچھے نماز شروع کی۔ جب امام نے قراءت شروع کی تو اس کا حافظہ باطل ہوگیا۔ وہ نہیں سمجھ سکا کہ کیا کہے۔ اب اس نے کہنا شروع کیا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور اسی کو بار بار کہنا شروع کیا اس منہ پھٹ نے پیچھے کھڑے ہوئے کہا، شیطان کا اس میں کوئی گناہ نہیں تیرا اپنا ہی قصور ہے کہ تو قراءت پر قادر نہیں۔

(۴) محمد بن عبدالرحمٰن نے ذکر کیا کہ ایک گویّے نے ایک مرتبہ اپنے گھر اپنے بھائی کو بلایا پھر اس کو عصر تک بٹھائے رکھا اور کھانے کو کچھ نہیں دیا۔ اب اس پر بھوک کا غلبہ ہوا اور شدت میں جنون کی حد تک پہنچ گیا۔ اب صاحبِ خانہ نے عود سنبھالا اور اس سے کہا تمھیں میری جان کی قسم کون سی لَے پسند ہے۔ جو میں سناؤں۔ اس نے کہا مجھے تو بس ہنڈیا بھننے کی آواز پسند ہے۔

(۵) حمّاد نے ذکر کیا کہ میں نے سنا کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا تھا جسکی آنکھ دکھتی تھی کہ تم کس چیز سے اپنی آنکھوں کا علاج کر رہے ہو۔ اس نے کہا قرآن سے اور والدہ کی دعا سے۔ اس نے کہا ان دونوں کے ساتھ تھوڑا سا زیتون بھی شامل کرلو۔

(۶) ابوالحسن سے مروی ہے کہ حامد بن العباس اکثر کہا کرتے تھے کہ بسا اوقات مصیبت کے وقت چھوٹے آدمی سے اس قدر نفع پہنچ جاتا ہے جو بڑے سے نہیں پہنچتا اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اسمٰعیل بن بلبل نے جب مجھ کو قید کیا۔ میری نگرانی اپنے دربان کے ہاتھ میں دے دی جو اس کی خدمت کرتا تھا وہ ایک مردِ آزاد تھا۔ میں نے بھی اس کے ساتھ نیک برتاؤ کیا اور بھلائی کی ہے

وہ دربان اسمٰعیل کی مجلس خاص میں چلا جاتا تھا اور اس پر کوئی روک نہیں تھی کیونکہ وہ دیرینہ خادم تھا۔ وہ ایک رات میرے پاس آیا اور بیان کیا کہ وزیر نے ابن الفرات کو لکھا ہے کہ حامد سے سرکاری مالیہ کا بقیہ آپ کے سوا اور کسی سے وصول نہ ہوسکے گا اور اس مطالبہ میں جدّوجہد ضروری ہے اور کل وزیر تمھیں اپنی بارگاہ میں طلب کرے گا اور تم پر سختی کرے گا۔ مجھے اس کا بڑا فکر لاحق ہوگیا۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا تیرے خیال میں کوئی تدبیر ہوسکتی ہے۔ اس نے کہا کہ جن لوگوں سے تمھارے معاملات رہتے ہیں ان میں سے جس کے بخل سے اچھی طرح تمھیں واقفیت بھی ہو اس کے نام تم ایک رقعہ لکھو اور اس سے اپنے بال بچوں کے خرچ کے لیے ایکہزار درہم بطور قرض طلب کرو اور اس رقعہ میں یہ بھی لکھدو کہ وہ اسی کی پشت پر جواب تحریر کردے تاکہ وہی تمھارے پاس آجائے اور اس کو تم پیش کرسکو وہ اپنے بخل کی وجہ سے جب اس پر کوئی عذر لکھ کر واپس کردے گا تو اس رقعہ کو تم محفوظ رکھنا جب وزیر تم سے مطالبہ کرے تو تم اس رقعہ کو پیش کرتے ہوئے کہنا کہ میرا حال اس درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ جب تم فوراً ہی بلا تاخیر پیش کردو گے تو امید ہے کہ تمھارے لیے مفید ہوگا۔ تو میں نے اس کی رائے پر عمل کیا اور وہی پرچہ لے کر گیا اور جواب لے آیا جیسا ہم نے خیال کیا تھا۔ جب اگلا دن آیا تو وزیر نے مجھے قید خانہ سے نکال کر مطالبہ کیا تو میں نے وہی رقعہ پیش کردیا اس نے اس کو پڑھا اور نرم ہوگیا اور شرمندہ ہوا اور یہی سبب ہوا میرے لیے آسانی اور دفعیہ کا۔

عیسٰی بن محمد طوماری کہتے ہیں کہ ابوعمر محمد بن یوسف القاضی نے بیان کیا کہ (۷) میرے والد مرض شہوار میں مبتلا تھے وہ ایک رات جاگے مجھے اور میری بہن کو بلایا اور ہم سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک کہنے والا کہتا ہے کہ لا کھا، اور لاپی تجھے صحت ہوجائے گی۔ ہم اس کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔ اور محلّہ

بابِ شام میں ایک شخص رہتے تھے جو ابو علی خیاط کے نام سے مشہور تھے وہ خوابوں کی تعبیر خوب دیتے تھے، ہم ان کے پاس گئے اور خواب بیان کیا انھوں نے کہا کہ میں اس کی تعبیر نہیں سمجھا۔ لیکن میں ہر شب نصف قرآن کی تلاوت کیا کرتا ہوں تو اب تم مجھے موقع دو کہ میں اپنے معمول سے فارغ ہو جاؤں اور اس پر غور کروں۔ جب صبح ہوئی تو وہ ہمارے پاس آکر کہنے لگے کہ جب میں اس آیت پر پہنچا لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ تو میری نظر لَا پر پہنچی کہ یہ اس میں مکرر آرہا ہے۔ تم ان کو زیتون کا تیل پلاؤ اور کھلاؤ بھی۔ ہم نے ایسا ہی کیا یہی اس بیماری سے عافیت کا سبب بن گیا۔

(۸) اصمعی کی روایت ہے کہ طاعون کی وبا میں ایک شخص کو بغداد میں "قصر اوس" پر بیٹھا دیکھا جو مُردوں کو (اس طرح شمار کرتا تھا کہ ہر مردے کا جنازہ گزرنے پر ایک کنکر برتن پر ڈال دیتا اس شمار کے حساب سے پہلے دن ایک لاکھ بیس موتیں ہوئیں۔ دوسرے روز کی گنتی میں ایک لاکھ پچاس کی تعداد ہوئی۔ تیسرے دن بھی جب جنازے وہاں سے گزرے تو وہ شخص بیٹھا شمار کر رہا تھا۔ جب لوگ قبرستان سے لوٹے تو اس شمار والے برتن کے پاس دوسرا شخص بیٹھا تھا۔ لوگوں نے اسی پہلے شخص کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ تو اس دوسرے نے جواب دیا کہ وہ شخص بھی اسی برتن میں چلا گیا۔ یعنی وہ بھی طاعون کا شکار ہو گیا۔

(۹) ابو عثمان خالدی نے سیف اللہ کے لیے قصیدہ کہا اور اسے رومیوں کی ایک مجلس میں پڑھا، وہیں ایک محنث بھی آپہنچا ابو عثمان کا بیان ہے کہ جب میں نے یہ شعر پڑھا ؎

وَانْكَدَرَتْ شَنِيْبَةٌ فِي اللَّهْسِ وَاحِدَةٍ
فَسَادَ فَضَّهَا مَا كَانَ يَرْضَهَا

یعنی محبوبہ کو سر میں ایک سفید بال کی موجودگی اوپری معلوم ہوئی ـــــ وہی

سیاہ بال جو اس کو پسند ہیں اس کے لیے ناراضگی کا سبب بن گئے۔

اس مخنث نے شعر سُن کر کہا کہ یہ درست نہیں ہے میں نے پوچھا کیا غلطی ہے اس نے بتایا کہ تم نے امیر کے لیے وَاحِدَۃٌ کا لفظ استعمال کیا ہے جس میں مدح کے ذم کا پہلو نکلتا ہے۔ اس لفظ کی جگہ طالعۃٌ یعنی چمکتا ہوا یا لَامِعٌ یعنی جھلکتا ہوا ان میں سے کوئی ایک لفظ رکھتے تو مدح کتنی شاندار ہوتی۔

اس مخنث کی اصلاح واقعی قابلِ داد تھی مجھے اس کی ذہانت و لطافت پر بڑا تعجب ہوا۔

(۱۰) سعید بن یحییٰ اموی سے روایت ہے کہ کچھ قریشی نوجوان تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔ ایک نوجوان نے جو حضرت ابوبکر و طلحہ سے اولاد جیسا رشتہ رکھتا تھا۔ تیر چلایا تو ٹھیک نشانہ پر لگا، تو وہ فخریہ پکار اُٹھا کہ میں ابن القرنین ہوں یعنی حضورؐ کے "ہم نشینوں اور خاص صحابیوں کی اولاد ہوں۔

ایک دوسرے قریشی جوان کا بھی تیر نشانہ پر جا بیٹھا تو اس نے کہا کہ میں شہید باپ کا بیٹا ہوں۔ ان کے بعد ایک آزاد شدہ غلام نے تیر چلایا اور وہ بھی ٹھیک نشانہ پر لگا۔ تو اس نے کہا کہ میں اس ذات کا بیٹا ہوں جسے فرشتوں نے سجدہ کیا لوگوں نے پوچھا وہ کون بزرگ تھے۔ اس نے بے ساختہ جواب دیا کہ آدم!!!

(۱۱) مبرّد کا کہنا ہے کہ ابو ہذیل کا ایک شاگرد بصرے سے بغداد پہنچا تو اس کی پہلی ملاقات دو مخنثوں سے ہوئی، اتفاق سے آنے والا صورتاً بھی خاصا بدشکل تھا۔ اس سے ایک مخنث نے پوچھا کہ بھائی کہاں سے آرہے ہو۔ اس نے جواب دیا بصرے سے آرہا ہوں۔ کہیں بیٹھنے کا ٹھکانہ چاہتا ہوں اس پر ایک مخنث نے دوسرے مخنث سے کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ سُبْحَانَ اللّٰہ اے بہن ذرا دیکھ تو زمانہ کتنا بدل گیا، بصرہ میں انقلاب آگیا۔ پہلے یمن کے علاقے

بندر آیا کرتے تھے اور اب یہ بصرے سے آنے لگے۔

(۱۲) ابو السحارث کا ایک کنیز پر دل آگیا۔ اس کے فراق میں اس کا بُرا حال تھا، اپنی بے تابی کی شکایت محمد بن منصور سے کی تو اس نے کنیز خرید کر حارث کے یہاں بھیجدی۔ لیکن حارث کا سارا معاملہ کاغذی تھا۔ کنیز سے کچھ بھی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ رات گزرنے پر صبح کو حارث کی محمد بن منصور سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا کہو رات کیسی گزری؟

حارث نے کہا کہ سب سے بری رات یہ تھی جو آج گزری کیوں کہ میرے پاس جو شئی تھی وہ بنو امیہ کی طرح (کٹر اور ضدی) ہوگئی جو دوسرے کی بات ماننے پر ہرگز تیار نہیں ہوئے۔ بس اس سے زیادہ کیا کہوں۔

محمد بن منصور نے پوچھا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ حارث نے کہا کہ بس وہی جو اضطل شاعر نے اس شعر میں بتایا ہے کہ ؎

شمس العداوۃ فی تستقادفم
واعظم النّاس اصلًا یا اذا قدروا

یعنی بڑی حیثیت کے لوگ دشمنی کے آفتاب ہوتے ہیں۔ اس کی تدبیر اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کی تعمیل حکم کی جائے۔ اور بڑے رتبہ والے بردبار اور (ٹھنڈے) ہو جاتے ہیں جب وہ دشمنی پر قابو پا لیتے ہیں۔ حارث کی یہ توجیہ سن کر محمد بن منصور اور سارے ہی حاضرین کو بے تحاشہ ہنسی آگئی۔

(۱۳) خلیفہ ہشام کے مصاحبین کو کئی ماہ تک تنخواہ نہ ملی تو انھوں نے اسلم بن احنف کو توجہ دلائی کہ وہ ہشام کے دربار میں پہنچے اور اس سے کہا:

امیر المومنین اب آپ کے مصاحبین میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں کہ اگر سرِ راہ کوئی آئے اور مفلس کے لفظ سے کسی کو پکارے تو ہر ایک مصاحب یہ

سمجھے گا کہ مجھے مخاطب کر رہا ہے۔

ہشام یہ سنکر ہنسا اور سمجھ گیا، پھر سب کی تنخواہیں جاری کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

(۱۴) ایک ہاشمی شخص کے رویے کا کچھ لوگوں نے اس کے چچا سے شکوہ کیا۔ چچا نے اس کی بدتمیزی اور بداخلاقی کا حال سنا تو اسے سزا دینا چاہی۔ اس پر اس ہاشمی نوجوان نے اپنے چچا سے کہا۔ مجھے عقل نہ تھی تو مجھ سے قصور ہوا۔ مگر چچا جان اللہ نے آپ کو دانش مند بنایا ہے۔ آپ کو میرے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ چچا نے یہ سنکر معافی دے دی۔

(۱۵) ایک عراقی وفد سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں حاضر ہوا۔ ان کے نمائندے نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے امیر المومنین! آپ کی خدمت میں ہماری حاضری نہ کسی لالچ کے سبب ہے نہ کسی خوف کے باعث، خلیفہ نے پوچھا پھر آنے کا مقصد کیا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ہم اظہارِ تشکر کے لیے آئے ہیں عطیات کے حصول کا لالچ تو یوں نہیں کہ _____ عطایا ہمیں گھر بیٹھے مل جاتے ہیں۔ ڈر یوں نہیں کہ آپ کے عدل و انصاف کی بدولت ہم نہایت چین کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ زندگی ہمیں اس لئے مرغوب ہے کہ آپ کے عادلانہ طرزِ حکومت نے ہمیں امن و سکون بخشا ہے اور موت بھی یوں ہمارے لیے یوں آسان ہو گئی ہے کہ آپ کی غریب پروری اور بیداری کی بدولت ہمیں اپنے پسماندگان کی طرف سے کوئی فکر نہیں رہا اور ہم نہایت اطمینان سے مر سکتے ہیں۔

سلیمان بن عبدالملک وفد کے اس ترجمان کی باتوں سے بہت خوش ہوا اور اس کو اور اس کے شرکاء وفد کو بہت کچھ دے کر رخصت کر دیا۔

(۱۶) ابوالحسن مدائنی نے ایک عالم کے حوالہ سے نقل کیا کہ بصرے میں ان کے ایک

خوش طبع اور باذوق دوست تھے۔ انھوں نے ان کی دعوت کا وعدہ کر رکھا تھا چنانچہ وہ دوست ان کی طرف آتے تو یہ ان سے کہا کرتے کہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یعنی تمھارا وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم اپنے وعدہ میں سچے ہو۔

قرآن کی یہ آیت سُن کر وہ دوست خاموش ہو جاتے۔ آخر جس طرح کی دعوت وہ کرنا چاہتے تھے جب انھوں نے اس کا انتظام کر دیا اور ان کے یہاں آئے اور انھوں نے اس سے پھر وہی قول دہرایا تو جواب میں فوراً انھوں نے یہ آیت پڑھی اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ یعنی جس بات کو تم جھٹلایا کرتے تھے آج اس طرف چلو۔

(۱۷) ہلال بن محسن کا بیان ہے کہ ایک شخص ابوالعجب بے مثال شعبدہ باز تھا۔ ایک مرتبہ وہ خلیفہ مقتدر باللہ کے محل میں گیا تو اس نے دیکھا کہ خلیفہ کے خاص خدام میں سے ایک شخص کی بلبل اتفاق سے مر گئی اور اس کے غم میں وہ رو رہا تھا۔ اس نے ابوالعجب سے کہا کہ ہم تو تمھارے جب قائل ہوں گے جب تم میری بلبل کو زندہ کر دو گے ابوالعجب بولا۔ یہ کون سی بڑی بات ہے؟ تمھارا مشار پورا ہو جائے گا۔

پھر ابوالعجب نے مُردہ بلبل اٹھائی اور اس کا سر کاٹ کر اسے اپنی آستین میں رکھ لیا اور سر جھکا کر بیٹھ گیا اور کچھ ہی دیر میں آستین کے اندر سے زندہ بلبل نکال کر دکھائی سارا محل اس شعبدہ پر متعجب تھا۔ اس پر علی بن عیسیٰ نے اس کو ڈانٹ پلائی کہ سچ سچ بتاؤ معاملہ کیا ہے؟ ورنہ آج تجھے جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ تب ابوالعجب نے کہا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے اس خادم کو مری ہوئی بلبل کے غم میں روتا ہوا دیکھا تھا تب میرے دماغ میں آیا کہ چلو اس بہانے اس سے کچھ جھٹک لیا جائے میں نے فوراً جا کر بازار سے ایک بلبل خریدی اور اسے آستین میں چھپا کر لے آیا۔ بس اتنا معاملہ ہے، پھر میں نے مری ہوئی بلبل کا سر آستین میں رکھ لیا پھر موقع دیکھ کر اُسے

منھ میں رکھ لیا اور زندہ بلبل آستین کے اندر سے نکال دی۔ جس سے کسی کو بھی شبہ نہ ہوا اور مری ہوئی بلبل کا سر الگ سے دکھلا دیا۔

(۱۸) ہارون رشید کے سامنے ایک مجرم پیش کیا گیا تو ہارون رشید نے پوچھا کہ تو وہی ہے جس نے فلاں فلاں جرم کیے۔ اس نے اعتراف کیا اور کہا بے شک امیر المومنین میں وہی ہوں جس نے اپنے اوپر زیادتی کی اور آپ کے عفو و کرم پر بھروسہ کیا۔ یہ سن کر ہارون نے اس کی جان بخشی کر دی۔

(۱۹) ایک ادیب کی اپنے ایک دوست سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کے بارے میں یہ تعریفی جملہ کہا۔ خدا کی قسم آپ کی ذات دنیا کے ایک باغ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس پر اس نے جواباً کہا کہ آپ کا اگر ایسا خیال ہے تو پھر جس نہر سے یہ باغ سیراب ہوتا ہے وہ آپ ہی ہیں۔

(۲۰) گورنر کوفہ کے مظالم کی شکایت خلیفہ مامون رشید سے اہل کوفہ نے کی تو مامون رشید نے اپنے گورنر کی حمایت کی اور کہا کہ میں تو اسے سب سے زیادہ منصف سمجھتا ہوں تو نمائندگان کوفہ میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ .... امیر المومنین تب تو اس جیسے عادل کے عدل میں سب ہی بندوں کا حق ہے اور ان سب کو آپ یہ حق ضرور دیں تاکہ آپ کی ہر پابندی سے آپ کی ساری رعایا یکساں طور پر فیضیاب ہو سکے۔ البتہ ان عادل صاحب کے عدل و انصاف کا لطف ہمارے لیے تین سال تک بہت ہے۔ اس سے زیادہ کے لیے معاف کیا جائے۔ مامون نے یہ بات سنی تو ہنس پڑا اور اس گورنر کے تبادلہ کا حکم جاری کر دیا۔

(۲۱) ایک خوش مذاق آدمی نے اپنے چند دوستوں کی دعوت کی۔ ان کے ساتھ ایک بن بلایا طفیلی شخص بھی آ گیا۔ میزبان نے اسے دیکھ لیا۔ کھانے سے فراغت کے بعد اس نے کھڑے ہو کر حاضرین سے کہا:

اس وقت میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میں شکریہ کن کا ادا کروں۔ آپ حضرات کو میں نے تشریف لانے کی زحمت دی اور آپ نے آنے کی تکلیف گوارا فرمائی، یا ان کا شکریہ ادا کروں جنھوں نے میری کسی گزارش اور بلاوے کے بغیر میرے گھر آنے کی زحمت گوارا فرمائی۔

(۲۲) یموت بن الزرع کہتے ہیں کہ سہل بن صدقہ کا اور میرا آپس میں دوستانہ اور مذاق، دل لگی کا معاملہ تھا۔ ایک بار اسمٰعیل بن صدقہ نے مذاقاً کہا کہ اللہ تیرے نام (یموت) کو مارے یعنی تجھے موت آجائے۔ میں نے فوراً جوابی فقرہ کسا کہ خدا تجھے تیرے باپ کے نام (صدقہ) کا تجھے محتاج بنا دے تو مانگ کر کھانے لگے۔

(۲۳) ایک شخص سرِ راہ کھڑا تھا کسی دانشور کا ادھر سے گزر ہوا تو پوچھا کہ بھائی کیوں کھڑے ہو ـــــ اس نے جواب دیا کہ ایک انسان کے انتظار میں ہوں۔ اس پر اس دانشور نے کہا ـــــ بھائی پھر تو تمھیں ابھی بہت انتظار کرنا ہوگا۔

(۲۴) کسی ترکی نے اپنی قبا کا ناپ دینے کے لیے درزی کو بلوایا۔ درزی نے ناپ لے کر کپڑا کاٹنا شروع کیا مگر اس ترکی کی نگاہ برابر کپڑے پر جمی ہوئی تھی اور درزی کو کپڑا بچانے کا موقع ہاتھ نہیں آرہا تھا۔ یہ دیکھ کر درزی نے زور سے پاد مارا بھڑاک سے آواز آئی تو ترکی کو بے اختیار ہنسی آئی اور اتنی آئی کہ دوہرا ہو گیا بس اسی وقفے میں درزی نے کپڑا اڑا لیا۔ ترکی کی ہنسی رکی تو اس نے مزید لطف اندوزی کے لیے درزی سے کہا کہ بھئی ایک بار پھر۔ اس پر درزی نے بے ساختہ جواب دیا کہ بس اب نہیں ورنہ قبا چھوٹی پڑ جائے گی۔

(۲۵) ایک آدمی بکری لیے جارہا تھا۔ کسی نے راہ میں پوچھا کہ بکری کتنے میں

خریدی ہے۔ اس نے کہا کہ چھ میں خریدی ہے اور سات درہم والی سے بہتر ہے۔ اس کے آٹھ لگ گئے ہیں۔ تم نو لگاتے ہو تو میں رسّی بھی دے دوں گا۔

(۲۶) ایک نابینا کی شادی ہوئی تو رات کے وقت اس کی بیوی نے اس سے کہا کاش تجھے میرا حُسن و جمال اور میری گوری رنگت دکھائی دیتی تو حیرت میں پڑ جاتا۔

اس نابینا نے فوراً جواب دیا۔ نیک بخت! اگر تو ایسی ہی ہوتی جیسی اپنے آپ کو بتاتی ہے تو آنکھوں والے تجھے مجھ اندھے کے واسطے کس طرح چھوڑ دیتے۔

(۲۷) ایک ضرورت مند نے ایک صاحبِ حیثیت کو اس کا وعدہ یاد دلا دیا اور کہا کہ اپنا وعدہ پورا کیجیے۔ وہ شخص بولا کہ میں نے تو کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ سائل نے کہا کہ آپ کی بات اس لیے درست ہے کہ میرے جیسے بے شمار لوگ آپ سے ملتے ہیں۔ اس لیے یاد نہ رہنا تعجب کی بات نہیں۔ لیکن میں اس وعدہ کو بھول نہیں سکتا کہ آپ جیسے اصحاب بہت کم ہیں۔ اس پر وہ شخص بولا کہ واقعی تمہاری بات ٹھیک ہے اور پھر اس سائل کا سوال پورا کر دیا۔

(۲۸) کسی کے مکان میں ایک شخص مزدوری پر کچھ مرمت کا کام کر رہا تھا۔ گھر والا آیا تو اس نے اس مزدور سے کہا کہ تمھیں چھت کی یہ جھکی ہوئی کڑیاں درست کرنی ہیں۔ مزدور نے جواب دیا کہ جناب! اس کا فکر نہ کیجیے۔ یہ رکوع کی حالت میں خدا کی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔ صاحبِ خانہ نے کہا کہ ٹھیک ہے مگر ان پر زیادہ جذبۂ اخلاص طاری ہوا تو پھر یقیناً سجدہ میں پڑ جائیں گی۔

(۱۹) مزید کا واقعہ ہے کہ وہ گوشت کی بھنائی کر رہا تھا اس کے کچھ دوست آگئے اور انہوں نے اسے دیگچی پر کھڑے دیکھا تو ایک دوست آگے آیا اور اس سے ایک بوٹی نکال کر کھائی پھر بولا کہ ہانڈی میں سرکہ اور پڑنا چاہیے، دوسرے دوست نے

بوٹی نکال کر کھائی تو کہنے لگا کہ اس میں نمک کم ہے اور تیسرا دوست بڑھا اور اس نے بھی بوٹی نکال کر کھائی اور بولا کہ اب تو دیگچی کو گوشت کی ضرورت ہے۔

(۳۰) سعید بن مسلم دوستوں کے ساتھ اپنے باغ میں بیٹھے تھے۔ انھوں نے دوستوں سے پوچھا کہ ان کو یہ باغ پسند آیا۔ دوست نے کہا کہ جناب باغ عمدہ ہے مگر آپ اس باغ سے کہیں خوب تر ہیں کہ باغ تو سال میں ایک بار پھل دیتا ہے اور آپ کی ثمر باری سے ہم روز لطف اٹھاتے ہیں۔

(۳۱) دربار میں بادشاہ کے سامنے ایک شخص کھڑا ہوا تھا، تو بادشاہ نے پوچھا کیوں کھڑا ہے؟ اس نے جواب دیا تاکہ بٹھا دیا جاؤں۔ یہ جواب سُن کر بادشاہ نے ایک منصب بخش دیا۔

(۳۲) امیر کوفہ عریان بن الہیثم کے سامنے ایک مخنث کو لایا گیا اس سے امیر نے پوچھا کہ کم بخت بڑھاپے میں ہیجڑا بنا پھرتا ہے۔ اس پر وہ بولا کہ اللہ جناب کو عزتِ مزید عطا فرمائے یہ تو ایسی ہی تہمت ہے جیسی امیر کے بارے میں لوگ فرماتے ہیں۔ ہیثم اٹھ کر بیٹھ گیا اور چونک کر پوچھا کہ بھلا میرے متعلق لوگ کیا کہتے ہیں؟۔ ہیجڑے نے کہا کہ حضور کو لوگ عُریان یعنی برہنہ کہتے ہیں۔ جب کہ آپ بیسیوں جبّوں اور قباؤں کے مالک ہیں ——— امیر کوفہ کو اس پر بے ساختہ ہنسی آگئی اور اسے رہا کر دیا۔

(۳۳) جعفر برمکی نے ایک بار اپنے مصاحب سے کہا کہ خدا کی قسم مجھے ایک ایسا آدمی دیکھنے کی بڑی تمنّا ہے جو حقیقتاً انعام واکرام کا مستحق ہو۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ جناب یہ بھی کوئی مشکل بات ہے۔ جعفر نے کہا تو پھر ایسا آدمی بتاؤ اس نے آئینہ اٹھا کر جعفر کے روبرو کر دیا۔

(۳۴) ابو ہیفان کسی کے ساتھ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ ایک اصفہانی

شخص نے ان کی سرگوشی دیکھی تو بولا تم دونوں کسی کے متعلق کوئی گفتگو کر رہے تھے۔ ابو ہیفان نے کہا۔ تمہاری خوبیوں کا ذکر تھا۔

(۳۵) ایک قصاب بغداد کے بازار میں ایک بہت دُبلی پتلی گائے فروخت کر رہا تھا کہ وہ شخص آئے جس نے آج بازار سے نقصان اٹھانے کی قسم کھائی ہو۔ اس پر کسی نے کہا۔ اور آپ اس کی قسم توڑنے کی فکر میں ہیں ـــــ کہ ایسی مریل گائے اس کے ہاتھ بیچنا چاہتے ہیں۔

(۳۶) ایک ہیجڑا اپنے افعال سے تائب ہو گیا تھا۔ اتفاق سے ایک دوسرے ہیجڑے سے ملاقات ہوئی تو اس ہیجڑے سے پوچھا کہ دھندا تو چھوڑ چکے اب کہاں سے کھا رہے ہو۔ اس نے کہا کہ پچھلی کچھ کمائی باقی ہے۔ اس پر وہ ہیجڑا بولا کہ کہتے ہیں کہ سور کے تازہ گوشت سے باسی گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔

(۳۷) نماز کے دوران ایک شخص کا جوتا کسی نے مسجد سے چرا کر قریب کے یہودی معبد میں رکھ دیا۔ نماز سے فارغ ہو کر اس شخص نے جوتا ڈھونڈا تلاش کرتے کرتے یہودیوں کے کلیسا میں ملا جوتا پا کر کہنے لگا کہ کم بخت تیرا ناس ہو میں اسلام لایا تو، تو یہودی بن گیا۔

(۳۸) ایک دعوت میں کچھ زندہ دل اور ہم مذاق اکٹھا تھے۔ اس مجمع میں ایک شخص کا منظورِ نظر بھی موجود تھا، کھانے کے بعد جب لوگ سونے کے لیے پڑ گئے تو اس شخص نے کھڑے ہو کر ہوشیاری سے چراغ بجھا دیا اور تکیہ اٹھا کر چلا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ یہ سونے کے لیے جا رہا ہے۔ اب وہ کھسک کر اپنے منظورِ نظر تک جا پہنچا۔ اس وقت اتفاق سے گھر کی ایک باندی شمع لیے ادھر چلی آئی۔ اس شخص نے اس باندی کو آتے دیکھا تو کھڑے کھڑے دیوار سے تکیہ لگا کر خراٹے لینے لگا۔ باندی نے اسے اس طرح دیکھا تو تعجب سے بولی کہ اس کو کیا ہوا جو

یوں کھڑے کھڑے سو رہا ہے۔ اور خرّاٹے لے رہا ہے؟ اس پر وہ چونکے اور بظاہر جاگ کر بولے خدا کی بندی تجھے اس سے کیا غرض جس طرح ہمارا جی چاہے ہم سوئیں۔

(۳۹) ایک بہت زکی آدمی کا مقولہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد اگر کوئی شخص اپنے دروازہ پر کھڑا ہوا یہ آیت پڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى یعنی اللہ کے پاس جو چیزیں ہیں وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہیں۔ تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ اس کے قریب کسی گھر میں ولیمہ تھا مگر اس کو اس میں نہیں بلایا گیا۔ اسی طرح جب کوئی شخص قاضی کی عدالت سے یہ کہتے ہوئے باہر آتا دکھائی پڑتا ہے کہ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا: یعنی ہمیں جو بات معلوم تھی ہم نے تو اس کی گواہی دی۔ تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس شخص کی گواہی کو قاضی نے رد کر دیا۔

ایسے ہی کسی سے نکاح کے کچھ دن بعد حال احوال پوچھنے پر یہ جواب ملتا ہے کہ:

بھائی ہم نے تو صرف کارِ خیر سمجھ کر یہ کام کیا تھا۔ تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ اسے اپنی بیوی پسند نہیں آئی۔

(۴۰) ایک شخص کے یہاں کوئی مہمان ٹھہرا۔ جس کا قیام گھر کے نیچے کی منزل میں تھا۔ رات کے وقت میزبان کی آنکھ کھلی تو مہمان کے ہنسنے بولنے کی آواز اوپر کی منزل سے آتی سنائی دی۔ تب اس نے اٹھ کر مہمان کو آواز دی۔ اس نے کہا کہ میں یہاں موجود ہوں۔

میزبان نے پوچھا تعجب ہے کہ تم تو یہاں نیچے سوئے ہوئے تھے اوپر کس طرح پہنچ گئے۔ مہمان نے جواب دیا کہ لڑھک کر چلا گیا۔ میزبان بولا کیسی عجیب بات ہے لوگ تو اوپر سے نیچے لڑھکتے ہیں اور تم نیچے سے اوپر کس طرح لڑھک گئے؟

مہمان نے کہا اسی عجیب صورتِ حال پر تو میں ہنس رہا تھا۔

زید نے بکر سے کہا کہ ایک تھپڑ لگاؤں تو تجھ کو مدینے پہنچا دوں ــــ بکر بولا

(۴۱) سُبحانَ اللہ! کیا خوب بات ہو۔ اگر ایک اور تھپڑ لگا دو تو شاید خداوند کریم آپ کے ہاتھوں مجھے مکے پہنچا دے اور حج کی سعادت حاصل کر لوں۔

ایک شریر لڑکے نے ایک یہودی سے کسی بات پر غصے میں کہا:

(۴۲) چچا ذرا رکو تو سہی، میرا ایک تھپڑ تو کھاتے جاؤ۔

یہودی نے فوراً کہا۔ مجھے ذرا عجلت ہے تم یہ تھپڑ میرے بھائی یعنی اپنے باپ کے مارو کہ باپ کے رشتہ سے اس نے یہودی کو چچا کہا تھا۔

ازراہِ مذاق ایک شخص نے ایک گانے والے سے کہا کہ لو تجھے ثقل اوّل کا

(۴۳) ہے نہ ثقلِ دوم کا (ساز کے اندر جو پردے آواز نکالنے کے لیے ہوتے ہیں ان کو ثقل کہتے ہیں) یعنی تو گانے کے فن سے بالکل ناواقف ہے۔

یہ سُنکر گویّا بولا۔ یہ بات تو نے کیسے کہدی۔ میں تجھے خوب جانتا ہوں اور تیرے باپ کو بھی۔ ــــ یہاں اس نے ثقل کے معنی بوجھ مراد لیے۔ یعنی اس اعتراض کرنے والے اور اس کے باپ دونوں کو مہذّب گالی دے دی۔

کسی نے ایک دوکان دار سے بازار کا حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ بالکل بازار

(۴۴) جنت کی طرح ہے کہ وہاں خرید و فروخت نہ ہوگی۔ گویا ظاہر کر دیا کہ کاروبار بالکل ٹھپ پڑا ہے۔

ایک شخص کو ایک دوسرے آدمی سے بہت کچھ شکایت تھی وہ اس کے

(۴۵) پاس گیا تو بولا۔ اب میرے پاس کس مُنہ سے آیا ہے۔ حالانکہ تو نے میرے ساتھ یہ یہ معاملہ کیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس منہ سے آیا ہوں جس مُنہ سے اللہ کے سامنے جاؤں گا۔ جب کہ میں نے کہیں تجھ سے زیادہ اس کی نافرمانی اور گناہ کیے ہیں۔

کسی شخص کے یہاں دو گویّے بلائے گئے گانے کا وقت آیا تو ایک نے
(۴۶) دوسرے سے اصرار کیا کہ جو میں گاؤں اسے دہرانا۔ دونوں ایک دوسرے
کو اپنی بات منوانے پر آپس میں بحث کرتے رہے۔ جب کافی دیر ہوگئی تو صاحب خانہ
نے کہا اچھا تو پھر تم دونوں میری بات مانو اور دونوں کو گھر سے نکال دیا۔

ایک حلوائی کھجور کا حلوا حبیص جو کھجور کے شیرے اور گل سے تیار ہوتا ہے
(۴۷) یوں آواز لگا کر بیچ رہا تھا۔

۲ رطل حبیص ایک جتّے میں ۲ رطل حبیص ایک جتّے میں۔

ادھر سے ایک حساب داں گزرا تو پوچھا۔

ارے بھئی کھجور کا پکا ہوا شیرہ ایک رطل اور روغن ایک رطل ایک قیراط میں
ملتا ہے اور تم حبیص ۲ رطل ایک جتّے میں اس قدر سستا کیسے بیچ رہے ہو؟

یہ سن کر حلوائی بولا۔ کہ جناب اصل میں بات یہ ہے کہ:

اس حبیص میں تو نہ کھجور کا شیرہ ہے نہ روغن ہے۔

تب وہ شخص بولا۔ یہ بات ہے تو اب جس حساب سے چاہے بیچ اللہ تجھے
توفیق خیر دے۔

⁂

یہاں قصّے سُنے جاتے ہیں طارق
حقیقت کی صدائیں ساتھ لے جا

ابنِ ثاقب

باب ۲۱

زکی لوگوں کے ایسے جوابات جو نہایت احتیاط اور ذہانت کے ساتھ دیے گئے

(۱) روایت ہے کہ حضرت [redacted] عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں، یا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں البتہ میری پیدائش حضور سے پہلے ہوئی تھی۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی مدنی شخص سے پوچھا کہ

(۲) تمھاری عمر مجھ سے زیادہ ہے یا میری؟

انھوں نے کہا آپ کی والدہ کی آپ کے والد مطہر کے ساتھ جو رات گزری اس کا مجھے پتہ نہیں [1]

ابن اعرابہ مؤدب سے محمد بن عمر الضبی نے بیان کیا کہ:

(۳) خلیفہ معتز باللہ کے بیٹے کی اتالیقی کے زمانہ میں ایک روز یہ قصہ پیش آیا کہ خلیفہ کے لڑکے نے پارۂ عم کی سورہ النازعات شروع کی تو محمد بن عمر الضبی نے بچے کو بھجایا کہ خلیفہ اس سے آج کا سبق معلوم کریں اور پوچھیں کہ اب تم (دینی تعلیم میں) کس جگہ ہو؟

---

[1] لفظ مطہر یعنی پاکیزہ والد کے ساتھ استعمال کیا۔ والدہ کے ساتھ نہیں کیا۔ کیوں کہ مستورات کے لیے طیب یا طہارت کے لفظ کا اطلاق حیض وغیرہ سے پاک ہونے کی حالت میں کیا جاتا ہے۔

تو یہ جواب نہ دینا کہ والنازعات میں ہوں۔ کہ اس جواب کا مطلب یہ ہو جائیگا کہ میں جھگڑنے والی عورتوں میں ہوں۔ استاذ نے کہا کہ تم جواب اس طرح دینا کہ:

میں سورۂ عبس سے جو سورۃ متصل ہے میرا سبق اس میں ہے۔

چنانچہ خلیفہ نے جب آج کے سبق کے بارے میں پوچھا اور بچے نے استاذ کا بتایا ہوا جواب دیا تو باپ نے پوچھا یہ جواب تجھے کس نے سکھایا۔ بچے نے بتایا کہ استاذ نے۔

امیر خلیفہ معتز باللہ نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور محمد بن عمر الضبی کو دس ہزار درھم کا انعام دیا۔

عبدالواحد کی روایت ہے کہ صاحبِ واقعہ سے انہوں نے سُنی کہ وہ ایک (۴) بار شام کی طرف سفر کر رہے تھے۔ فقیرانہ حالت میں تیس رفیقِ سفر تھے جن کے بدن پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک بوڑھا آدمی ہمارے ساتھ شریکِ سفر ہو گیا جو بہت اچھی وضع قطع میں تھا۔ خود ایک موٹی تازی گدھی پر سوار تھے دو خچروں پر اس کا مال و اسباب اور قیمتی سامان موجود تھا۔ اسے دیکھ کر ہم نے کہا کہ شیخ، ہم قلندر لوگ ہیں ہمیں تو لوٹ مار کا کوئی خطرہ نہیں، مگر تم اس سازو سامان کے ساتھ بہت نڈر ہو کر سفر کر رہے ہو۔ کسی وقت بھی رہزن آ پڑیں اور سب چھین جھپٹ لے جائیں۔ بوڑھے نے جواب دیا اللہ مالک ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ غرض وہ بڑی بے فکری سے ہمارے ساتھ چلتا رہا۔ جب وہ اُتر کر کھانے کے لیے بیٹھتا تو بہت سے شرکائے سفر کو اپنے ساتھ کھانے پینے میں شریک کر لیتا اور ہمارے ساتھیوں میں کوئی تھک جاتا تو اسے اپنے خچر پر بٹھا لیتا۔ اس کے اس برتاؤ سے سفر کے سارے ساتھی بہت متأثر ہوئے اور اس کی بہت کچھ

عزت دلوں میں بیٹھ گئی۔ حتیٰ کہ ہم سفر میں اسی کی ہدایات پر عمل کرنے لگے۔ جب ایک خطرناک مقام پر پہنچے اور ڈاکوؤں کے حملہ کا اندیشہ ہوا تو ہم نے اپنے دفاع کی کوشش کی اور مقابلہ کی تیاری کی تو بوڑھے نے ہمیں روک دیا۔ اور خود سواری سے اُتر کر دستر خوان بچھا لیا اور کھانا شروع کر دیا۔ اتنے میں ڈاکوؤں کا گروہ پہنچ گیا بوڑھے شیخ نے انھیں بھی کھانے کی دعوت دی۔ وہ بھی کھانے بیٹھ گئے۔ پھر شیخ نے اپنا سامان کھول کر اس میں سے بہت حلوا نکال کر دستر خوان پر رکھا۔ ڈاکوؤں نے اسے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد شیخ نے ساتھیوں سے کہا۔ اب تم ذرا ان رہزنوں کے پتھر مار کر دیکھو یہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکیں گے۔ میں نے ایسا حلوہ انھیں کھلایا ہے جس نے ان کے سارے جسم کو سُن کر ڈالا۔ چنانچہ لوگوں نے دو چار پتھر مارے تو وہ واقعی اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کر سکے۔ پھر ہم سب قافلے والوں نے ان کا ساز و سامان اور ہتھیار لے لیے اور انہی کی سواریوں پر سوار ہو کر خوب گھومے پھرے اور پھر اسی ہیئت میں آگے روانہ ہو گئے۔ ہم جہاں پہنچے، لوگ ہمیں ان ہی ڈاکوؤں میں سے تصور کر کے مرعوب ہوئے اور ہم سے پناہ مانگتے۔ غرض ہم سب کے سب بڑے اطمینان کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچے۔

(۵) ابو محمد بن عبداللہ علی المقری کا بیان ہے کہ ایک شخص نے اپنا بہت سا مال دفن کر کے اس پر مٹی ڈالی، پھر اس کے اوپر ایک کپڑے میں بیس دینار لپیٹ کر رکھ دیئے اور اس پر بھی بہت سی مٹی ڈال کر زمین کو ہموار کر دیا۔ کچھ دنوں بعد جب اس نے آکر اس جگہ کو کھودا تو بیس دینار اسے ملے پھر اس کے نیچے کی زمین کھودی تو وہ مال جو دفن کیا گیا تھا وہ مل گیا۔ اس پر اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس نے مال دفن کرنے کی یہ ترکیب اسی لیے اختیار کی تھی کہ اگر مال دفن کرتے وقت کسی نے اسے دیکھ لیا اور اس نے اس جگہ کو کھودا تو وہ بیس دینار نکال کر مطمئن ہو جائیگا

اور نیچے کے مال کی طرف اس کا دھیان نہ جائے گا۔

(۶) ایک یہودی کے پاس کافی زر نقد تھا۔ وہ حمام میں گیا تو اسے خیال ہوا کہ اگر یہ کمر میں بندھا رہا تو کمر بند ٹوٹ جائے گا۔ اس خیال سے اس نے حمام میں ایک جگہ کھود کر رقم کو دبا دیا۔ پھر حمام میں غسل کرنے کی جگہ چلا گیا۔ نکل کر آیا اور اس جگہ کو کھودا تو رقم نہ ملی۔ اس پر اسے بہت رنج ہوا اور اس کا تذکرہ کسی سے نہ کیا۔ بیوی اور بچوں تک سے نہ کیا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک شخص ملا تو اس نے پوچھا کیسے مزاج ہیں، تمہارا دل کس چیز میں اٹکا ہوا ہے۔ یہ یہودی اس بات کے سنتے ہی اسے لپٹ گیا کہ ہو نہ ہو تو نے ہی میرا مال نکالا ہے، کیوں کہ میں نے تو اس کی کسی دوسرے آدمی کو خبر تک نہیں کی۔ اگر تو مال نہ نکالتا تو اس طرح کی بات کہہ ہی نہیں سکتا تھا۔

(۷) ایک شخص کا بیان ہے کہ میں رات کے وقت کسی ضرورت سے باہر نکلا تو ایک اندھے کو دیکھا کہ کندھے پر گھڑا اور ہاتھ میں چراغ لیے نہر کی طرف جا رہا ہے۔ پھر وہاں سے پانی بھر کر اسی طرح واپس آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ بھائی تم تو نابینا ہو۔ دن کی روشنی اور رات کا اندھیرا تمہارے لیے برابر ہے۔ پھر یہ چراغ کیوں لیے ہوئے ہو؟

وہ اندھا بولا یہ چراغ تم جیسے دل کے اندھوں کے لیے ہاتھ میں رکھتا ہوں کہ انھیں راستہ نظر آئے اور اندھیرے میں مجھ سے ٹکرا کر میرا گھڑا نہ پھوڑ ڈالیں۔

(۸) ابوالحسن اصفہانی کی روایت ہے کہ مشہور موسیقار ابراہیم موصلی ہارون رشید کے دربار میں موجود تھا۔ سامنے ایک پری جمال کنیز بیٹھی تھی جس کو خلیفہ نے گانے کا حکم دیا۔ کنیز نے تعمیل حکم میں یہ شعر پڑھے۔

توهّمتُه قلبی. فاصبح خُدّهٗ

دفع مکان الوهم من نظری اثر

یعنی میرے قلب نے اس کا تصور کیا تو صبح کے وقت اس کے رخسار پر میری نگاہِ تصور کے نشانات موجود تھے۔

ومرّ بوهمی خاطرًا فجرحته
وکم از هیما قط یجرحه الفکر

یعنی وہ میرے تخیل کی راہ گزر سے نکلا تو میں نے بھی چرکا لگائے بغیر نہ چھوڑا اور میں نے صرف اسی محبوب کا نازک بدن ایسا پایا کہ جو عاشق کی محض نگاہِ تخیل سے چھل گیا۔

ابراہیم موصلی کا کہنا ہے کہ اس ظالم کی زبان سے یہ شعر سنتے ہی میرے ہوش اڑ گئے، ضبط کا یارا نہ رہا آخر میں نے پوچھ ہی لیا کہ امیر المومنین یہ قیامت کون ہے؟ ہارون نے جواب میں شعر پڑھا ؎

لها قلبی العذرة وقلبها لی
فنحن کذالك فی جسدین روح

میرا دل اس کا ہے اور اس کا دل میرا ہے۔ اور ہم ایک جان دو قالب ہیں۔

اس کے بعد ہارون رشید نے ابراہیم سے گانے کی فرمائش کی ابراہیم نے یہ شعر پڑھے ؎

تشرّب قلبی حبّها ومسّنی بها
تمشی حُمیا الکاس فی جسم شارب

یعنی میرا دل اس کی محبت سے اس طرح سرشار ہو کر چلا جس طرح تیز و تند شراب کا نشہ شرابی کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔

ودُبّ هوًی کمافی عظامی فی عظامی فثقها
کماربّ فی المسموع سُمّ العقاربُ

یعنی اس کا عشق میری ہڈیوں میں اس طرح سرایت کر گیا کہ ہڈیاں بھی اس طرح کمزور و لاغر ہو گئیں جیسے بچھو کاٹے شخص میں زہر دوڑ جاتا ہے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ ہارون رشید میرے اشاروں و کنایوں کو تاڑ گیا اور... واقعی میری یہ بھول تھی۔ چنانچہ ہارون نے مجھے گھر جانے کا حکم دیا اور مہینہ بھر تک مجھے دربار میں نہیں بلوایا۔ ایک عرصہ کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شاہی ملازم ایک پرچہ لیے چلا آرہا ہے اس میں یہ شعر درج تھے:

قد تخوف ان اموت من الوجد

ولم یدر من ھویت بحالی

یعنی میں ڈرتی ہوں کہ محبت میں ختم ہو جاؤں گی۔ اور جس کے عشق میں میرا یہ حال ہوا ہے، اس کو خبر بھی نہ ہوگی۔

یا کتابی اقرأ السلام علی من

لا اُسمّی وقل لہٗ یا کتابی

یعنی اے مکتوبِ محبت! اس بے نام کو میرا سلام پہنچا۔ اور اے میرے خط اس سے یہ کہدینا کہ:

انّ کفّا الیک قد کتبنی

فی شقاءٍ مواصل وعذابِ

کہ جس ہتھیلی نے مجھے تیرے لیے لکھا ہے وہ مسلسل بدنصیبی اور وبال میں گرفتار ہے

یہ رقعہ میں نے پڑھا تو ملازم سے پوچھا یہ کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ اس کنیز کا خط ہے جس نے ایک دن خلیفہ کے سامنے دربار میں تمھیں سنانے کے لیے غزل سرائی کی تھی۔ بس میں معاملہ کی تہ تک پہنچ گیا اور ملازم کو بہت کچھ برا بھلا کہا اور کچھ پٹائی بھی کی۔

میں اس کے بعد فوراً خلیفہ کے دربار میں پہنچا اور یہ قصہ بیان کر کے وہ پرچہ اسے دکھایا۔ اسے دیکھ کر خلیفہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے اور کہا کہ یہ تو تمھاری آزمائش تھی جو ہم نے قصداً کی تھی۔ پھر اسی ملازم کو بلوایا اس نے مجھے یہاں موجود پایا تو بولا۔

خدا تجھے سمجھے تو نے تو آج میرا کچومر ہی نکال دیا۔ میں نے کہا، واہ۔ یہ بھی خوب رہی۔ تو نے بھی میری جان لینے میں کیا کسر چھوڑی تھی۔ میرا کیا حال ہوا بس میں ہی جانتا ہوں میں نے تجھے چھوڑ دیا مگر میں نے امیر المومنین کو پوری بات بتادی ہے۔ تو جس سزا کا مستحق ہے وہی دیں گے۔

اس تمام قصے کے بعد ہارون رشید نے مجھے بہت انعام واکرام سے نوازا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں جو پہلوتہی اختیار کی تھی وہ از راہِ تقویٰ و تقدس نہ تھی بلکہ خلیفہ کے خوف اور اس کی گرفت کے باعث کی تھی۔

---

(۹) علی بن المہلب کے اوپر چھت سے ایک سانپ آگرا، مگر اس نے اٹھا کر نہ پھینکا۔ یہ دیکھ کر اس کے باپ نے کہا کہ:۔

تو نے شجاعت کا مظاہرہ کیا مگر عقل مندی نہ دکھائی۔

* * *
* *
*

خِرد اندیشۂ انجام میں گم
جنوں انجام کا قائل نہیں ہے

شمیم جے پوری

باب ۲۲

شاعروں اور قصیدہ نگاروں کی ذہانتیں

(۱) یموت بن المزرع کا بیان ہے کہ حجاز ایک مرتبہ جعفر بن القاسم کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا مگر دونوں کے دسترخوان الگ الگ تھے۔ جعفر کے دسترخوان سے پلیٹیں پہلے بعد میں حجاز کے دسترخوان پر بھیجی تھیں کسی پلیٹ میں سالن بچا ہوا ہوتا اور کوئی پلیٹ خالی آتی۔

امیر حجاز بولا۔ خدا امیر المومنین کا بھلا کرے آج تو ہم عصبہ والوں ہی میں داخل ہیں۔ کہ کبھی کوئی بچا کچا مال ہمارے حصے میں آجاتا ہے ورنہ زیادہ تر تو اہلِ سہام اصحابِ فروض۔ ہی چٹ کر جاتے ہیں اور ہمارے واسطے کچھ نہیں بچتا۔

(۲) ابو الحسن السلامی شاعر کا بیان ہے کہ سیف الدولہ ابن حمدان کو ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا۔ اس میں سیف الدولہ کی شان میں ایک شعر یہ بھی تھا

فَوَجْهُهُ كُلُّهُ قَمَرٌ

وَسَائِرُ جِسْمِهِ أَسَدٌ

اس شعر کو سُننا تھا کہ سیف الدولہ اپنی اس انوکھی تعریف پر جھوم اٹھا اور اس شعر کو بار بار سُنا۔ اتفاق سے اسی وقت دربار میں شیطی شاعر پہنچ گیا سیف الدولہ نے اس سے کہا دیکھو قصیدہ کا یہ شعر تو سنو کیا بات پیدا کی ہے۔

شیخ نے شعر سن کر کہا کہ حضور! خدا کا شکر ادا کیجیے، قصیدہ گو نے آپ کو عجائب البحر بنا دیا۔ جو ایک عجیب الخلقت سمندری جانور ہے۔

(۳) طاہر بن الحسن عیسیٰ بن ہامان سے معرکہ آرائی کے لیے چلا تو فقراء پر تقسیم کرنے کے لیے آستین میں درہم بھر لیے۔ لیکن خیال نہ رہا تو ہاتھ نیچے کرنے سے وہ سب درہم نکل کر جا پڑے جسے اس نے بدشگونی سمجھا۔ اس پر اسی وقت ایک شاعر نے یہ شعر کہا ؎

ھٰذا تفرق جمعھم لاغیرہٗ
وذھابہٗ مناذھاب الھمّ

یعنی دوسروں کا بکھرنا دشمنوں کے تتر بتر ہونے کے سوا اور کسی بات کی دلیل نہیں۔ اور اس سرمائے کا ہمارے پاس سے جانا گویا کہ غم کا دور ہو جانا ہے۔

شئی یکون الھمّ نفف صروفہ
لاخیر فی امساکہ فی الکمّ

جس چیز کے آدھے دف ہم یعنی غم ہوں اس کو آستین میں روکے رکھنا اچھی بات نہیں ہے۔

(۴) عبدالملک کے سامنے ایک واجب القتل خارجی کو لایا گیا۔ عبدالملک نے قتل کا حکم دیا تو وہ بولا کہ کیا تم نے یہ شعر نہیں سنا ؎

ومنّا سوید والبطین وقعنب
ومنّا امیر المومنین شبیبُ

یعنی جماعت میں سوید بطین اور قعنب ہیں اور ہم میں سے امیر المومنین شبیب کبھی بنو امیہ کے مقابلہ میں خارجی اٹھے تو ان کے جو سردار تھے اس شعر میں ان کے نام گنائے ہیں اور شبیب ان خارجیوں کا امیر تھا تو شعر کی ترتیب سے

تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس خارجی شخص نے شبیب کو خارجیوں کا امیر کہا ہے۔ مگر شعر پڑھنے کے بعد اس شخص نے وضاحت کی کہ:

میں نے امیر المومنین کہا ہے یعنی لفظ "امیر" پر زبر پڑھا ہے جس سے یہ مطلب نکلتا ہے:

اے امیر المومنین شبیب بھی ہم ہی میں سے ہے

اس کی تشریح کے بعد عبد الملک نے اس کے قتل کا حکم واپس لے لیا۔ اور اسے رہا کر دیا۔

(۵) ابو عثمان مازنی کی ایک شاعر نے بہت پُر لطف ہجو کی اور یہ شعر کہے:

وقتی من ماذنٍ سار اھل البصرۃ

اُمّہٗ معرفۃٌ وابوہ نکرۃ

بصرہ والوں کا حاکم ایسا نوجوان بن گیا جس کی ماں "معرفہ" اور باپ "نکرہ" ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں ابو عثمان کو نطفۂ حرام کہہ دیا۔

(۶) ہارون رشید کے یہاں عبد الملک بن صالح پہنچے تو اندر جانے سے پہلے اسمٰعیل بن صبیح سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ خلیفہ کے دو لڑکوں کی ولادت ہوئی، مگر ایک زندہ ہے اور دوسرا مر گیا اس لیے خلیفہ سے آپ کی گفتگو میں اس صورتِ حال کی پوری پوری رعایت ہونی چاہیے۔ چنانچہ جب وہ ہارون رشید کے روبرو پہنچے تو اس طرح بات شروع کی:

امیر المومنین! آپ کو اس امر میں جو سببِ ناگواری (جزائے خیر کی) خوشی عطا فرمائے اور اسی بات میں جو مسرت کا باعث بنی ناپسندیدہ پہلوؤں سے محفوظ رکھے اور ہر ایک کا ایسا بدل عطا فرمائے جو عادت اللہ کے مطابق شکر گزاروں کیلیے (نعمتوں کی) فراوانی کا ذریعہ اور صبر کرنے والوں کے لیے (اچھی) جزا کا سبب بنے۔

گویا ایک لڑکے کی پیدائش پر شکر گزاری کی اور دوسرے کی موت پر صبر و ضبط کی تلقین ایک ساتھ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ کی۔

(۷) جعفر البصی وزیر فضل بن سہل کے یہاں پہنچا تو عجیب انداز سے اس کی تعریف کی۔ اس نے کہا:

اے امیر! سیاست و قیادت کے اعلیٰ منصب پر آپ کا کردار جتنا موزوں ہے اس کی بنا پر آپ کے اوصافِ حسنہ کے اظہار سے میری زبان قاصر ہے اور اس کی اتنی مثالیں ہیں جنھوں نے مجھے حیرت میں مبتلا کر دیا ان سب کو پوری طرح بیان کرنا ممکن بھی نہیں۔ جب کسی ایک وصف کو بیان کرنا چاہتا ہوں تو اسی جیسی دوسری اعلیٰ صفت سامنے آجاتی ہے۔ پہلے وصف کو اس پر ترجیح دینے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی اب میرے سامنے بس یہی ایک راہ باقی ہے کہ آپ کے اعلیٰ اوصاف کے اظہار سے اپنی معذوری اور عجز کا اعتراف کر لوں۔

(۸) مدائنی کہتے ہیں کہ خلیفہ عبدالملک کے یہاں نصیب حاضر ہوا تو خلیفہ نے اسے اپنے دسترخوان پر ساتھ بٹھایا۔ خلیفہ نے کہا کہ تم کو ہم دربار میں جگہ دینا چاہتے ہیں ——— !

نصیب نے عرض کیا۔ امیر المومنین! رنگ میرا سیاہ، بال میرے غلیظ، صورت میری بھونڈی اور اس پر آپ مجھے یہ اعزاز و اکرام دیں جس کا سبب نہ آبائی شرف، نہ خاندانی عظمت ہو۔ جب کہ درباری لوگوں کو وجیہہ و جمیل ہونا چاہیے ——— تو امیر المومنین! خدا کے واسطے مجھے اپنے زورِ بازو سے حاصل کردہ عظمت اور اپنے ذاتی اوصاف کی بنا پر حاصل شدہ عزت سے محروم نہ فرمائیں ——— یعنی مجھے نہ خاندانی عظمت حاصل ہے نہ چہرے کی وجاہت اور نہ بااثر شخصیت، پھر میں آپ کا درباری بن جاؤں تو ان اوصاف کی موجودگی میں لوگ مجھے حقیر تصور کریں گے اور میری ذاتی عزت اور میرے

اپنے ذاتی اوصاف کی ساکھ بھی باقی نہ رہ سکے گی۔

اس پر خلیفہ نے درباری منصب کی پیش کش واپس لے لی۔

(۹) مدائنی کا بیان ہے کہ چند خوش ذوق خواتین بشار بن برد کی مجلس میں موجود تھیں بہت دیر تک وہ بشار بن برد سے پُر لطف باتیں کرتی رہیں۔ اخیر میں ان خواتین نے بشار بن برد سے کہا، ہماری خواہش یہ ہے کہ ہم آپ کو اپنا باپ قرار دے لیں۔ اس پر بشار بن برد نے کہا:

یہ اسی وقت مناسب تھا جب میں مجوسیوں کے مذہب پر ہوتا ـــــ کیونکہ مجوسیوں کے یہاں بیٹی بھی بیوی بن سکتی ہے۔

(۱۰) کسی شہر میں ایک نووارد شاعر کی لوگوں نے بڑی آؤ بھگت کی جو شہر کے ایک قدیم شاعر کو ناگوار گزری اس پر اس نے اہلِ شہر کو خطاب کرکے اپنی حیثیت جتانے کے لیے یہ شعر کہا ؎

وَتَشَابَهَتْ سُوَرُ الْقُرْآنِ عَلَيْكُمُوا

فَقَرَنْتُمُ الْاَنْعَامَ بِالشُّعَرَاءِ

اے شہر والو! تمھیں قرآنی سورتوں میں متشابہ لگ گیا، کیوں کہ تم نے سورۂ اَنعام کو سورۂ شعراء کے ساتھ جوڑ دیا ہے حالاں کہ دونوں میں بہت فاصلہ ہے۔

یہاں شاعر نے تلمیح کے طور پر شعراء اپنی ذات کو مراد لیا ہے اور اَنعام سے وہ نووارد شاعر۔ کہ اَنعام کے معنیٰ چوپائے کے ہیں گویا کہ وہ کہنا چاہتا ہے کہ تم نے ایک چوپائے کو شاعر کے برابر کردیا ہے۔

(۱۱) یسیر نامی ایک امیر شخص کی کسی نے تعریف کی کہ فضل یسیر فی البلاد یسیرُ کہ یسیر کی بخششیں شہر شہر میں پھر رہی ہیں۔ اس جملے پر کسی نے اس تعریف کرنے والے سے کہا۔ میاں تمھیں یہاں سے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اس پر اس نے کہا کہ

یسیر نے اگر مجھے کچھ نہ دیا پھر میں اپنے اس جملہ کے ساتھ ساتھ اس کی تشریح بھی کردونگا اور اپنی انگلیوں کو ہلا کر یہ ظاہر کر رہا تھا کہ بخشش تو اس کی ہے مگر تھوڑی سی ہے۔

ایک شاعر نے امیر کی تعریف میں یہ شعر کہا؛

(۱۲) تجلّی باسماء الشّھور فکفّہ
جُمادیٰ وما ضمّت علیہ المُحرّمُ

وہ مہینوں کے نام سے مزین ہے یعنی اس کی صفات میں مہینوں کی تاثیر آگئی ہے کہ اس کی ہتھیلی جمادیٰ ہے اور ہتھیلی سے جو چیزیں متصل ہیں یعنی انگلیاں وہ محرم ہیں گویا ہتھیلی جود و بخشش کے لیے ہر وقت کھلی رہتی ہے بند نہیں ہوتی اور انگلیوں کا بند ہونا حرام ہے۔ اور یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ ہتھیلی کنجوسی کی بنا پر منجمد ہے۔ کسی کو اس سے کچھ نہیں ملتا اور انگلیوں پر بھی داد و دہش کے لیے حرکت حرام کردی گئی۔

دعوت کھا کر آنے والے ایک شخص سے لوگوں نے پوچھا، دعوت کیسی رہی؟

(۱۳) اس نے کہا۔ دعوت میں پانی کے علاوہ ہر چیز ٹھنڈی تھی۔

ابو یعقوب خرّمی ایک جگہ کھانے پر مدعو تھا۔ سکباجہ نامی کھانا دسترخوان پر

(۱۴) آیا، جو سرکہ اور گوشت ملا کر پکایا جاتا ہے اس میں صرف بڑی بڑی ہڈیوں پر نظر پڑی تو بولا کہ یہ تو شطرنجیہ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی شطرنج کی بساط ہے جس پر شطرنج کے مہروں کی ہڈیاں بکھری ہوئی ہیں۔

اس کے بعد فالودہ آیا تو اس میں میٹھا کم تھا۔ کھایا تو کہنے لگا شاید یہ اس وقت کا بنا ہوا ہے جب شہد کی مکھی کی طرف شہد جمع کرنے کی وحی نہیں آئی تھی۔ گویا اس آیت کی طرف اشارہ کیا وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ۔

ایک شاعر نے بہت بلیغ انداز میں نہایت فاحش بات کہی ؎

(۱۵) وَمَائِلٍ مَا الَّذِیْ تَشْتَھِیْ مِنَ الَّتِیْ قَدْ ضَمَنَا خَذْرَھَا

ایک نے مجھ سے پوچھا کہ اس پردہ نشین کی کس چیز نے تجھے مشتاق بنایا ہے۔

اوجہھا حسین بدا مقبلا
اَمْ شعرھا الاسود اَمْ ثغرھا

کیا اس کی صورت نے جو تیرے سامنے بے حجاب ہوگئی ہو یا اس کی زلفِ سیاہ نے یا اس کے تنگ دہن نے۔

اَمْ طرفھا الادعج امْ کشحھا
اَمْ منبت الرمّان اَمْ صدرھا

کیا اس کی سُرمگیں آنکھوں نے یا اس کے پہلوؤں نے یا اس کے انار اُگنے کی جگہ نے یا اس کے سینے نے۔

قُلْتُ لَھا اَعشقُ کلّہٗ
ونصف حران وثلثی زھا

(ترجمہ) میں نے اس سے کہا میں اس کی ان سب ہی چیزوں پر فریفتہ ہوں اور مزید براں اس کے نصف مقام خاص پر اور اس کی دو تہائی تازگی پر بھی

(۱۶) دو شاعروں میں چشمک تھی ایک نے دوسرے کے اشعار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

میرے شعر کے دونوں مصرعے حقیقی بھائی ہوتے ہیں اور تمھارے شعر کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں۔ یعنی ایک مصرعہ تمھارا ہوتا ہے اور دوسرا کسی اور کا۔

(۱۷) ایک ہندوستانی شاعر کا قصہ ہے کہ وہ کسی امیر کے پاس پہنچا۔ امیر نے اسے عربی سے ناواقف سمجھ کر اس سے کہا تقدم یازوج الفجعۃ یعنی اے رنڈی کے شوہر آؤ۔

شاعر نے اس امیر سے اس جملہ کا مطلب پوچھا تو اس نے بتایا کہ عربی میں

بڑے آدمی کو کہتے ہیں جس کے پاس عہدہ اور شاندار محل، نوکر چاکر اور جاہ وحشم ہو۔
یہ سُنکر شاعر نے کہا پھر تو اے امیر صاحب! آپ ہی سب سے بڑے زوج الفجعہ ہیں۔ امیر اس ذہین شاعر کا یہ جواب سن کر خاصا شرمندہ ہوا کہ میں نے اس کا مذاق بنانا چاہا مگر میرا مذاق ہی میرے لیے گالی بن گیا۔

(۱۸) مامون رشید کے دربار میں ایک ادیب پہنچا مگر اس نے اس کی طرف کچھ توجہ نہ کی۔ اس پر اس ادیب نے عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے میرے پاس شکر ہے۔ مامون نے جواب دیا کہ آپ کے شکریے کی ضرورت کس کو ہے؟ اس پر اس ادیب نے یہ شعر پڑھے ؎

فلو کان یستغنی عن الشکر مالک
لکثرۃ مال او علو مکان
لما ندب اللہ العباد لشکرہ
وقال اشکرونی ایھا الثقلان

اگر کوئی شخص دولت کی فراوانی یا اونچی حیثیت کی بنا پر شکر سے بے نیاز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے شکر کا مطالبہ نہ کرتا جب کہ اس نے ہر جن وانس کو ادائیگی شکر کا موقع دیا ہے۔

اس ذہین شخص سے یہ شعر سن کر مامون رشید کو داد بھی دینی پڑی اور اس کی ضرورت کی تکمیل بھی کرنی پڑی۔

(۱۹) کسی شاعر نے خراسان کی تعریف وتوصیف سنی تو وہاں پہنچا مگر خراسان اُسے پسند نہ آیا تب اس نے خراسان کی شان میں یہ شعر کہے ؎

ثمنّینا خراسانًا زمانًا فلم نعط المنی والصّبر عنھا
فلمّا ان اتیناھا سراعًا وجدنا بحذف النّصف منھا

(ترجمہ) ایک مدت سے جس خراسان کی آرزو تھی لیکن نہ یہ آرزو ہی ایک عرصہ تک پوری ہوسکی اور نہ ہمیں صبر کی توفیق ملی۔ آخر جب موقع ملنے پر عجلت کے ساتھ وہاں پہنچے تو ہم نے اس کو اس کے نام کا آدھا پایا۔

یعنی خراسان کا نصف آخر۔ سان حذف کر کے ابتدائی نصف خرا باقی رہتا ہے۔ جس کے معنیٰ پلیدی اور ناپاکی کے ہوتے ہیں۔

باب ۲۳

جنگی حیلے اور چالیں

(۱) زیاد بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک نومسلم ہرمزان سے کہا کہ کفار سے جنگ کے متعلق تم ذرا اپنی رائے دو کہ ہمیں پہلے کس کا زور توڑنا چاہیے۔

ہرمزان نے کہا:

امیر المومنین! ہمارے دشمنوں کی مثال پرندے کی سی ہے جس کے سر کے علاوہ دو بازو اور دو ٹانگیں بھی ہیں۔ آپ اگر ایک بازو کاٹ دیں گے تو اس کا دوسرا بازو اور ٹانگیں محفوظ رہیں گی اور دونوں بازو لوٹ گئے تو سر کو لے دونوں ٹانگوں سے فرار ہو جائے گا۔ ہاں اگر اس کا سر توڑ دیا جائے تو پھر نہ ٹانگیں باقی رہیں گی، نہ بازو۔ ان سے پھر وہ کام نہ لے سکے گا۔ میرے نزدیک قیصر کی حیثیت بازو کی ہے۔ مگر سر کسریٰ ہے اس لیے آپ کسریٰ کا زور پہلے توڑنے کا حکم دیجئے۔

مشہور ہے سکندر کی فوج میں اس کا ہم نام ایک اور شخص بھی تھا جو لڑائی کے
(۲) موقع پر فرار ہو جایا کرتا تھا۔ اس پر سکندر نے اسے بلا کر سرزنش کی کہ:
یا تو اپنا نام بدل ڈالو یا اپنی بزدلی کی عادت چھوڑ دو۔

دارا اور سکندر کا جب مقابلہ ہوا تو سکندر نے یہ چال چل کر کہ جب دونوں لشکر
(۳) معرکہ آرائی کے لیے آمنے سامنے ہوئے تو اس نے دارا کے لشکریوں کے سامنے
یہ منادی کرائی کہ اے لوگو! ہمارا تمھارا جو معاہدہ تھا ہم نے اس کے مطابق عمل کیا ہے
اب جس بات کی تم نے ذمہ داری لی تھی اسے پوری کر دو۔

اس منادی سے دارا نے یہ سمجھا کہ اس کی فوج نے سکندر سے سازباز کی ہے
اور یہی بات دارا کی شکست کا سبب بن گئی۔

سکندر نے ایک اور لڑائی کے موقع پر دشمن کے سامنے اس طرح کی منادی
(۴) کرائی کہ:

اے فارس والو! تمھارے لیے جن عطیات کا ہم نے وعدہ کیا تھا آج ہم
ان کی ادائیگی کے ذمہ دار ہیں تو جو شخص اپنے اس عہد کو پورا کرنا چاہتا ہے تو اسے
چاہیے کہ لشکر سے جدا ہو کر ہماری طرف آجائے۔ یہ سنتے ہی دشمن کی پوری فوج
میں بددلی پھیل گئی اور ہر شخص ایک دوسرے سے بدگمان ہو گیا جس کے نتیجہ میں
دشمن کا لشکر مقابلہ نہ کر سکا۔

سکندر نے ایران کے بعد جب ہندوستان پر حملہ کیا تو یہاں کے راجہ نے
(۵) زبردست مقابلہ کیا۔ ایک ہزار ہاتھی میدان میں کھڑے کر دیے جن پر
مسلح سپاہی سوار اور خود ہاتھیوں کی سونڈ میں تلوار اور گرز تھے۔ سکندر کی فوج اس
پہاڑ کے سامنے نہ ٹک سکی اور اس کے گھوڑے ہاتھیوں سے بدک کر بھاگ
کھڑے ہوئے۔ سکندر کے سامنے یہ صورتِ حال آئی تو پریشان ہوا۔ سوچ کر

ایک ترکیب نکالی۔ اس نے تانبے کے ہاتھی ڈھلوائے اور ان کے درمیان کچھ دن اپنی فوج کے گھوڑے بندھوا کر انھیں ہاتھیوں کی صورت سے مانوس کیا پھر کچھ عرصہ بعد ان تانبے کے ہاتھیوں کو لے کر میدانِ جنگ پہنچا اور ان کے اندر رال گندھک وغیرہ بھروادیں (جو کہ دھماکہ خیز شئی ہیں) اور ان کو زرہ پوش بھی کردیا۔ اور دو ہاتھیوں کے بیچ میں فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ کھڑا کردیا۔ لڑائی شروع ہوئی تو سکندر نے تانبے کے ہاتھیوں کے اندر آگ بھڑکانے کا حکم دیا۔ انکے خوب گرم ہوجانے کے بعد اپنے سپاہیوں کو درمیان سے ہٹالیا۔ آخر ان ہاتھیونکو ہندوستانی ہاتھیوں نے آکر گھیر لیا اور سونڈیں چلانی شروع کیں جس ہاتھی نے بھی سونڈ ماری اس کی سونڈ جل گئی اور وہ چیختا چنگھاڑتا واپس لوٹا اور اپنی ہی فوج کو روندتا چلا گیا۔ اس طرح سکندر نے چالاکی سے فتح پائی۔

(۷) سکندر نے ایک قلعہ بند شہر کا محاصرہ کیا شہریوں نے شہر پناہ کے دروازے بند کردیے۔ سکندر کو پتا لگا کہ شہر کے اندر کھانے پینے کا سامان بہت تھوڑا رہ گیا تو اس نے تاجروں کے رُوپ میں اپنے آدمی شہر بھیجدیئے اور خود محاصرہ چھوڑ کر گھر لوٹ آیا اور ان فرضی تاجروں کو بہت کچھ ساز و سامان دیا کہ جاکر شہر میں فروخت کریں۔ ان لوگوں نے شہر میں جاکر شہر والوں کا سامان خوراک بھی خرید لیا اور جب ان کے پاس کافی اسٹاک ہوگیا تو سکندر نے حکم بھیجا کہ تمام خوراکی سامان کو آگ لگا کر شہر سے نکل جاؤ۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر سکندر نے شہر پر حملہ کرکے چند روز کے محاصرہ کے بعد شہر پر قبضہ کرلیا۔

کہتے ہیں کہ سکندر کی جنگی تدبیر یہی تھی کہ وہ شہر کے محاصرہ سے پہلے نواحی علاقہ کو لوٹ مار کر ہراساں کرتا۔ چنانچہ آس پاس کے دیہات کے لوگ شہر میں آجاتے اس طرح شہر کا سامانِ خورد و نوش چند روز میں نمٹ جاتا اور محاصرہ سے

تنگ آکر شہر کے لوگ سکندر کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے۔

(۷) کسریٰ شہنشاہِ ایران نے قیصرِ روم کے مقابلہ کے لیے اصہد نامی سپہ سالار کو ایک زبردست لشکر دے کر روانہ کیا۔ اصہد نے پے در پے فتوحات حاصل کیں۔ روم کے بے شمار مال و دولت پر قبضہ کر کے انھیں کسریٰ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ کسریٰ کو اصہد کی فتوحات سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ کہیں اس میں خودسری نہ پیدا ہو جائے اور یہ خود تیرے ہی مقابلہ پر کسی وقت آجائے اس اندیشہ کی بنا پر اس نے اصہد کو قتل کرنے کی تجویز کی اور اس کے لیے ایک خاص شخص کو منتخب کیا۔

یہ شخص بڑا سمجھدار اور صاحبِ تدبیر تھا اس نے کسریٰ کی اس تجویز کو غلط اور مفر سمجھا کہ اصہد جیسے بہادر اور سپہ سالار کو بلاوجہ ختم کر دیا جائے۔ اس نے اصہد کو اس بات سے باخبر کر دیا۔ اس پر اصہد نے قیصرِ روم سے ملاقات کی راہ نکالی۔ اور اس سے مل کر یہ بات کہی کہ کسریٰ نے مجھے مروا ڈالنے کا منصوبہ بنایا ہے اب میں خود کسریٰ کو قتل کروں گا کہ اس نے ظلم پر کمر باندھی ہے کہ جو شخص علم میں پہل کرتا ہے اصل ظالم وہی ہے۔

اب آپ مجھے کوئی ایسی ضمانت دیں جس پر میں بھروسہ کر سکوں۔ اور اپنی فوج لے جا کر کسریٰ پر چڑھائی کر دوں۔ آپ اپنی فوج وغیرہ سے اس کام میں میری مدد کریں۔ فتح پانے کے بعد میں کسریٰ کے خزانوں میں سے آپکو اتنی دولت دے دوں گا جتنی دولت جنگ کر کے میں نے آپ سے حاصل کی ہے۔ اور جو کچھ اس فوجی مدد پر خرچ ہوگا میں وہ بھی آپ کو ادا کر دوں گا۔

قیصر نے عہد نامہ لکھ کر اسے دے دیا۔ اب اصہد مطمئن ہو کر کسریٰ کے مقابلہ کے لیے چل دیا۔ قیصر بھی بہ ہزار کی فوج سے اصہد کی مدد پر تھا۔

اب کسریٰ کو ہوش آیا۔ اور اندازہ ہوا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ اس نے

ایک دوسری تدبیر کی۔ اس نے ایک پادری کو بلا کر اُسے ریشمی کپڑے پر ایک خفیہ تحریر دی اور کہا کہ کسی طرح اس کو اصہد کے پاس پہنچا دے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور اس کے صلے میں پادری کو ایک ہزار دینار بھی دیے۔ ادھر کسریٰ کو یقین تھا کہ یہ عیسائی شخص ہے اس خط کو لازماً قیصر کو دکھائے گا۔ کسریٰ نے اصہد کے خط میں یہ مضمون لکھا کہ:

اے اصہد میری تحریر کے مطابق تو نے قیصر کا اعتماد حاصل کر لیا ہے یہ اللہ کا ہم پر بڑا کرم ہوا کہ تیری حسنِ تدبیر سے ہم نے قیصر پر قابو پا لیا۔ تیری عقل مندی ہمیشہ باقی رہے۔ تو نے رومیوں کی قوت توڑ دی۔

بس اتنی تاخیر اور مطلوب ہے کہ قیصر مدائن کے پاس پہنچ جائے پھر میں اس پر اچانک فلاں روز حملہ کر دوں۔ ابھی تو اسے ذرا اور دھوکہ میں رکھ کہ میں نے تیرے قتل کا پلان بنایا ہے۔ اس طرح رُومیوں کو اب کے میں بالکل کچل ڈالوں گا۔

پادری خط لے جا کر سب سے پہلے قیصر کو دکھلا دیا۔ خط کے دیکھتے ہی قیصر چوں کا اور وہیں سے واپس ہو گیا۔ اِدھر کسریٰ نے ایاس بن قبیصہ الطائی کی رہنمائی میں ایک بڑا لشکر بھیج کر پشت کی طرف سے قیصر پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں قیصر کی فوج کا ایک بڑا حصہ مارا گیا اور تھوڑی سی فوج لے کر قیصر جان بچا کر بھاگا۔

(۸) ہشام بن کلبی سے منقول ہے کہ حیرہ اور اس کے نواحی علاقے پر جزیمہ بن مالک کی حکومت تھی۔ وہ ساٹھ برس تک حکمراں رہا۔ بڑا بااثر اور رعب و دبدبہ کا بادشاہ تھا۔ برص کے نشانات جسم پر تھے۔ مگر اہلِ عرب ان کے خوف کی وجہ سے اُسے اَبرص کہنے کے بجائے ابرش کہنے لگے۔

اس نے صلیح بن ابراء کو جنگ میں قتل کر دیا تھا اور اس کی بیٹی زبّاء کو شام کی طرف بھگا دیا تھا۔ یہ بہت حسین وجمیل، بلند حوصلہ بارُعب تھی اور اپنے وقت کی حسین ترین لڑکی سمجھی جاتی تھی۔ چلتی تو اس کے سر کے بال زمین پر گھسٹتے تھے۔ اتنے گھنے تھے کہ ان کے اندر اپنے کو چھپا لیتی۔ اسی مناسبت سے اس کو زبّاء یعنی بہت بال والی کہا جاتا تھا حالانکہ ان کا نام فارعہ تھا۔ بعض مورخین نے نائلہ یا میسون بتایا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت اس کے باپ صلیح بن ابراء کے قتل کے بعد ہوئی تھی۔

اس جواں ہمت عورت نے اپنے باپ کے بعد پھر لوگوں کو اکٹھا کر لیا بہت کچھ مال و دولت خرچ کر کے عوام کو اپنے تابع بنا لیا، اور اپنے علاقہ میں واپس آکر اس پر قبضہ جمایا اور وہاں کی ملکہ بن گئی۔ جزیمۃ الابرش کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ پھر دریائے فرات کے دونوں کناروں پر جو مشرق و مغرب میں تھے ایک ایک شہر آباد کیا۔ جو بالکل ایک دوسرے کے بالمقابل تھے اور ان دونوں شہروں کو ایک سُرنگ کے ذریعہ ملا دیا۔ یہ سُرنگ دریائے فرات کے نیچے سے نکالی۔ دشمن حملہ آور ہوتا تو وہ اس میں چھپ جاتی اور دشمن ناکام لوٹ جاتا۔ اس نے مردوں سے پوری طرح کنارہ کشی اختیار کر رکھی تھی اس لیے کنواری رہی۔

جزیمہ اور اس کے درمیان جنگ کے بعد صلح ہوئی تو جزیمہ کو اس سے نکاح کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے اس سلسلہ میں اپنے مشیروں سے مشورہ کیا تو ان میں ایک مشیر غلام تھا مگر اپنی دانش مندی اور بیدار مغزی کی وجہ سے جزیمہ کے مشیروں میں شامل تھا۔ اُس کا خزانچی معتمد اور انکے معاملات میں دخیل بھی تھا۔ جزیمہ کی بات سن کر تمام ہی مشیر خاموش رہے۔ مگر قیصر بن سعد آدابِ شاہی بجا لا کر کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ:

حضور زبّا نے مردوں سے ملاپ کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے وہ ہنوز کنواری ہے۔ نہ اسے مال کی خواہش ہے نہ حسن و جمال کی رغبت ہے۔ پھر یہ کہ ایک خون اس کا ہمارے سر ہے یعنے اس کا باپ ہمارے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ خون وہ چیز ہے کہ آدمی اسے کبھی فراموش نہیں کرتا۔ وہ محض خوف کی وجہ سے آپ کی طرف نہیں بڑھی اور اپنی دولت کی حفاظت اسے مقصود ہے۔ مگر اس کے دل میں بغض بھرا ہوا ہے بالکل اسی طرح جس طرح پتھر کے اندر آگ مدفون ہوتی ہے کہ جب پتھر پر چوٹ پڑتی ہے تو شعلہ اٹھتا ہے اور پتھر پر چوٹ نہ ماری جائے تو وہ یونہی بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے اور اس کی آگ اس کے اندر چھپی رہتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بادشاہ کے لیے شاہزادیوں کی کیا کمی ہے جو خاندانی اعتبار سے آپ کے ہمراہ ہوں اور ان عورتوں کو بھی آپ کی طرف لگاؤ اور رغبت ہو۔ آپ کی حیثیت ایسی نہیں کہ ایک کم تر عورت کی طرف دیکھیں۔ اللہ نے آپ کی شان بہت اونچی بنائی ہے۔

جزیمہ نے سنا تو بولا:

اے قیصر! تیری بات معقول ہے اور احتیاط و عقل مندی بھی اسی میں ہے۔ مگر نفس پر محبت غالب آچکی ہے۔ خدا نے تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ پیش آکر رہے گا اس سے بچنا ممکن نہیں چنانچہ جزیمہ نے زبّا کے پاس نکاح کا پیغام بھیج دیا اور قاصد کو سمجھایا کہ

زبّاء سے اس طرح گفتگو کرے کہ وہ نکاح پر راضی ہو جائے۔

زبّاء نے پیغام سنا تو بہت خوش دلی کا اظہار کیا۔ قاصد کی بڑی آؤ بھگت کی اور یہ کہا کہ نکاح سے میں نے محض اس لیے گریز کیا تھا کہ کوئی ہمسر رشتہ ملنے کا امکان نہ تھا۔ اب شاہ جزیمہ کا پیغام تو خود میرے لیے عزت افزائی کا باعث ہے کہ وہ نہایت بلند مرتبہ شخصیت ہیں۔ اور میرا مقام ان سے کہیں کم ہے مجھے یہ پیغام بسر وچشم قبول ہے۔ اگر اس سلسلہ میں عورتوں کا پیش قدمی کرنا معیوب نہ ہوتا تو میں خود نکاح کی درخواست لے کر جزیمہ کے دربار میں حاضر ہوتی۔

اور اس کے بعد قاصد کو بہت کچھ تحفے تحائف، عمدہ قسم کے۔ کپڑے، سواری کے جانور اور سونے چاندی کی چیزیں دیکر رخصت کیا۔ جب یہ جزیمہ کے پاس واپس پہنچا تو اسے دیکھ کر پھولا نہ سمایا اور زبّاء کی باتیں سن کر اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس سے شادی کے لیے بالکل تیار ہے اور ایسا بے خود ہوا کہ اپنے درباریوں اور امراء وارا کین دولت کو لے کر خود زبّاء کی طرف چل پڑا اور اپنی جگہ اپنے بھانجے عمرو بن عدی اللخمی کو بٹھایا۔ یہ گویا حیرہ کے علاقہ پر قبیلہ بنو اللخم کا پہلا بادشاہ تھا جس نے ایک سو بیس ۱۲۰ سال حکومت کی اس کو بچپن میں جنات اٹھا کر لے گئے تھے اور بہت عرصہ کے بعد یہ جوان ہو گیا تب واپس کیا تھا۔ اس کی ماں نے اس کو سونے کی زنجیر پہنائی اور اسے ماموں کے ہاں بھیجا۔ جزیمہ نے اسے دیکھ کر کہا تھا شبّ عمرو عن الطوق یعنی عمرو ہار سمیت جوان ہو گیا۔

غرض جزیمہ اس عمرو بن عدی کو اپنا قائم مقام بنا کر زبّاء کے یہاں پہنچا یہ علاقہ دریائے فرات کے قریب تھا اور نیفہ کہلاتا تھا وہاں اتر کر شکار وغیرہ کھیلا اور اپنے درباریوں سے مشورہ کیا مگر لوگ خاموش رہے۔ قیصر بن سعد نے بات شروع کی اور کہا:

حضور! جس عزم میں جزم یعنی جس ارادے میں احتیاط شامل نہ ہو اس کا انجام تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میرے نزدیک ایسی چکنی چپڑی باتوں پر جن کا نتیجہ بہتر نہ ہو بھروسہ کرنا غلط ہے اور غلط رائے قائم کرنے میں خواہش نفس کو اتنا دخل نہ ہونا چاہیے اور جس سے معاملہ خراب ہو جائے اور نہ احتیاط و دور اندیشی سے غافل کر دے۔ یہ بات عقل و دانش کے خلاف ہے۔

میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اس مسئلے میں ثابت قدم رہ کر انجام پر نظر رکھی جائے۔ اور بہت سمجھداری سے سب پہلوؤں کا جائزہ لے کر جس میں احتیاط کا پہلو ہو اختیار کیا جائے۔

اگر میں یہ نہ سمجھتا کہ تقدیری امر پیش آکر رہتا ہے تو میں بادشاہ کے اس ارادہ کو کسی طرح پورا نہ ہونے دیتا اور آپ کو ایسا نہ کرنے پر مجبور کرتا۔

اس کے بعد جزیمہ نے دوسرے درباریوں کی طرف متوجہ ہو کر ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں کی کیا رائے ہے مگر ان سب نے جزیمہ کے ہاں میں ہاں ملائی اور بادشاہ کے قصد کی تائید کی نتیجہ یہ ہوا کہ جزیمہ اپنی بات پر جم گیا اور کہنے لگا کہ جماعت کی رائے وزنی ہوتی ہے اور تمہاری بھی رائے ٹھیک ہے۔

قیصر نے کہا کہ:

اَوَی الْقَدَرُ یسَابِقُ الْحَذَرِ وَلَایُطَاعُ لِقَصِیْرِ اَمَرُ

یعنی مجھے ایسا نظر آرہا ہے کہ حفاظت کی تدبیر پر تقدیر غالب آگئی اور قیصر کی بات اس معاملہ میں نہیں چلی۔ یہ جملہ بھی عربی زبان میں ضرب المثل کی حیثیت سے مشہور ہو گیا۔

جزیمہ نے قیصر کی بات سنی ان سنی کر کے آگے کوچ کر دیا اور زبّاء کی راجدھانی کے قریب پہنچا۔ وہاں ٹھہر کر قاصد کے ذریعہ اپنی آمد کی اطلاع کرائی۔ زبّاء نے

آمد کی خبر سُن کر بہت خوشی کا اظہار کیا۔ جزیمہ کے لیے بہت سا سامانِ ضیافت اور لشکر کی ضروریات کا اسباب بھجوایا اور رعایا میں اعلان کرا دیا کہ وہ اپنی سلطنت کے نئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں اور ملاقات کریں۔

قاصد نے زبّاء کے یہاں سے یہ سب کچھ کیفیت جزیمہ سے بیان کی تو اس نے اور آگے بڑھنے کا ارادہ کیا۔ قیصر کو بلا کر اس کی رائے لی تو قیصر نے کہا کہ اب تو اس معاملہ میں میں نے جو رائے قائم کی تھی وہ اور بھی پختہ ہو گئی اور بصیرت کے ساتھ اسپر آپ بتائیے کہ کیا اب بھی آپ کا وہی ارادہ ہے؟

جزیمہ نے جواب دیا کہ ہاں! تب قیصر بولا:

لیس الدھر لصاحب لمن لم ینظر فی العواقب

جس شخص کی انجام پر نگاہ نہ ہو زمانہ اس کا ساتھ نہیں دیتا۔

قیصر کا یہ جملہ بھی عربی زبان میں ضرب المثل قرار پایا۔ اس کے بعد قیصر نے کہا کہ کسی چیز کو اس کے فوت ہونے سے پہلے ہی حاصل کرنا ممکن ہے۔ ابھی بادشاہ کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ بھلائی پر غالب آجائے کہ اس کے ساتھ اتنا عظیم لشکر ہے۔ بے شمار مددگار اور رفیق ہیں اس کا مقام بلند ہے ــــ مگر اس کے بعد جب آپ اپنے ارادہ کے مطابق عمل کر لیں گے تو ــــ آپ کے ہاتھ اس قوت سے محروم ہو جائیں گے ــــ جو بھلائی پر غالب آسکتی ہے۔ جب کہ آپ اپنے ملک اور ــــ دارالسلطنت سے بھی بہت دور آچکے ہیں۔ آپ نے اپنے آپ کو اس ذات کے ہاتھوں میں ڈال دیا ہے جس کے مکر و فریب کے جال سے آپ محفوظ نہیں رہ سکتے۔

لہٰذا اگر آپ اپنی اس رائے پر قائم ہیں اور میرے نزدیک آپ اس پر جمے ہوئے ہیں اور وہی کریں گے اور اپنے جی کی بات ہرگز نہیں ٹالیں گے تو پھر سُن لیجیے کہ کل کیا صورتِ حال پیش آنے والی ہے اس کے بارے میں میرا اندازہ ہے کہ

کل زبّاء کی قوم آپ سے گروہ در گروہ الگ الگ ٹولیوں کی شکل میں ملے اور ملاقات کر کے لوٹتی رہے اور آپ کے آگے آگے رہے تب تو معاملہ کا سرا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اور آپ کی رائے درست ـــــ لیکن اگر وہ لوگ پُراجما کر اور صف بندی کی شکل میں دو رُویہ صفوں کی شکل میں سامنے آئیں اور آپ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے بیچ میں پہنچے تو پھر وہ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیں گے۔ اس وقت آپ بالکل ان کے قبضہ میں ہوں گے۔ بس وہی موقع ایسا ہے کہ آپ اپنی عَصَا کا خیال رکھیں اس کی کمر پر جم جائیں۔ اس وقت عصا ہی آپ کو ہلاکت سے نجات دلا سکتی ہے۔ کیوں کہ اس کے غبار کو بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا ـــــ عصا جزیمہ کی نہایت بیش قیمت اور نادر گھوڑی تھی۔ پرندوں سے زیادہ تیز اور آندھی کی مانند دوڑنیوالی۔ قیصر نے اس آڑے وقت سے بھی نجات دلانے کے لیے جزیمہ کو اس گھوڑی کی اہمیت محسوس کرائی مگر قیصر کی بات کا جزیمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور چل پڑا۔

اُدھر زبّاء نے جزیمہ کے قاصد سے ملنے کے بعد اپنے آدمیوں کو اپنا منصوبہ بتایا کہ جزیمہ جب یہاں پہنچے تو استقبالیہ شکل اختیار کر کے سب فوج دو حلقوں میں دائیں بائیں کھڑی ہو جائے اور جس وقت جزیمہ گزرتا ہوا درمیان میں پہنچے تو ہر طرف سے اسے گھیر لیا جائے اور اسے بہت ہوشیاری کے ساتھ گرفت میں لیا جائے۔

چنانچہ جزیمہ روانہ ہوا تو قیصر اس کے دائیں طرف تھا۔ زبّاء والوں نے طے کردہ منصوبہ کے مطابق دو رویہ صفوں میں اس کا استقبال کیا۔ جب جزیمہ اپنے آدمیوں کے ساتھ درمیان میں پہنچا تو زبّاء کی فوج لشکر کی طرح اس پر جھپٹ پڑی اور اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اس وقت جزیمہ نے سمجھا کہ زبّاء نے اس پر قابو پا لیا ہے تب اُس نے قیصر کی طرف رُخ کر کے کہا کہ:

"تم ٹھیک کہتے تھے اور تمہاری بات درست نکلی۔"

قیصر نے جواب دیا کہ حضور والا!

الطبات بالجواب حتیٰ فات الصواب۔

تم نے جواب میں اتنی دیر کی کہ جو موقع تھا وہ ہاتھ سے نکل گیا۔ قیصر کا یہ جملہ بھی عربی زبان کی کہاوتوں میں شمار ہونے لگا۔

بہر حال جزیمہ نے اس سے پوچھا کہ اب کیا کہتے ہو؟ قیصر نے کہا یہ عصاء آپ کے پاس ہے سوار ہو کر ہوا ہو جائیں۔ امید ہے کہ آپ اپنی جان بچالیں گے

جزیمہ نے قیصر کی بات اب بھی نہ مانی اور آخر زبّاء کا لشکر اسے لے کر چل پڑا جب قیصر نے یہ صورتِ حال دیکھی کہ جزیمہ زبّاء کا قیدی بن چکا ہے تو اب اُسے پختہ یقین ہو گیا کہ جزیمہ کا انجام قتل ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے ہوش و حواس درست کیے اور عصاء کے اوپر سوار ہو گیا۔ لگام ہاتھ میں لے کر جو ایڑ لگائی تو وہ بجلی تھی ہوا ہو گئی۔ جزیمہ نے دیکھا کہ قیصر کو عصا لے کر صاف نکل گئی۔

زبّاء یہ سارا تماشہ محل کے اوپر سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا کہ کیا خوب توشہ ہے جو میرے ساتھ شبِ زفاف منانے آرہا ہے، آخر اُسے زبّاء کے پاس پہنچا دیا گیا

زبّاء تخت پر بیٹھی تھی۔ ہم عمر کنواری لڑکیاں اس کی ہم نشین تھیں۔ اور صرف وہی اس کے محل میں رہتی تھیں کوئی مرد نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی تخت نشینی کی ہیئت بھی عجیب و غریب تھی۔ اس کے ارد گرد نوجوان لڑکیاں کھڑی تھیں اور ہر ایک کی نرالی سج دھج تھی۔ زبّاء ان مہ جبینوں کے درمیان ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چودھویں کا چاند ہوتا ہے۔

زبّاء نے بڑی دلربائی کے ساتھ جزیمہ کا اپنے دربار میں استقبال کیا۔ جب وہ اس کے روبرو لایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ دربار میں چمڑے کا فرش بچھایا جائے چنانچہ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی، پھر اس نے اپنی خادماؤں سے کہا کہ:

اپنے مالک اور نوشہ کا ہاتھ تو سنبھال لو۔

انھوں نے اس کی بھی تعمیل کی اور جزیمہ کا ہاتھ پکڑ کر چمڑے کے فرش پر بٹھادیا اس میں اور زبّاء میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ رہے تھے۔ اور آپس کی بات چیت سُن سکتے تھے۔

پھر زبّاء نے حکم دیا کہ جزیمہ کے ہاتھوں کی رگیں قطع کردی جائیں چنانچہ رگیں نشتر سے کاٹ دی گئیں اور دونوں ہاتھوں کے نیچے طشت رکھدیے گئے ان میں جزیمہ کی کٹی ہوئی رگوں کا خون جمع ہونے لگا۔ اس میں سے کچھ خون کے قطرے چمڑے کے فرش پر بھی گرے اور زبّاء نے اپنی خادماؤں سے کہا کہ بادشاہ کے خون کو ضائع نہ ہونے دو۔

یہ سُنکر جزیمہ نے کہا۔ زبّاء تجھے اس خون پر افسوس بے کار ہے جس کے بہانے کا ذمہ دار وہی شخص ہے جس کا خون بہ رہا ہے۔

آخر خون نکل نکل کر جزیمہ ٹھنڈا ہوگیا۔ اس کی روح پرواز کرگئی تو زبّاء نے کہا کہ خدا کی قسم ہمارا حق تیرے خون بہہ جانے سے ادا نہیں ہوا۔ اور نہ تیرے قتل سے ہماری تشفی ہوئی۔ وَلٰکِنَّہٗ غَیضٌ من فَیضٍ یعنی یہ بڑی بات کا بدل چھوٹی بات سے ہے۔ زبّاء کے اس جملے نے بھی کہاوت کی شکل اختیار کرلی۔

آخر زبّاء نے جزیمہ کو دفن کرادیا اور جزیمہ کا بھانجہ عمرو بن عدی اس کی جگہ حکومت کرتا رہا۔ اس کو ان سب حالات کی اطلاع نہ تھی۔ روزانہ حیرہ کے جنگلوں میں ماموں کی خیر خبر لینے کے لیے نکلتا اور گھومتا تھا۔ ایک روز اسی فکر میں چلا جارہا تھا کہ ناگہاں ایک سوار پر نظر پڑی جو تیر کی طرح گھوڑا دوڑائے چلا آرہا تھا۔ اس نے کہا گھوڑی تو جزیمہ کی معلوم ہوتی ہے مگر سوار کوئی اور معلوم ہوتا ہے کہ بے سرو سامان چلا آرہا ہے شاید کوئی خاص بات ہے جو عصا اس طرح آرہی ہے۔ غرض

قیصر پاس آگیا تو عمرو بن عدی اور دوسروں نے حال احوال پوچھا۔ اس نے کہا کہ تقدیر ہمیں اور بادشاہ کو موت کی طرف لے گئی تھی اور پھر سارے حالات بتائے اور آخر میں عمرو بن عدی سے کہا کہ زبّاء تو بہت چالاک عورت ہے اس سے بدلہ لینا کس طرح ممکن ہے۔

قیصر نے کہا: آپ کو پتہ ہے کہ میں نے آپ کے ماموں کو کس قدر سمجھایا مگر موت اسے پکار رہی تھی۔

واللہ جب تک ستارے آسمان پر چمک رہے ہیں اور سورج طلوع ہو رہا ہے، میں زبّاء سے جزیمہ کے خون کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ یا میں بدلہ لے کر چھوڑوں گا یا میری جان چلی جائے اور میں معذور ہو جاؤں۔

اس کے بعد قیصر نے اپنی ناک کاٹ ڈالی اور زبّاء کے پاس واپس پہنچ کر وہ عمرو بن عدی کے یہاں سمجھا گ کر آیا ہے۔ زبّاء کو اطلاع ہوئی کہ جزیمہ کا مخصوص مقرب شخص قیصر آیا ہے۔ زبّاء نے ملاقات کی اجازت دی۔ وہ سامنے پہنچا تو زبّاء نے پوچھا، تو یہاں کیوں آیا ہے جب کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک زبردست خون کا قصہ حائل ہے۔

قیصر نے کہا: اے عظیم القدر بادشاہوں کی دختر بلند اختر! میں آپ کے پاس وہ اُمید لے کر آیا ہوں جو آپ جیسی باعظمت شخصیت ہی سے مصیبتوں کے وقت کی جا سکتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ جزیمہ کو بادشاہ ملیح بن البراء کا خون پکار رہا تھا اور اس نے اپنا انتقام لے لیا۔ اب میں آپ کے پاس عمرو بن عدی سے پناہ لینے کے لیے آیا ہوں کیوں کہ اس نے مجھ پر اپنے ماموں کو قتل کرنے کا الزام لگایا ہے اور یہ طعنہ دیا ہے کہ وہ میرے ہی مشورہ سے تمہارے پاس آیا تھا۔ چنانچہ اس نے میری ناک کاٹ کر میرا مال و اسباب سب ضبط کر لیا اور مجھے اپنے اہل و عیال

سے بھی ملنے نہیں دیا۔ اور مجھے قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو اب میں جان کے خوف سے بھاگ کر یہاں آیا ہوں اور آپ کی پناہ میں زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔

زبّاء نے یہ تفصیل سنی تو اسے دلاسا دیا اور کہا کہ تم اطمینان رکھو ہم تمھیں بحفاظت رکھیں گے۔ اور ہم تمھیں یہاں رہائش کے سارے حقوق دیتے ہیں۔

چنانچہ قیصر کو رہائش کے لیے مکان، فارم اور مال واسباب فراہم کر دیا گیا۔ اور اس کی آسائش کی ساری چیزیں مہیا کر دی گئیں۔ غرض قیصر کا بہت اعزاز واکرام کیا گیا اور اس شان وشوکت کے ساتھ قیصر ایک مدت تک یہاں رہتا رہا مگر اسے زبّاء سے کسی گفتگو اور تخلیے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اور قیصر اسی جستجو میں رہتا کہ خلوت اور بات چیت کا موقع ہاتھ آئے۔

زبّاء ایک نہایت مضبوط قلعے میں رہتی تھی جس میں ایک سُرنگ جاتی تھی کسی شخص کو اس تک پہنچنے کی مجال نہ تھی۔ ایک روز ملاقات کا موقع ملا تو قیصر نے زبّاء سے کہا کہ عراق میں میری بہت دولت پڑی ہوئی ہے جو حقیقتاً بادشاہوں کے لائق ہے اگر آپ مجھے عراق جا کر اسے لانے کی اجازت دیں اور مصارف کے لیے بھی روپیہ پیسہ عنایت کریں کہ اس سے تجارتی سامان فروختگی کے لیے عراق لے جاؤں اور تاجروں کے بھیس میں سفر کر کے عراق پہنچوں اور اپنے مال ودولت کو حاصل کر سکوں تو جتنی جلدی ممکن ہوگا وہاں سے لے کر لوٹوں گا۔

زبّاء نے اُسے سفر کی اجازت دے دی اور بہت کچھ روپیہ پیسہ بھی دیا چنانچہ وہ عراق گیا اور بہت سی عجیب وغریب قیمتی اشیاء خرید کر زبّاء کے لیے لے گیا جنھیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی۔ اس کے بعد زبّاء نے اس کا اعزاز واکرام بڑھایا اور بڑا منصب عطا کیا۔ وہ دوبارہ عراق کے سفر پر گیا اور پہلے سے زیادہ نادر چیزیں لیکر گیا۔ اب تو زبّاء کی نگاہوں میں قیصر چڑھ گیا اور اس نے اسے اپنا بہت مقرب

بنالیا۔ حتیٰ کہ قیصر نے آہستہ آہستہ سُرنگ کا راز معلوم کرلیا اور اس کے چور دروازہ کی حقیقت بھی جان لی۔

تیسری بار قیصر نے پھر عراق کا سفر کیا اور اب کے وہاں سے نادر الوجود اور نفیس ترین چیز لایا جو اس سے پہلے سفر میں نہیں لایا تھا۔ اب تو وہ زبّاء کا مشیر خاص بن گیا اور وہ ہر معاملہ میں اس کی رائے لینے لگی۔ قیصر نہایت ذہین و فطین وجیہ، مستقل مزاج منتظم اور سلیقہ مند شخص تھا۔

آخر زبّاء نے اس کو ایک بار یہ حکم دیا کہ وہ شام کے ایک شہر پر حملہ کرنا چاہتی ہے لہٰذا وہ عراق سے ہتھیار، گھوڑے وغیرہ خرید لائے۔ اس پر قیصر نے کہا۔ عدی بن عمرو کے علاقے میں تو میرے ایک ہزار اونٹ، بے حساب ہتھیار، گھوڑے خچر اور غلام وغیرہ موجود ہیں، مگر عمرو کو اس کی خبر نہیں اگر اسے خبر ہو جاتی تو وہ پھر انھیں حاصل کر کے آپ سے جنگ کرنے کے لیے کھڑا ہو جاتا۔ جب کہ میں عمرو بن عدی کو ٹھکانے لگانے کی فکر میں ہوں۔ لہٰذا اب میں بھیس بدل کر وہاں اس طرح جاؤں کہ کسی کو پتہ نہ لگے اور اپنا یہ سامان چپکے سے اُڑا لاؤں جس سے آپ کی یہ ضرورت بخوبی پوری ہو جائے گی۔

زبّاء یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور قیصر نے اس سفر کے لیے جس قدر رقم مانگی وہ اُسے فراہم کر دی گئی اور قیصر سے اس نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ تجھ جیسے آدمیوں سے حکومت کی رونق بڑھ جاتی ہے اور تیری جیسی صلاحیت رکھنے والوں کے ذریعہ ملکی معاملات بہت خوبی سے سرانجام پاتے ہیں۔ مجھے اس کی خبر ہے کہ جزیمہ کا انتظام مملکت سب تیرے ہی مشورے سے ہوتا تھا اور اب بھی جو کام میں کرنا چاہتی ہوں تجھ سے مجھے پوری امداد ملتی ہے۔ مجھے کوئی پریشانی پیش آتی ہے تو تُو ٹک ٹک نہیں دیکھتا۔ بلکہ مفید مشورہ دیتا ہے۔ زبّاء کے کسی قریبی عزیز نے یہ بات سُنی تو اس نے

کہا یہ جنگل کا شیر ہے جو جوش میں ہے اور حملے کی تیاری میں لگا ہوا ہے۔

غرض قیصر کو خوب اندازہ ہو گیا کہ اب زبّاء بالکل اس کی مٹھی میں ہے تو اس نے اپنے آخری سفر کا پلان بنا کر زبّا سے اس کی منظوری لی اور وہاں سے چل کر حیرہ آیا اور عمرو بن عدی سے آکر ملا اور اسے سب تفصیل بتائی اور کہا کہ میں سب تدبیر کر چکا ہوں اور اب تم جلد سے جلد زبّاء پر حملہ کر دو۔

عمرو بن عدی نے کہا کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ تب قیصر بولا اب فوج تیار کیجیے اور لڑائی کے مال فراہم کیجیے۔ عمرو بن عدی بولا ضرور۔ چنانچہ نوجوانوں اور طاقت ور نوجوان پر مشتمل دو ہزار فوجی تیار کیے اور انھیں ایک ہزار اونٹوں پر اس طرح لادا کہ بڑے بڑے سیاہ رنگ کے تھیلے بنا کر انھیں اونٹوں پر لاد دیا اور تھیلوں میں فوجی بیٹھ گئے اور انھیں ہتھیاروں سے مسلح کر دیا اور تھیلوں کے منہ اندر کی طرف باندھ دیے۔ خود عمرو بن عدی بھی ان میں تھا۔ ان دو افراد کو تھیلوں میں بند کر کے ایک ہزار اونٹوں پر لاد کر گھوڑوں، خچروں اور غلاموں کے ساتھ قیصر روانہ ہوا۔ جب وہ زبّاء کی حدودِ سلطنت میں داخل ہوا، زبّاء کو اطلاع کی گئی کہ قیصر آرہا ہے

جب ہزار اونٹوں کا یہ قافلہ شہر کے قریب آیا تو قیصر نے تھیلوں میں کے چند نوجوانوں کو ہدایت کر دی کہ جب شہر کے وسط میں اونٹ پہنچیں تو فلاں نشان ڈھول وغیرہ کی آواز سنکر باہر آجانا۔ جب یہ قافلہ شہر کے پاس پہنچا تو زبّاء اپنے محل کے اوپر سے اسے دیکھنے لگی۔ بڑے بڑے تھیلے اونٹوں پر دیکھ کر اُسے شبہ ہوا تو اسے دھیان آیا کہ کچھ ارکانِ سلطنت نے قیصر پر شک ظاہر کیا تھا مگر زبّاء نے ان کو جھٹلایا تھا کہ وہ ہماری نعمتوں پر پل رہا ہے پھر وہ کس طرح ہم سے دغا کرے گا وہ تو ہمارا بڑا خیر خواہ اور مخلص مصاحب ہے۔ تمھیں اس کے خلاف حسد ہے کیونکہ تم میں اس جیسا صلاحیت کا کوئی آدمی نہیں ہے ـــــــ مگر اب اونٹوں کی

یہ ہیئت دیکھ کر اس کا شبہ تقویت پکڑ گیا۔ اتنے اونٹ اور ان پر اتنے بڑے بڑے تھیلے۔ اسے بہت عجیب سے معلوم ہوئے۔ اور اس نے یہ شعر پڑھے ؎

مَا لِلجَمَالِ مَشِيِّهَا وَئِيدًا اجندلاً يَحْمِلْنَ أَمْ حَدِيدًا

اَمْ صَرْفَانًا بَارِدًا شَدِيدًا اَمِ الرِّجَالَ فِي الْمُسُوحِ سُودًا

یعنی اونٹوں کی سُست روی کا سبب کیا ہے۔ کیا ان اُونٹوں نے پتھر کی چٹانوں کو اٹھا رکھا ہے یا لوہا اٹھائے ہوئے ہیں۔

یہ کہیں سخت اور ٹھنڈی تو نہیں۔ یا ان تھیلوں میں سیاہ فام سپاہی تو نہیں؟ اس کے بعد زبّاء نے اپنی خادماؤں کو خطاب کر کے کہا کہ:

اَرَى الْمَوْتَ الْاَحْمَرَ فِي الْغَرَائِرِ السُّوْدِ

یعنے مجھے سُرخ موت ان تھیلوں میں دکھائی دے رہی ہے۔

یہ فقرہ عربی ضرب الامثال میں شامل ہو گیا۔ غرض جب یہ قافلہ شہر کے درمیان پہنچا تو مقررہ علامت قیصر نے ظاہر کی اور عمرو بن عدی سارے سپاہیوں سمیت تھیلوں کے بند کاٹ کر باہر نکل آئے اور شہر میں اپنی دھاک بٹھا دی اور مقتول جزیمہ کے بدلے کا چیلنج دینے لگے۔ زبّاء محل سے سراسیمہ ہو کر نکلی اور سُرنگ کے ذریعہ بھاگنا چاہتی تھی کہ قیصر پہلے ہی سُرنگ کے دروازہ پر کھڑا تھا عمرو بن عدی بھی اس کے ساتھ تھا۔ زبّاء نے جب اپنے کو گھرا ہوا محسوس کیا تو فوراً انگوٹھی نکالی اور اس کا زہریلا نگینہ نگل لیا اور بولی کہ تیرے ہاتھ سے مرنے کے بجائے میں اپنے ہاتھ سے مرنا پسند کرتی ہوں۔ اتنے میں عمرو اور قیصر تلوار لے کر اس کے پاس پہنچ گئے دونوں نے ایک ساتھ تلوار ماری اور اسے ختم کر دیا، ان دونوں نے زبّاء کی سلطنت پر قبضہ جمایا اور اس کا سارا مال و دولت ہتھیا لیا قیصر نے جزیمہ کی قبر پر یہ شعر کندہ کرائے ؎

ملك تحتی بالعساکر والقنا ؛ والمشرقیة عزّ ما توصف
فسعت منیته الی اعدائه ؛ وهو المنوج والحام المرهف

یہ وہ بادشاہ ہے جو زبردست فوج رکھتا تھا جس کے پاس بے شمار نیزے اور تلواریں تھیں۔ اس کے عمدہ اوصاف نے ان کو قدرت عطا کی ہے۔ اس کی موت اسے اس کے دشمنوں کی طرف کھینچ لے گئی حالانکہ وہ تاجور اور شمشیر بے نیام کا مالک تھا۔

---

(۹) بادشاہ شمر ذوالجناح نے سمرقند پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ مگر شہر پر قابو نہ پا سکا۔ اس نے اسی جستجو میں شہر کا چکر لگایا۔ اسے ایک شخص ہاتھ آیا جو شہر کا رہنے والا تھا۔ اسے پکڑ کر کچھ ذرا اس کی دلجوئی کی اور اپنے سے مانوس کرنے کی کوشش کی۔ پھر اس سے شہر کے بارے میں دریافت کیا۔ تب اس شخص نے بتایا کہ سمرقند کا حاکم بے وقوف ہے۔ وہ صرف کھانے پینے اور عورتوں سے دلچسپی رکھتا ہے۔ رعایا کی دیکھ بھال اس کی لڑکی کرتی ہے۔

شمر نے یہ حال سنکر اس شخص کو حاکم سمرقند کی لڑکی کے پاس قاصد بنا کر بھیجا اور اس کے لیے ہدیہ روانہ کیا اور یہ پیغام دیا کہ مجھے مال جمع کرنے کی خواہش نہیں ہے۔ کیوں کہ خود میرے پاس سونے اور چاندی کے چار ہزار بکسے بھرے رکھے ہیں۔ وہ سب تیرے پاس بھیجدوں گا اور پھر چین پر حملہ کروں گا۔ اگر میں نے چین کو فتح کر لیا تو تجھ سے شادی کر لوں گا۔ اور اگر میں اس جنگ میں کام آ گیا تو میرے تمام مال کی تو مالک ہو جائے گی۔

شمر کا یہ پیغام حاکم سمرقند کی لڑکی نے منظور کر لیا اور کہا کہ مال میرے پاس بھیجدے۔ تب شمر نے چار ہزار صندوق سمرقند بھیجدیے اور ہر صندوق میں دو

دو شخص چھپا دیے اور انھیں بتا دیا کہ جب میں جھانج بجواؤں اور اس کی آواز تمھیں سُنائی دے تو تم صندوق سے باہر آجانا۔ جب صندوق شہر میں پہنچ گئے شمر نے جھانج بجوائے جسے سن کر صندوق کے اندر بیٹھے ہوئے سپاہی باہر نکل آئے اور شہر کے دروازوں پر قبضہ کر لیا۔ جسے بعد میں شمر اپنے لشکر کو لے کر شہر میں گھس آیا اور دشمنوں کو قتل کر کے شہر پر قابض ہو گیا۔ اور یہاں کا مال لوٹ کر چین کی طرف چل دیا۔

(۱۰) شہنشاہِ فارس نہایت ذہین وذکی شخص تھا کسی نے اس سے اپنے کسی دوست کی شکایت کی جس سے کسریٰ کی ہمدردی ظاہر کرنی مقصود تھی۔

کسریٰ نے جواب دیا کہ تم نے ہماری جو خیر خواہی میں یہ بات کہی ہے؟ اس سے تو خوش ہوئے اور تمھارے دوست کو واقعی لائق مذمت سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے دوستوں کو بھی پہچاننے کا سلیقہ نہیں رکھتا۔

(۱۱) کسریٰ کو اس کے جیوتشیوں نے یہ بتایا کہ ہمارے علم کی رُو سے آپ طبعی موت نہیں مریں گے۔ بلکہ آپ کو قتل کیا جائے گا۔ تب اس نے سوچا کہ پھر میں بھی اپنے قاتل سے ضرور بدلہ لوں گا اور اسے قتل کروں گا۔ یہ بالکل عجیب سی بات تھی۔ مگر کسریٰ نے ایک عجیب و غریب تدبیر نکالی۔ اس نے بہت تیز زہر کو کسی دوا میں ملوا کر ایک مرتبان میں رکھ دیا اور اس مرتبان میں یہ چٹ لگا دی کہ "قوتِ باہ کی مجرب دوا، خوراک اتنی اتنی مقدار، اور کھا کر ایک شب میں اتنی عورتوں سے محبت کر سکتا ہے۔

کسریٰ نے یہ مرتبان اپنی مخصوص دواؤں میں رکھوا دیا۔ چنانچہ اس کے بیٹے شِرَوَیہ نے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس نے سرکاری خزانوں کی چھان بین کی تو اسے یہ مرتبان نظر پڑا۔ اسے دیکھ کر اس نے کہا۔ کہ آج یہ راز کھلا کہ کسریٰ میں اتنی طاقت کہاں سے آئی جس بنا پر وہ کئی کئی باندیوں سے ہم بستر ہوتا تھا۔ یہ

ایک بادشاہ شکست کھاکر فرار ہوا تو دشمن کی فوج نے اس کا پیچھا کیا۔ بادشاہ
(۱۲) بھاگتے ہوئے شیشے کے نگینے راستے میں بکھیرتا چلا گیا۔ کہیں کہیں پیتل کے
سکے ڈالدیے جن پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا۔ پیچھا کرنے والے ان چیزوں کے لالچ
میں ..... اصلی سمجھ کر انھیں چُننے لگے اور بادشاہ موقع پر نکل گیا۔

ایک بادشاہ پر دوسرے بادشاہ نے زبردست لشکر لے کر چڑھائی کا ارادہ
(۱۳) کیا اس کو جب اس کے حملے کی اطلاع ملی تو اس نے جوا کٹھے کر کے انھیں کنیز
کے پانی میں ڈال کر جوش دیا پھر سکھا کر ان میں سے کچھ جو کسی جانور کو بطور تجربہ کھلائے
تو وہ اسی روز مرّہ مر گیا۔

چنانچہ جب دشمن کا لشکر اس کے سرحد کے قریب آیا تو اس نے اپنے لشکر
کو پیچھا ہٹا لیا اور جو کے ڈھیر باہر میدان میں لگے چھوڑ دیے دشمن کا لشکر جب
پہنچا تو انھوں نے مفت کا چارہ سمجھ کر اپنے جانوروں کو وہ خوب کھلائے نتیجہ
یہ ہوا کہ ان کے سارے جانور مر گئے۔

دو گروہوں میں جنگ ہو رہی تھی۔ ایک گروہ کے ساتھ ہاتھی تھے اسلیے
(۱۴) وہ غالب آرہے تھے۔ دوسرے گروہ کو ترکیب سُوجھی۔ وہ کہیں سے خنزیر
پکڑ لائے اور اسے ہاتھی کی سونڈ پر دے پٹکا خنزیر نے گھبرا کر چیخنا شروع کیا۔
ہاتھیوں نے یہ آواز سنی تو وحشت زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں کی کافروں سے جنگ ہو رہی تھی۔ کافروں کے پاس ہاتھی تھے
(۱۵) ایک شخص نے ایک ہاتھ میں بلاؤ اٹھایا دوسرے میں تلوار اٹھائی۔ قریب
جاکر تلوار تو سونڈ پر ماری اور بلاؤ کو ہاتھی کے منہ پر اتنا زور سے دے مارا کہ ہاتھی
گھبرا کر پلٹا ہودے سمیت اپنے سواروں کو نیچے پھینک دیا۔ پھر کیا تھا لشکرِ اسلام
نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کافروں کو بھگا دیا۔

(۱۶) ایک امیر دشمنوں سے لڑنے کے لیے نکلا۔ سب لوگ ناشتے میں

مشغول تھے کہ امیر کے ہم نشین ایک دور اندیش شخص نے کہا، اے امیر سوار ہو جاؤ۔ دشمن کہیں قریب ہی ہے۔ امیر بولا۔ دشمن کہاں ہے۔ ابھی آس پاس کچھ پتہ نہیں ہے ہمنشین نے کہا دیر نہ کرو۔ بس سوار ہو جاؤ۔ دشمن آیا ہی چاہتا ہے اس پر امیر اور اس کے آدمی سب سوار ہو کر چوکس ہو گئے۔ اتنے میں سامنے سے گرد و غبار اٹھتا نظر آیا اور پھر دشمن کے گھوڑے دوڑتے دکھائی دیے۔

اس شخص سے امیر نے پوچھا کہ تم نے دشمن کی آمد کا کس طرح اندازہ کر لیا؟ آپ نے جنگلی جانوروں پر نظر ڈالی کہ وہ جنگل سے بھاگتے ہوئے ہماری طرف آرہے تھے حالانکہ وہ انسانوں سے بدکتے ہیں اور دور رہتے ہیں مگر وہ ہماری طرف دوڑے آرہے ہیں۔ یہ بات خلاف عادت نظر آئی۔ اس لیے میں نے سمجھ لیا کہ کسی بات سے خوف زدہ ہو کر بھاگے ہیں۔ اور وہ دشمن کا لشکر ہی ہو سکتا ہے۔

دشمنوں کے دل میں بھی، بس جاتا ہے شیریں کلام
بات تم ایسی کرو، ہر دل کو جو بہتر لگے

طاہر بن ثاقب

باب ۲۴

اطبّاء کی ذہانت کے واقعات

(۱) محمّد بن علی الامین کا بیان ہے کہ بغداد سے ایک لڑکا مکہ شہر پہنچا۔ دورانِ سفر اسے منہ سے خون آنے لگا تھا۔ اس نے مشہور طبیب حاذق ابوبکر رازی کو دکھایا۔ اس نے اسے خوب اچھی طرح دیکھا بھالا۔ تکلیف کی پوری تفصیل سنی نبض اور قارورہ دیکھا۔ خون کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ مگر اس کی بیماری کا کوئی سبب معلوم نہ ہوا۔ نہ اندر کوئی زخم تھا اور نہ کوئی اور بیماری محسوس ہوئی۔ بات کا سرا ہاتھ نہ آیا تو رازی نے مریض سے ٹھہرنے کے لیے کہا۔ طبیب کی اس عدمِ تشخیص سے اس لڑکے کو مایوسی طاری ہوئی۔

ابوبکر رازی نے دوبارہ اس کے پاس آکر کچھ سوالات کیے۔ دورانِ سفر کے حالات پوچھے۔ راستے میں کس قسم کا پانی پینے میں آیا۔ اس کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ اس نے حوض اور تالاب کا بھی پانی پیا ہے۔ یہ سن کر رازی نے سمجھ لیا کہ مرض کا سبب کیا ہے۔ اس نے اندازہ کر لیا کہ پانی کے ساتھ اس کے معدہ میں جونک چلی گئی ہے۔ خون اسی وجہ سے آرہا ہے۔ اب رازی نے اس کی کیفیت پر غور کیا اور اس نے کہا کہ بس تمہارا علاج میری سمجھ میں آگیا۔ البتہ تمہارے آدمیوں کو میری بات ماننی ہوگی جس طرح میں کہوں انھیں اسی طرح کرنا ہوگا۔

رازی نے تالاب سے کائی منگوا کر دو بڑے بڑے برتنوں میں بھر ڈالی اور اگلے دن یہ کائی لے کر مریض کے یہاں گیا اور اس سے کہا کہ یہ کائی تمہیں نگلنی ہوگی۔ اس نے جوں توں کچھ کائی نگلی۔ کچھ کھا کر انکار کیا تو رازی نے اصرار کیا۔ وہ کچھ عذر و معذرت کرنے لگا۔ رازی نے اس کے آدمیوں سے کہا کہ اس کو پکڑ کر سیدھا لٹاؤ۔ رازی نے اسی حالت میں اس کا منہ کھول کر زبردستی اس کے منہ میں وہ کائی ٹھونسی اور اسے خوب ڈانٹ پلاتے رہے کہ جس طرح بھی ہو اسے نگلو۔ غرض اسی طرح ایک لگن کے قریب کائی اس کے حلق میں اتار دی۔ اب وہ چلانے لگا کہ خدا کے واسطے مجھے بخشو۔ اب نہیں نگل سکتا۔ اور کھلاؤ گے تو مجھے الٹی ہو جائے گی۔ مگر حکیم رازی نے اس کی ایک نہ سُن کر دی۔ دوسرے برتن کی کائی بھی انگلیوں سے اس کے منہ میں ٹھونسنی شروع کی۔ مریض چیختا رہا۔ آخر اُسے قے ہوئی۔ اب جو دیکھا تو اس قے میں جونک نظر آئی۔ جونک کائی میں پیدا ہوتی ہے، کائی مریض کے معدہ میں پہنچی تو طبعاً جونک کا میلان اس کی طرف ہوا اور اپنی جگہ سے سرک کر کائی پر آئی۔ ادھر مریض کی طبیعت قے کی طرف مائل ہوئی تو کائی سمیت جونک معدہ سے باہر آگئی جس کے نتیجے میں وہ لاعلاج مریض صحت یاب ہو گیا۔

(۲) علی بن الحسن الصیدلانی کا بیان ہے کہ ہمارے یہاں ایک معمار کا نوعمر لڑکا رہتا تھا اتفاقاً اس کے پیٹ میں سخت درد ہوا۔ رہ رہ کر درد اٹھتا تھا جیسے کوئی چوکے مارتا ہو۔ اس تکلیف کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔ اس حالت نے لڑکے کو لاغر و کمزور کر دیا۔ نہ کھانا رہا نہ پینا۔ بظاہر مرنے کے آثار نظر آنے لگے۔ حتیٰ کہ علاج کیلئے اہواز نامی مقام پر لے گئے، مگر کسی علاج سے فائدہ نہ ہوا تو ناچار گھر لے آئے اور اس کی طرف سے سب کو مایوسی ہو گئی۔

اتفاقاً ادھر سے کسی طبیب کا گزر ہوا۔ اس کا حال سنا اور کیفیت دیکھی۔

پھر اس سے گزشتہ کچھ واقعات پوچھے۔ تو اس نے ایک واقعہ بیان کیا کہ میں ایک باغ میں گیا تھا۔ وہاں جس جگہ جانور بندھتے ہیں وہاں کچھ انار پڑے ہوئے تھے میں نے وہ انار کافی مقدار میں کھائے تھے۔ حکیم نے پوچھا کہ کس طرح کھائے تھے اس نے کہا دانت سے کاٹ کاٹ کر چھلکا پھینکتا رہا پھر توڑ توڑ کر ان کے ٹکڑے کھائے۔

یہ سُن کر حکیم نے مرض کی وجہ سمجھ لی اور اس سے کہا کہ کل تمھارا علاج انشاء اللہ کیا جائے گا۔

دوسرے دن وہ ایک ہانڈی لے کر آیا جس میں تازہ گوشت کے بھُنے ہوئے پارچے تھے۔ حکیم نے مریض کو ہانڈی دی کہ یہ سالن کھالے۔ اس نے پوچھا کیا چیز ہے۔ حکیم نے کہا کہ پہلے کھالو پھر بتادیں گے۔ مریض نے وہ گوشت کے پارچے کھائے۔ جب اچھی طرح اس نے پیٹ بھر لیا تب حکیم نے مریض سے پوچھا کہ تمھیں معلوم ہے کہ تم نے کیا کھایا ہے؟ اس نے کہا آپ بتائیے؟ حکیم نے کہا یہ کتے کے پارچے تھے۔ یہ سنتے ہی اسے قے ہوگئی اور جو کچھ بھی کھایا تھا وہ سب باہر آگیا۔ اس قے کو حکیم نے بغور دیکھا تو اس میں کھجور کی گٹھلی کے برابر سیاہ رنگ کا ایک کیڑا دکھائی دیا۔ حکیم نے کسی چیز سے اس کو پکڑ کر اٹھایا اور مریض سے کہا۔ بس اب مطمئن ہو، تو اچھا ہوگیا۔ اپنا سر اوپر اٹھا، جو کچھ تیرے پیٹ میں تھا نکل گیا۔ اور جو تیرے مرض کا سبب تھا وہ بھی دور ہوگیا۔ پھر اس کو دوسری دوا دی جس سے قے اور ابکائی تھم گئی۔ منہ پر عرقِ گلاب کے چھینٹے دیے۔ پھر اسے وہ کالے رنگ کا کیڑا دکھایا جو قے کے ذریعے نکلا تھا اور بتایا کہ یہ چیچڑی ہے۔ جہاں انار پڑے ہوئے تھے وہ گائے وغیرہ کے بندھنے کی جگہ تھی۔ وہاں چیچڑیاں موجود تھیں۔ کسی انار کے ساتھ چیچڑی پیٹ میں چلی گئی اور اس نے معدے کو چوسنا

شروع کیا، اس کے چوسنے سے درد ہوتا اور چوکے لگتے۔ میرا ذہن اسی طرف گیا کہ معدہ میں کوئی چیچڑی پہنچ گئی۔ اس کی خاصیت ہے کہ کتے کے گوشت پر عاشق ہے۔ اس لیے تجھے یہ کھلایا گیا۔ اگر چیچڑی معدہ میں نہیں ہوتی۔ اس کے کھانے سے نقصان تو کچھ نہ تھا سوائے اس کے کہ مجبوری میں ایک ناجائز چیز کھانی پڑی غرض میرا قیاس درست تھا۔ اب تو بالکل تندرست ہوگیا۔ اور اب دوا نہ دی جائیگی البتہ یہ بات پلّے باندھ لے کہ گری پڑی چیز آئندہ ہرگز اسے منہ میں نہ دینا جب تک اسے اچھی طرح نہ دیکھ لو۔ بچانے اور مارنے والا تو خیر اللہ ہی کی ذات ہے۔

(۳) ابوادریس خولانی کا بیان ہے کہ محمد بن ادریس الشافعیؒ کا کہنا ہے کہ بالعموم کوئی موٹا آدمی اچھا نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ کوئی امام محمدؒ شیبانی جیسا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دانش منداور سمجھدار آدمی کے اندران دونوں میں سے ایک بات کا ہونا ضروری ہے کہ یا تو وہ آخرت کا اور اگلے جہان کی دائمی راحت کی تیاری اور فکر میں رہے گا یا دنیوی زندگی کی راحت و آسائش کی طلب میں لگے گا۔ دونوں صورتوں میں اس کے دل و دماغ پر فکر سوار رہے گا اور اس غم کی موجودگی میں چربی آدمی کے جسم پر نہیں چڑھ سکتی۔ اور اگر آدمی کو نہ غم عقبیٰ ہو نہ غم دنیا۔ تو پھر وہ کاہے کو دبلا ہوگا۔ وہ تو بے حس اور بے فکر چوپایوں کی طرح پھولتا ہی چلا جائے گا۔ چنانچہ اس کی تائید اگلے وقتوں کے ایک بادشاہ کے قصے سے ہوتی ہے۔

یہ بادشاہ بہت موٹا تھا۔ چربی جسم میں اتنی بڑھ گئی تھی کہ اسے چلنا پھرنا دوبھر ہوگیا۔ تب کچھ تدبیریں کیں، حکیموں، ویدوں اور ہر طرح کے معالج کو جمع کیا۔ سب نے اپنے اپنے جتن کیے۔ بادشاہ کا بدن ٹس سے مس نہ ہوا۔ اور جسم پر گوشت کی ایک بوٹی کے برابر بھی وزن کم نہ ہو سکا۔

آخر ایک حاذق حکیم اور بہت سمجھدار معالج بلوایا گیا اور بادشاہ نے اس سے کہا کہ تمہارے علاج سے میں اچھا ہو گیا تو مالا مال کر دوں گا۔

طبیب نے کہا۔ حضور مجھے علم نجوم میں بھی بہت مہارت ہے کل تک ذرا مہلت دیجیے کہ رات کو آپ کے زائچے پر غور کر کے اس کی دوا تعین کروں گا جو آپ کے ستارے کے موافق ہے۔

بادشاہ نے منظور کیا۔ اگلے دن طبیب بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو بولا کہ حضور جان بخشی فرمائیں تو عرض کروں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ چلو ہم نے جان بخشی کی۔۔۔ اس پر طبیب نے کہا، بندے نے آپ کا زائچہ دیکھا تو پتہ چلا کہ آپ کی عمر میں صرف ایک ماہ رہ گیا ہے۔ اب آپ اجازت دیں تو علاج کروں! میری اس بات کی تصدیق چاہتے ہیں تو مجھے اپنے یہاں نظر بند کر لیجیے۔ میری بات سچ نکلے تو مجھے رہا کر دیا جائے ورنہ گردن ماردی جائے۔

چنانچہ بادشاہ نے طبیب کو نظر بند کر دیا اور موت کے خوف سے ساری عیش وعشرت سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشین ہو گیا۔ اور سب سے الگ تھلگ رہنے لگا۔ جو دن گزرتا موت کے تصور سے ہلکان ہوتا گیا۔ کمزوری بڑھتی گئی۔ گوشت گھلنے لگا۔ ۲۸ دن گزر گئے تو طبیب کو قید خانہ سے بلوایا۔ اور پوچھا کہ اب تمہارا کیا خیال ہے۔

طبیب نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے بھلا مجھ ناچیز اور بندۂ حقیر کا یہ رُتبہ کہاں کہ اللہ تعالیٰ مجھے غیب کی باتیں بتا دیتا ــــ مجھے تو اپنی عمر کا بھی پتہ نہیں آپ کی عمر کا تو کیا ہوتا ــــــ البتہ آپ کے مٹاپے کو کم کرنے کے لیے اس تدبیر کے سوا کوئی اور علاج ممکن نہ تھا۔ میرے نزدیک غم کو مسلط کر دینے ہی سے یہ مٹاپے کا مرض جدا ہو سکتا تھا۔

اس تدبیر سے آپ کے گردوں کی اور دیگر اعضاء کی چربی پگھل گئی اور آپ کا جسم صحیح حالت پر آ گیا ——— بادشاہ اس حسنِ تدبیر سے بہت خوش ہوا اور طبیب کو انعام واکرام دے کر مالا مال کر دیا۔

ابوالحسن بن الحسن بن محمدؒ صالحی کاتب کا بیان ہے کہ مصر میں قطیعی نام کا (۴) ایک مشہور طبیب تھا جس کی ماہانہ آمدنی وزراء سے وظیفوں کی شکل میں بھی ہوتی تھی۔ سلطان کی طرف سے ماہانہ مشاہرہ مقرر تھا۔ اور عوام سے الگ آمدنی تھی۔ جس کا تخمینہ ایک ہزار دینار کے لگ بھگ تھا۔

قطیعی نے ذاتی شفاخانہ تعمیر کرایا تھا جس میں مریضوں اور ضعیف لوگوں کے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ ان کے علاج اور خدمت پر قطیعی اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ خرچ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک رئیس کے نوجوان لڑکے کو سکتہ لاحق ہو گیا۔ سب اطباء نے دیکھ کر یہ فیصلہ دیا کہ یہ مر چکا۔ چنانچہ ورثاء نے تجہیز وتکفین کا انتظام شروع کر دیا۔ صرف ایک قطیعی کی رائے تھی کہ اس نوجوان کو سکتہ ہو گیا ہے اور یہ مرا نہیں۔ سب اطباء نے جب اس کے مرنے کا فیصلہ دے دیا تو قطیعی نے کہا کہ اچھا اب یہ نوجوان سب کے نزدیک مر چکا ہے۔ اب میرے علاج سے اسے موت ہی آ سکتی تھی سو وہ دوسرے اطباء کے نزدیک ہو چکی۔ لہٰذا میرا علاج بے ضرر ہے آخر ورثاء نے اس لڑکے کو قطیعی کے حوالے کر دیا۔

قطیعی نے ایک نہایت قوی اور سخت دل غلام کو بلوایا اور کوڑا منگایا اب قطیعی نے غلام کو حکم دیا کہ اس میت کو پوری قوت سے دس کوڑے مار۔ غلام نے کوڑے مارے۔ اس کے بعد قطیعی نے نوجوان کے جسم پر ہاتھ پھیر کر دیکھا۔ اس کے بعد پھر دس کوڑے لگوائے پھر جسم پر ہاتھ پھیرا۔ نبض دیکھی اور اطباء سے پوچھا کہ کیا مردے کی نبض چلتی ہے؟ سب نے انکار کیا تو اس نے اطباء سے کہا۔ ذرا اس کی

نبض پر ہاتھ رکھو۔ دوسرے اطبار نے نبض دیکھی تو اس میں واقعی حرکت موجود تھی۔ قطیعی نے پھر مزید دس کوڑے لگوائے اور اب اطبار کو نبض دکھائی تو اب پہلے سے زیادہ تیز بڑھی ہوئی محسوس ہوئی۔ اب قطیعی نے دس کوڑے اور لگوائے تو مریض کے منہ سے آہ نکلی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور اس نے کراہنا شروع کر دیا قطیعی نے پوچھا کہ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ مریض نے کہا مجھے بھوک معلوم ہو رہی ہے۔

قطیعی نے اس کے لیے کچھ منگوایا تو مریض نے آنکھیں کھولیں اور جسم میں حرکت و حرارت پیدا ہوئی تو مریض کھڑا ہو گیا اور اپنے آپ کو بالکل تندرست محسوس کرنے لگا یہ دیکھ کر اطبار نے قطیعی سے پوچھا کہ یہ تدبیر آپ کو کہاں سے معلوم ہوئی قطیعی نے بتایا کہ ایک بار میں ایک قافلے کے ساتھ ہم سفر تھا عرب کے بدو قافلے کی حفاظت کے لیے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اچانک ایک گھوڑا سوار بدو گھوڑے سے گر کر بے ہوش ہو گیا۔ اس کا سانس بند ہو گیا۔ سب نے یہی سمجھا کہ یہ نوجوان مر گیا۔ اتنے میں ایک بوڑھا آدمی آیا۔ اس نے کہا یہ مرا نہیں بلکہ اس کو سکتہ لاحق ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس بوڑھے آدمی نے اس نوجوان کو پیٹنا شروع کیا اور جب تک اس کو ہوش نہ آیا مارتا ہی رہا اس کے اس طرز عمل پر میں نے غور کیا تو یہ بات سمجھ آئی کہ ضرب اور مار سے حرارت پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس نوجوان کے اندر حرارت حقیقتاً موجود تھی۔ موت واقعتاً لاحق نہیں ہوئی تھی جو حرارت بالکل ختم ہو جاتی۔ سکتے نے حرارت کو معطل اور کمزور کر دیا تھا مار پیٹ سے حرارت بڑھ گئی اور اس کا سکتہ دور ہو گیا۔ اس کے پیش نظر میں نے اس بیمار کا علاج کیا۔

(۵) ابو المنصور بن ماریہ رئیس بصرہ نے اپنے ایک شیخ کے حوالے سے نقل کیا کہ ان کے کسی عزیز کو استسقاء کا مرض تھا۔ زندگی سے مایوسی ہو گئی تو لوگ بغداد لے آئے۔ اطبار کو دکھایا گیا انھوں نے باہم مشورہ سے دوائیں تجویز کیں۔ مگر بخارا

والوں نے بتایا کہ یہ ساری دوائیں دی جا چکی ہیں۔ تب بغداد کے بڑے طبیبوں نے بھی جواب دے دیا۔

آخر مریض بھی جب خود سے مایوس ہو گیا تو اس نے گھر والوں سے کہا کہ اب موت تو آ ہی گئی ہے تم دوا اور پرہیز دونوں ختم کرو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ جتنے دن زندگی ہے جو میرا جی چاہے کھا پی لوں۔ کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ انھوں نے مجبور ہو کر اسے آزادی دے دی۔ مریض نے بھی یہ طریقہ اختیار کیا کہ دروازے پر جا بیٹھتا اور بکنے کے لیے کھانے کی جو چیز سامنے آتی لے کر کھا لیتا۔

ایک مرتبہ ایک شخص پکی ہوئی ٹڈیاں فروخت کر رہا تھا۔ اس مریض نے ۵ سیر خرید کر کھا ڈالیں۔ اب اس کو دست لگے ہیں تو تین روز تک دستوں نے بے حال کر دیا اور سارا گھر دستوں سے بھر گیا۔ تین دن میں ۳۰۰ بار پاخانے جانے کی نوبت آئی۔ اتنے دستوں کے بعد مرنے کا سا حال ہو گیا۔ جو کچھ جسم میں نجاست دستوں کے رستے نکل گیا۔ مگر یہ فاسد مادہ تھا جو دستوں میں نکل گیا۔ اس کے نتیجے میں وہ بھلا چنگا ہو گیا طبیب نے اسے صحت یاب دیکھا تو تعجب میں پڑ گیا۔ اس سے کیفیت پوچھی تو اس نے ٹڈیاں کھانے کی تفصیل بتائی مگر طبیب کو یقین نہ آیا۔ اس نے کہا کہ عام ٹڈیوں میں تو ایسی کوئی خصوصیت نہیں ہے البتہ وہ ٹڈیاں کچھ خاص قسم کی ہوں گی۔ اس لیے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ٹڈیاں کہاں سے حاصل کی تھیں۔

مریض نے ٹڈیاں فروخت کرنے والے کا کچھ نشان پتہ بتایا۔ طبیب اس کی تلاش میں رہا۔ آخر ایک روز اسی طرح کا ایک آدمی مکان کے سامنے سے گزرا تو اس نے روک کر دریافت کیا۔ تب اس نے بتایا کہ ٹڈیاں شکار کرنا میرا پیشہ ہے۔ ان کو پکا کر فروخت کرتا ہوں۔

طبیب نے پوچھا کہ ٹڈیاں کس جگہ سے پکڑ کر لاتا ہے اس نے بتایا کہ بغداد سے کچھ

فاصلے پر ایک مقام ہے۔ طبیب نے اسے انعام دینے کا وعدہ کیا اور کہا چل کر اس جگہ کی نشاندہی کر۔ چنانچہ وہ اسے لے کر جنگل گیا وہاں جاکر طبیب نے ٹڈیاں جمع کیں جو کسی بوٹی پر بیٹھی تھیں۔ اب ان ٹڈیوں کو اور بوٹی کو ساتھ لے کر آیا۔ طبیب نے انھیں دیکھ کر کہا کہ یہ ٹڈیاں اسی جنگل کی گھاس کھاتی ہیں جس میں استسقاء کی بوٹی ہوتی ہے۔

یہ بوٹی اگر کوئی شخص ایک درہم کے بقدر کھالے تو اس کو بے تحاشہ دست چھوٹ جائیں، حتی کہ دستوں کے رُکنے کی توقع نہیں رہتی اور جان کے ضائع ہونیکا اندیشہ رہتا ہے۔ اس لیے طبیب اس بوٹی سے مرضِ استسقاء کا علاج بالعموم نہیں کرتے اور اس کے استعمال کو خطرناک سمجھتے ہیں۔ اس مریض کو ان ٹڈیوں کے کھانے سے فائدہ پہنچا اور یہ ٹھیک ہوگیا تو بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ ٹڈیوں نے اس بوٹی کو کھایا تو اس بوٹی کا پہلا اثر ٹڈیوں پر ہوا۔ پھر وہ ٹڈیاں پکائی گئیں تو بوٹی کا اثر ٹڈیوں کے واسطے سے سالن میں آیا۔ ان دو مرحلوں سے گزر کر اس خطرناک بوٹی کی تاثیر کمزور پڑ گئی۔ اور اس میں اعتدال پیدا ہوگیا، جس کے نتیجہ میں ان ٹڈیوں کا سالن اس مریض کے حق میں مُضر ہونے کے بجائے مفید ہوا اور اسکو ایک لاعلاج مرض سے صحت نصیب ہوئی۔

(۶) ابو بکر جعانی کہتے ہیں کہ میں ایک روز قاضی حسین بن عمرو کے یہاں پہنچا تو وہ کچھ اداس نظر آئے۔ میں نے پوچھا قاضی القضاۃ کو اللہ ہر رنج وغم سے بچائے۔ کیا قصہ ہے؟ خدانخواستہ کوئی بات تو پیش نہیں آئی؟

کہنے لگے کہ تمھیں پتہ نہیں۔ یزید المالی کا انتقال ہوگیا میں نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا نگہبان ہو۔ یزید المالی مرگیا تو آپ کے اس قدر افسردہ ہونے کا کیا سبب ہے؟ وہ کہنے لگے بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم جیسا آدمی یہ بات کہتا ہے

یزید المالئی یکتائے روزگار اور نادر آدمی تھا۔ وہ ایسا حاذق طبیب تھا کہ اس کے بعد اب اس کا کوئی ثانی نہیں۔ ایسی شخصیت کا اُٹھ جانا کس قدر موجب الم ہو سکتا ہے تم اس کا اندازہ کر سکتے ہو۔ ایسے لائق اور اہل علم کے اٹھ جانے سے ملک وملت کو کتنا نقصان پہنچتا ہے۔ پھر اسی ذیل میں قاضی حسین ابن عمرو نے یزید المالئی کی عجیب وغریب خصوصیات اور خوبیاں بتائیں۔ اس کے علاج معالجے کے حیرت انگیز واقعات سنائے۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ سنایا کہ:

شہر کے کسی بڑے آدمی کی لڑکی کو ایک بیماری لگی۔ مگر وہ اس نوعیت کی تھی کہ لڑکی نے اس کو ظاہر کرنے میں شرم محسوس کی۔ تاہم کسی نہ کسی طرح باپ کو اس تکلیف کی خبر لگی تو وہ بھی کافی دنوں تک اسے چھپاتا رہا۔ آخر جب تکلیف جان لیوا ہو گئی تو اس نے مجبوراً اس تکلیف کا اظہار کیا اور وہ اس قسم کی تھی کہ لڑکی کی شرمگاہ میں درد اور تکلیف کے جھٹکے لگتے تھے۔ اور وہ اتنے سخت ہوتے تھے کہ مریضہ تڑپ اٹھتی تھی اور چیخیں مارتی۔ سارا گھر اس سے پریشان ہو جاتا اور کبھی کبھی گوشت کے دھوون کا جیسا خون یا رقیق مادہ بھی اس سے نکلتا۔ دیکھنے میں نہ کوئی زخم معلوم ہوتا اور نہ کوئی ورم محسوس ہوتا۔ باپ سے جب بچی کی تکلیف نہ دیکھی گئی اور خود یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ بچی بغیر علاج کے مر گئی تو خدا کے ہاں جواب دہی ہوگی اور باز پرس بھی۔ چنانچہ اس نے یزید المالئی کو مریضہ کا حال بتایا۔ یزید نے حال سُن کر کہا کہ جناب صاف صاف بات یہ ہے کہ مرض کی تشخیص کو مریضہ کو دیکھے بغیر اور مقام درد کو چھوئے بغیر ممکن نہیں پھر مریضہ سے بھی کچھ باتیں معلوم کرنی ہوں گی۔

یزید المالئی یہ سب شرطیں لڑکی کے باپ نے منظور کر لیں کہ اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا بہر حال یزید نے لڑکی کا معائنہ کیا، طول طویل سوالات کیے جن کا بظاہر مرض سے کوئی براہِ راست تعلق نہ تھا۔ باپ کو یہ سب باتیں کڑوے گھونٹ

کی طرح برداشت کرنا پڑیں۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ یہ طبیب حاذق ہے اور مریضوں کے حالات کا امین ہے۔ آخر یزید نے مریضہ کے باپ سے کہا کہ کوئی شخص اس کو مضبوطی سے تھام لے تو میں اس کو اچھی طرح دیکھوں۔ تب یزید نے اپنا ہاتھ بہت تیزی کیساتھ مریضہ کے اندر تک گھسا دیا۔ لڑکی دہشت اور صدمہ سے چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی اور اندر سے خون بہنے لگا۔ یزید نے اپنے ہاتھ باہر نکالا تو ایک چھوٹا سا جانور اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اس کو فوراً زمین پر پھینک دیا۔ اسی دوران وہ لڑکی ہوش میں آ گئی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اوڑھنے کے لیے کپڑا مانگا اور باپ سے کہا کہ بس مجھے پردہ میں کر دو میں ٹھیک ہو گئی۔

یزید نے باہر آ کر وہ جانور باپ کو دکھایا، اس نے حقیقتِ حال پوچھی تو یزید نے کہا کہ ——— میں اور لمبی چوڑی پوچھ گچھ اور استفسارات سے بھی مرض کے اسباب تک پہنچنا چاہتا تھا سو اس کا پتہ بحمداللہ میں نے لگا لیا۔ کیونکہ لڑکی نے بتایا کہ ایک روز وہ جانوروں کے کوٹھے میں جا کر بیٹھی تھی۔ بس اسی روز سے تکلیف شروع ہو گئی۔ اس سے میں نے سمجھا کہ چیچڑی پیشاب گاہ میں جا گھسی اور جا کر بار بار میں چمٹ گئی۔ وہ بیٹھ بیٹھ کر خون چوستی ہے۔ اس کی وجہ سے درد ہوتا ہے اور گاہ بگاہ خون بھی اسی وجہ سے تھوڑا بہت آ جاتا ہے کہ جب خون چوس کر وہ شکم سیر ہو جاتی ہے تو زخم کی جگہ سے کچھ قطرے بہ نکلتے ہیں اور باہر آ جاتے ہیں چنانچہ میں نے ہاتھ پھیر کر دیکھا تو چیچڑی محسوس ہوئی۔ میں نے فوراً اسے قوت سے کھینچ لیا۔ اتنے دن تک خون پی کر پلتے رہنے کی وجہ سے بڑی ہو گئی۔ اور اس کی صورت بھی کچھ بدل گئی۔

(۷) جبریل بن ——— کا بیان ہے کہ رقہ کے سفر میں خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراہ میرے علاوہ ان دونوں لڑکے امین اور مامون بھی تھے۔ ایک روز ہارون بیت الخلاء میں بے ہوش ہو گئے وہاں سے اٹھا کر باہر لایا گیا تو حالت

نازک معلوم ہوئی۔ اس غشی کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ ہارون کھانے پینے کے بہت شوقین تھے۔ اس دن انھوں نے متعدد ایسی چیزیں کھائی تھیں جو باہم متضاد خواص رکھتی ہیں۔ ان کی حالت سے سب کو مایوسی ہوئی تو مجھے نبض دکھائی گئی تو نبض بہت ہلکی معلوم ہوئی۔ خلیفہ کو کچھ روز قبل متلی اور دورانِ خون کی شکایت ہو چکی تھی میں نے فوراً سینگی لگوانے کی تجویز کی۔ خلیفہ کے خادمِ خاص کوثر نے مجھے بُرا بھلا کہہ کر میری تجویز کو رد کر دیا کہ میں ایک مردہ شخص کو سینگیاں لگوانا چاہتا ہوں اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ خلیفہ کی موت کا دل سے خواہش مند اور خلیفہ کے چھوٹے بیٹے امین الرشید کی خلافت کا منصوبہ سوچ رہا تھا۔ تاہم مامون الرشید نے کہا کہ موت اگر آچکی تو اس میں کیا دخل دیا جا سکتا ہے۔ تاہم ایسی صورت میں سینگی لگوانے میں بھی کچھ حرج نہیں۔ چنانچہ حجام کو سینگی لگانے کے لیے بلوایا، بہت سے غلام خلیفہ کے بدن کو دبانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

حجام نے سینگی لگانی شروع کی تو وہ جگہ سُرخ ہو گئی جس سے مجھے کچھ اطمینان ہوا۔ پھر میں نے حجام سے پچھنے لگانے کو کہا۔ جوں جوں خون نکلنا شروع ہوا جسم میں حرکت و حرارت پیدا ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ہارون رشید نے ہوش میں آکر باتیں شروع کر دیں۔

خلیفہ نے پوچھا کہ میں کہاں ہوں۔ پھر کھانے کی رغبت ظاہر کی۔ کچھ مناسب غذا پیش کی گئی تو اُسے کھا کر بالکل چاق چوبند ہو گئے۔ اپنے باڈی گارڈ افسر سے دریافت کیا کہ تمھیں سالانہ کیا مشاہرہ ملتا ہے۔ اس نے دس لاکھ درہم بتایا اس کے نائب نے اپنا ۵ لاکھ درہم بتایا۔ پھر مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا کہ مجھے پچاس ہزار درہم مشاہرہ ملتا ہے۔ اس پر خلیفہ نے کہا کہ تیرے ساتھ ہم نے منصفانہ سلوک نہیں کیا۔ یہ لوگ بھی میرے نگراں اور محافظ ہیں اور تم نے میری جان بچائی پھر انکا مشاہرہ

اتنا زیادہ اور تمہارا اس قدر کم۔ آج سے دس لاکھ سالانہ کیا جاتا ہے۔

(۸) ابوالحسن بن المہدی القزوینی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھ پر سکتہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ گھر والوں نے مردہ سمجھ کر تجہیز و تدفین کی تیاری کرلی اور جنازہ لیکر قبرستان کی جانب چلے۔ جنازہ کے پیچھے گھر کی عورتیں ماتم میں مشغول تھیں۔ جنازہ جب ابن نوح طبیب کے سامنے سے گزرا تو اس نے ساتھ والوں سے کہا کہ یہ شخص مرا نہیں ہے تم کہو تو میں اس کا علاج کرسکتا ہوں۔ اس کی یہ بات سُن کر سب عزیز و رشتہ دار جمع ہوگئے اور کہنے لگے کہ ابن نوح کو ضرور علاج کا موقع دینا چاہیے جان بچ گئی تو سبحان اللہ! ورنہ علاج میں حرج تو کچھ نہیں۔

اس پر بعض نے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ حکومت کی جانب سے کوئی ہنگامہ کھڑا ہو جائے ابن نوح نے کہا کہ اس کا ذمہ دار میں ہوں اگر تم لوگ پھنس گئے تو حکومت کی سزا میں بھگتوں گا..... لیکن یہ بتاؤ کہ اگر یہ شخص علاج سے ٹھیک ہوگیا تو مجھے کیا دوگے ....؟ گھر والوں نے جواب دیا کہ جو آپ کی خواہش ہو۔ تب ابن نوح نے کہا کہ ایک دیت کے بقدر مال۔ گھر والوں نے کہا کہ اس قدر معاوضہ تو ہمارے بس سے باہر ہے۔ غرض گفتگو سے ایک مقررہ مقدار طے پا گئی۔

اس کے بعد ابن نوح مجھے حمام میں اٹھالے گیا اور اپنی تدبیر شروع کی اس کے علاج سے ۲۴ گھنٹے کے بعد مجھے ہوش آگیا۔ تب سب لوگوں نے از سرِ نو مبارک باد دینی شروع کی۔ اور طبیب کو مقررہ رقم دے دی گئی۔ پھر میں نے ابن نوح سے پوچھا تم نے میرے جنازہ میں زندگی کے آثار کیسے محسوس کیے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے تمہارے دونوں پاؤں کفن میں سیدھے کھڑے ہوئے دیکھے۔ حالانکہ مردہ کے پاؤں کھڑے نہیں رہ سکتے۔ یہ دیکھ کر میں نے سمجھ لیا کہ تم سکتہ کا شکار ہو۔ چنانچہ میرا تجربہ کامیاب ہوگیا۔

ابو احمد الحارثی کا بیان ہے کہ ایک عیسائی طبیب تھا جس کا نام موسیٰ
(۲۴) بن سنان تھا۔ اس کے پاس ایک شخص لایا گیا جس کا ذکر پھولا ہوا تھا
اور وہ پیشاب کرنے پر قادر نہیں تھا۔ اور چیختا چلاتا اور فریاد کرتا تھا۔ طبیب نے
اس سے بیماری کا حال پوچھا۔ تو اس نے بیان کیا کہ اتنے دنوں سے اس کو پیشاب
نہیں ہوا۔ اس نے اس کے ذکر کو پھولا ہوا دیکھا اور اس کے حال پر غور کیا تو اسکو
عسر البول کا کوئی سبب نہ ملا اور نہ سنگریزہ تھا تو دن بھر اس کو اپنے پاس بٹھا کر
سوالات کرتا رہا۔ پھر اس نے مریض سے پوچھا مجھے صاف بتا کہ کیا تو نے اپنے ذکر کو
کسی ایسی شئی میں داخل کیا ہے جس میں عادتاً کوئی داخل نہیں کرتا جس کے بعد تجھ کو یہ
شکایت ہوئی۔ اب یہ شخص چپ ہوا اور کہنے سے شرمایا مگر طبیب حال کھلوانے کی
کوشش کرتا رہا اور اس سے رازداری کا وعدہ کرتا رہا۔ آخر اس نے کہہ ہی دیا کہ میں نے
ایک گدھے سے نکاح کیا تھا۔ پھر طبیب نے ہتھوڑا منگایا اور چند غلاموں کو بلایا،
جنھوں نے اس شخص کو سنبھالا اور اس کے ذکر کو لوہار کی سندان پر رکھ کر خوب زور سے
ایک ہتھوڑا مارا جس سے وہ مریض تڑپ گیا تو ایک جو کا دانہ پیشاب کی نالی سے برآمد ہوا
اور یہی قیاس طبیب نے کیا تھا کہ کوئی جو کا دانہ گدھے کے لید کرنے کی وجہ سے ذکر کے
سوراخ میں داخل ہو گیا ہے۔ پھر جب اس پر ہتھوڑا لگا تو وہ نکل آیا۔

ابو القاسم البجلی نے یہ قصہ سنایا کہ ایک خلیفہ کی محبوبہ کنیز نے
(۲۵) کھڑی ہو کر انگڑائی لی۔ یہ خلیفہ غالباً ہارون رشید تھا۔ جب اس نے انگڑائی
کے بعد اپنے ہاتھ کو نیچے لانا چاہا تو نہ لا سکی اور وہ اسی طرح اٹھے رہ گئے تو وہ
جلائی اور اس کو اس سے بڑی شدید تکلیف ہوئی اور خلیفہ کو اطلاع پہنچی تو انھوں نے
آکر اس کے حال کا مشاہدہ کیا جس سے انکو تشویش ہوئی اور طبیبوں سے مشورہ کیا
ہر ایک نے تدبیر کی اور دوا کا استعمال کرایا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور اس لڑکی کو

اس صورت میں کئی دن گزر گئے اور خلیفہ اس کی وجہ سے پریشان تھے تو اس کے پاس ایک طبیب نے آکر کہا کہ اے امیر المومنین! اس کی کوئی دوا نہیں۔ بجز اس کے کہ اس کے پاس کوئی اجنبی شخص پہنچے اور اس سے تخلیہ کرے۔ اور اسکی خاص طور پر مالش کرے جس کو وہ جانتا ہے۔ خلیفہ نے اس کی صحت کی خاطر اسے منظور کر لیا پھر طبیب نے ایک شخص کو بلایا اور اس نے اپنی آستین سے تیل کی شیشی نکالی اور بولا میں چاہتا ہوں، امیر المومنین! کہ آپ اس کو بالکل برہنہ کرادیں تاکہ میں اس کے تمام اعضاء پر تیل کی مالش کروں۔ یہ بات اس پر بہت شاق گزری۔ پھر حکم دے دیا کہ ایسا کر لیا جائے اور اپنے دل میں اس شخص کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور خادم سے کہا کہ اس کو پکڑ لے اور جب وہ ننگی ہو جائے تو اس کے پاس پہنچا دے۔ پھر وہ کنیز برہنہ کر کے کھڑی کی گئی جب وہ شخص اندر گیا اور اس کے قریب گیا تو اس کی طرف اپنے ہاتھ کو اس کی شرمگاہ کی طرف بڑھایا کہ اسے چھونا چاہتا ہے اس کنیز نے فوراً اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی شرمگاہ کو چھپا لیا اس وجہ سے اس پر شدت کے ساتھ گھبراہٹ اور حیا کا غلبہ ہوا حرارتِ طبعی کے پھیلنے کی وجہ سے اس کا بدن گرم ہو گیا۔ اس نے اس کے ارادے کو پورا کرنے میں مدد پہنچائی جب اس نے اپنے جسم (یعنی ہاتھوں) کو شرمگاہ کو چھپانے کے لیے استعمال کرنا چاہا۔ اور پھر جب اس نے اپنی شرمگاہ کو چھپا لیا تو اس سے اس شخص نے کہا تو شفا پا چکی ہے۔ اب اپنے ہاتھوں کو حرارت مت دینا۔ پھر اس شخص کو خادم پکڑ کر رشید کے پاس لایا اور اس کو واقعہ کی اطلاع دی تو اس طبیب سے رشید نے کہا تم اس شخص کے ساتھ کیا معاملہ مناسب سمجھتے ہو۔ جس نے ہماری حرم کی شرمگاہ کا مشاہدہ کیا، تو طبیب نے اپنے ہاتھ سے اس شخص کی جو تیل لے کر پہنچا تھا اس نے اس کنیز کے جسم کا مشاہدہ کیا تھا، داڑھی کھینچ لی۔

تو مصنوعی نکلی۔ جو چہرہ پر لگی ہوئی تھی۔ وہ الگ ہوگئی اور وہ شخص جاریہ ثابت ہوئی طبیب نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین! میں کیسے گوارا کرسکتا تھا کہ آپ کی حرمت اور ناموس کو مردوں کے سامنے کرادوں۔ مگر مجھے ڈر ہوا کہ اگر یہ بات آپ پر کھول دوں تو اس کی اطلاع اس مریضہ کو نہ ہو جائے اور پھر میری تمام تدبیر بے کار ہو جائے کیوں کہ میں یہ چاہتا تھا کہ اس کے دل میں سخت گھبراہٹ پیدا کردوں جس سے اس کی طبیعت پر گرمی کا جوش پیدا ہو جائے اور وہ اپنے ہاتھوں کو کھینچ لائے اور ان میں حرکت پیدا کردے اور اس پر طبعی حرارت بھی معین ہو جائے تو میرے ذہن میں اس کے سوا کوئی اور حیلہ نہ آیا اور میں نے یہ صورت آپ کے سامنے پیش کی، تو خلیفہ نے اس کو بہت بڑا صلہ اور انعام دیا۔

ابو القاسم نے کہا۔ اور اسی نظریہ کی بنا پر اطبا نے ضعیف قسم کے لقوہ کے علاج میں یہ تجویز کیا ہے کہ جب مریض غافل ہو تو لقوہ کی مخالف پر اس کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا جائے تاکہ اس کے قلب میں طبعی جذبۂ گرمی پیدا کردے اور پھر طبعی طور پر ہی بے اختیار اپنا منہ اس طرف پھیرے جس طرف تھپڑ لگا ہے تو لقوہ جاتا رہے گا۔

• صلت بن محمد حجدری کہتے ہیں کہ مجھ سے بشیر بن المفضل نے بیان کیا (۲۶) کہ ہمارا حاجیوں کا قافلہ سفر میں تھا، کہ ہمارا گزر عرب کے پانیوں میں سے ایک پانی پر یعنی (ایک قبیلہ پر) ہوا ہم سے بیان کیا گیا کہ یہاں بہت ہی خوب صورت تین عورتیں ہیں اور بتایا گیا وہ مطب کرتی ہیں اور علاج کی ماہر ہیں۔ ہم نے چاہا کہ ان کو دیکھیں تو (اس کا یہ حیلہ کیا کہ) اپنے ساتھی کی پنڈلی کو ایک لکڑی اٹھا کر اس سے چھیل دیا، یہاں تک کہ اس کا خون پچکانے لگا۔ پھر ہم نے اس کو اپنے ہاتھوں پر اٹھایا اور لوگوں سے کہا اس کے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ کہا کوئی جھاڑنے والا ہے۔ تو ان میں سے اس کی چھوٹی بہن نکل کر آئی۔ ایسی خوب صورت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ

سورج نکل آیا ہے وہ آکر سامنے کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی کہ اس کے سانپ نے نہیں کاٹا، ہم نے کہا کیسے ؟ تو اس نے کہا اس کا جسم ایسی لکڑی سے چھل گیا ہے جس پر سانپ نے پیشاب کیا تھا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کے بدن پر دھوپ لگے گی تو یہ مر جائیگا اور واقعی جب سورج طلوع ہوا تو وہ شخص مر گیا۔ اور ہم متحیر رہ گئے۔

• ایک شخص نے ایک طبیب سے اپنے پیٹ کے درد کی شکایت کی۔

(۲۷) طبیب نے پوچھا، تو نے کیا چیز کھائی تھی، اس نے کہا میں نے جلی ہوئی روٹی کھائی تھی۔ طبیب نے ایک ذرور (آنکھ میں ڈالنے کی دوا) منگائی تاکہ اس کی آنکھ میں لگائے۔ اس نے کہا میرے پیٹ میں درد ہے آنکھ میں نہیں۔

طبیب نے کہا کہ مجھے معلوم ہے۔ لیکن تیری آنکھ میں دوا اس لیے ڈالنا چاہتا ہوں کہ آئندہ جلی ہوئی چیز تجھے نظر آجایا کرے اور تو اس کو نہ نگل جایا کرے۔

رُباعی

ہر فوق پہ حاوی تری قدرت یارب!
ہر تحت میں جاری تری حکمت یارب!
لمحاتِ گریزاں بھی ہیں تیرے پابند
ہر سانس پہ ہے تیری حکومت یارب!

طارق بن ثاقب

باب ۲۵

بن بلائے مہمانوں کے بیان میں

(۱) • اصمعی کہتے ہیں کہ (کھانے کے لیے) بن بلائے کچھ مدعو لوگوں میں شامل ہو کر پہنچ جانے والوں کو طفیلی کہتے ہیں (یہ لفظ طُفل سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں دن میں رات کی تاریکی چھا جانا) اور اس میں مناسبت یہ ہے کہ اس شخص کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ مدعو لوگ اس سے تاریکی میں ہوتے ہیں۔ کہ ان کو پتہ نہیں ہوتا کہ اس کو مدعو کیا گیا ہے یا نہیں۔ اور یہ کیسے ان کے ساتھ آملا۔

اور اصمعی نے کہا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ طُفیلی منسوب ہے طفیل کی طرف طفیل کوفہ میں ایک شخص تھا بنی غطفان میں۔ یہ شخص ولیمے کی دعوتوں میں بغیر بلائے پہنچ جایا کرتا تھا، اسی لیے اس کا نام طفیل الاعراس یا طفیل العرائس (شادیوں کا طفیلی) مشہور ہو گیا تھا۔ اس میں کلام ہے۔ کیونکہ عرب طفیلی کو وارش اور رائش کہتے ہیں۔ اور جو شخص کسی قوم کی مجلس شراب میں بغیر بلائے پہنچ جائے اس کو داعل کہتے ہیں۔

ابو عبیدہ کا قول ہے کہ بنی ہلال میں ایک شخص تھا جس کو طفیل ابن ترلال کہا جاتا تھا۔ جب اس کو کہیں دعوت کا علم ہوتا تھا کھانے کے لیے پہنچ جاتا تھا۔ اور خوب کھاتا تھا تو جو شخص بھی ایسا کرنے لگا اس کو اسی نام سے موسوم کیا جانے لگا

(۳) • ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم میں ایک شخص تھا جس کا نام

ابو شعب تھا، اور اس کے پاس ایک غلام گوشت پکانے والا تھا۔ ابو شعب نے اپنے غلام سے کہا کھانا تیار کرے تاکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کروں۔ ابو شعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صراحت کے ساتھ مدعو کیا کہ کُل پانچ حضرات ہوں گے۔ پانچویں آنحضرت ہوں گے۔ (جب آپ تشریف لے چلے) تو ایک شخص آپ کے پیچھے ہو لیا (وہاں پہونچکر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آپ نے پانچ کی دعوت کی تھی جن میں سے پانچواں مجھے ہونا چاہیے تھا۔ اور یہ شخص ہمارے پیچھے آگیا۔ اگر آپ اجازت دیں تو شریکِ طعام ہو جائے ورنہ واپس چلا جائے۔

(۳) • احمد بن الحسن المقری نے بیان کیا کہ بنان ایک دعوتِ نکاح میں پہنچا اندر پہنچنے کی صورت نہ بن پڑی تو ایک بقال کے پاس گیا اور اس سے دس پیالے شہد لے کر اپنی انگوٹھی گروی رکھ دی اور شادی والے گھر پر پہنچا اور آواز دی کہ دروازہ کھول۔ دربان نے پوچھا تو کون ہے؟ بنّان نے کہا تو مجھے نہیں جانتا، میں وہ ہوں جس کو پیالے لینے کے لیے بھیجا تھا۔ دربان نے دروازہ کھول دیا۔ بنان نے اندر داخل ہو کر لوگوں کے ساتھ کھایا پیا۔ جب فارغ ہو گیا تو پیالے اٹھا کر لے جانے لگا۔ اور دربان سے کہا دروازہ کھولو۔ وہ لوگ خالص شہد چاہتے ہیں، ان کو واپس کرنا پڑے گا۔ پھر آکر پیالے بقال کو دے دیے اور اپنی انگوٹھی لے گیا۔

(۴) • بنان ایک ولیمے کی دعوت میں جانا چاہا، مگر روک دیا گیا اور اس کو ہٹا کر دروازہ بند کر دیا تو ایک سیڑھی کرایہ پر لے آیا اور اس کو شادی کے مکان کی دیوار سے کھڑی کر کے اوپر چڑھ گیا اور گھر کی عورتوں اور لڑکیوں کو جھانکنے لگا۔ گھر والے نے کہا ارے تو کون ہے؟ تجھے خدا کا خوف نہیں۔ تو

ہماری عورتوں اور بیٹیوں کو جھانک رہا ہے۔ بنان نے کہا، اے شیخ! اور یہ آیت پڑھی لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ (ترجمہ) تو خوب جانتا ہے کہ ہم کو تیری بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں اور تو یہ بھی خوب جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں"۔۔۔۔۔ صاحبِ خانہ کو ہنسی آگئی اور بولا نیچے اترا اور کھالے۔

(۵) • محمد بن علی الجلاب سے منقول ہے کہ ایک طفیلی نے ایک شادی کے موقع پر آنا چاہا، مگر روک دیا گیا اور اس کو یہ معلوم تھا کہ دُلہا کا بھائی غائب ہے۔ تو اس نے جاکر ایک کاغذ لے کر خط کی طرح لپیٹا اور اُس کو لفافہ میں بند کر دیا اور اندر کچھ بھی نہیں تھا اور اوپر لکھدیا" بھائی کی طرف سے دولہا کے نام" اور آکر کہنے لگا کہ میرے پاس دُولہا کے بھائی کا خط ہے تو اس کو اندر جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اس نے اندر پہنچکر اہلِ شادی کو خط دے دیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم نے آج تک خط کا پتہ اس طرح لکھا ہوا نہیں دیکھا۔ اس پر کسی کا نام بھی نہیں لکھا۔ طفیلی صاحب نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس لفافے کے اندر بھی کچھ نہیں۔ اس میں ایک حرف بھی نہیں لکھا کیوں کہ وہ بہت جلدی میں تھا۔۔۔۔۔ سب لوگ ہنس پڑے اور سمجھ گئے کہ اس نے اندر آنے کا حیلہ بنایا ہے اور اس کو کھانا کھلا دیا۔

(۶) • منصور بن علی الہضمی نے بیان کیا کہ میرے پڑوس میں ایک طفیلی رہتا تھا دیکھنے میں بڑا وجیہ اور بولنے میں بڑا شیریں زبان اور نہایت عمدہ خوشبو استعمال کرتا تھا۔ اور نہایت خوب صورت لباس زیب تن کرتا تھا۔ اور اس کا معمول یہ تھا کہ جب مجھ کو کسی دعوت میں بلایا جاتا تو میرے پیچھے پیچھے چل دیتا تھا۔ لوگ میری وجہ سے اس کی بھی عزت کیا کرتے اور اس کو میرا دوست سمجھتے تھے۔

ایک دن جعفر ابن القاسم الہاشمی امیر بصرہ نے چاہا کہ اپنے بچہ کی ختنہ کرائے اور معززینِ شہر کو اس تقریب میں مدعو کرے۔ تو میرے تصور میں یہ آیا کہ جعفر کا بھیجا ہوا آدمی میرے پاس آیا اور جب میں چلنے لگا تو وہ شخص بھی میرے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اور واللہ اگر میرے پیچھے اس طرح چلا تو میں اس کو ضرور رسوا کروں گا۔ ابھی میں اس تصور ہی میں تھا کہ قاصد نے مجھے پکارا۔ میں نے بجز اس کے کپڑے پہنے اور باہر نکل آیا اور کوئی کام نہیں کیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ وہ طفیلی صاحب گھر کے دروازہ پر پہلے سے تیار کھڑے ہیں۔ جب میں چلا تو میرے پیچھے پیچھے تھے۔ جب ہم امیر کے مکان پر پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھے تھے کہ کھانے کی تیاری ہوئی دسترخوان بچھائے گئے ہر جماعت کے لیے ایک دسترخوان تھا۔ اور وہ طفیلی بھی میرے ساتھ تھا۔ جب اس نے اپنا ہاتھ کھانے کے لیے بڑھایا تو میں نے کہا کہ ہم کو حدیث پہنچی۔ دوست ابن زیاد سے اور ان کو ابان بن طارق سے ان کو نافع سے ان کو ابن عمر وسے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص کسی قوم کے مکان میں بغیر اس کی اجازت کے پہنچ جائے اور ان کا کھانا کھائے وہ چور بن کر داخل ہوگا اور لٹیرا بن کر نکلے گا،،

جب اس نے سنا تو بولا "میاں اپنی لغزش کی اصلاح کرو جو اس گفتگو میں تم سے سرزد ہوئی ہے۔ اس جماعت میں کوئی ایسا نہیں جو یہ نہ سمجھ لے کہ تم نے یہ چھینٹا مجھ ہی پر مارنا چاہا ہے کسی دوسرے پر نہیں۔ تم کو اس بات کی بھی شرم نہیں آئی کہ ایک سردار کے دسترخوان پر یہ کلام کر رہے ہو جو کھانا کھلا رہا ہے۔ اور تم دوسرے کے کھانے پر اپنے علاوہ اوروں کے لیے بخل کا اظہار کر رہے ہو۔ پھر تمھیں اس سے بھی شرم آنی چاہیے کہ دوست بن زیاد سے روایت کر رہے ہو جو ایک ضعیف راوی مانا جاتا ہے۔ اور وہ ابان بن طارق دوست بن زیاد سے روایت کرتے ہے

ہو۔ جو ایک ضعیف راوی مانا جاتا ہے اور وہ ابان بن طارق سے روایت کرتا ہے جو متروک الحدیث ہے۔ (یعنی محققین نے اس حدیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے) اور ایسے حکم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ حالانکہ تمام لوگ اس کے خلاف ہیں، کیونکہ چور کے ہاتھ کاٹے جانے کا حکم ہے۔ اور ڈاکو کا یہ حکم ہے کہ امام جو بھی چاہے سزا دے سکتا ہے (اور اس طرح کھانا کھانے والے کیلیے کوئی مشروع نہیں ہے) اور وہ حدیث بھول گئے جو ابو عاصم النبیل سے مروی ہے، وہ روایت کرتے ہیں ابن جریج سے وہ روایت کرتے ہیں ابو زبیرؓ سے اور وہ روایت کرتے ہیں جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ایک آدمی کا کھانا دو کو کافی ہو جاتا ہے اور دو کا کھانا چار کو اور چار کا آٹھ کو کافی ہو جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی اسناد بھی صحیح اور متن بھی صحیح، منصور بن علی کہتے ہیں کہ اس نے مجھے خاموش کر دیا۔ مجھے کوئی جواب نہ بن پڑا جب ہم واپسی کے لیے وہاں سے باہر آئے تو وہ مجھ سے الگ ہو کر راستہ کے دوسرے کنارہ پر چل رہا تھا اور اس سے پہلے میرے پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ اور میں نے سنا کہ وہ یہ شعر پڑھ رہا ہے ؎

وَمَنْ ظَنَّ مِمَّنْ يُلَاقِي الْحُرُوبَ

بِأَنْ لَا يُصَابَ فَقَدْ ظَنَّ عَجْزًا

(ترجمہ) اور جس لڑائی میں شامل ہونے والے نے یہ گمان کر لیا کہ اس پر کوئی وار نہ ہو سکے گا تو اس نے بے ہودہ خیال کیا۔

(۷) عبید اللہ محمد بن عمران المرزبانی سے منقول ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ طُفَیلی العرائس جس کی طرف منسوب کر کے طفیلی کہا جاتا ہے اس نے اپنی اس بیماری کے زمانہ میں جس میں اس کا انتقال ہوا اپنے بیٹے عبد الحمید بن طفیل کو وصیت کی جس میں اس سے کہتا ہے کہ جب تو کسی شادی کی محفل میں کھانے کے لیے

پہنچے تو اس طرح اِدھر اُدھر مت دیکھنا جیسے کوئی شک کی حالت میں دیکھتا ہے۔ (کہ لوگ کھانے دیں گے یا نہیں؟) اور بے تکلف جگہ پر جا بیٹھنا۔ اگر شادی میں ہجوم زیادہ ہو تو (انتظام امور میں دخیل بن جاؤ) کسی کو حکم دو، کسی بات کا اور کسی کو منع کرو، اور نہ لڑکی والوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرو اور نہ لڑکے والوں کی آنکھ سے آنکھ ملاؤ تاکہ ہر ایک بجائے خود یہ خیال کرے کہ دوسری جماعت والوں میں سے ہے۔ اور اگر دربان تنگ مزاج اور بدلحاظ ہو تو اس سے خود بات شروع کرو کسی کام کرنے کی ہدایت کرو اور کسی سے منع کرو اس طرح کہ گفتگو میں اُکھڑا پن نہ ہو اور گفتگو کا ایسا طریقہ اختیار کرو جو خیر خواہی اور رہنمائی کے درمیان ہو۔ پھر یہ اشعار پڑھے ؎

لَاتُجْزِعَنَّ اَلْغَرِيْب وَلَامِنَ الرَّجُلِ الْبَعِيْدِ

وَادْخُلْ كَاَنَّكَ طَابِخٌ بِيَدَيْكَ معرفة الحديد

(ترجمہ) کسی اوپرے آدمی کو دیکھ کر ہرگز نہ گھبرا جانا اور کسی نہ کسی سے جو دور کھڑا ہوا (گھورتا ہوا اور اس طرح گھر میں جا گھس گویا تو ہی پکانے والا ہے اور تیرے دونوں ہاتھوں میں لوہے کا کف گیر ہے۔

مُتدلّیًا فوق العطا مرتدلی الباز الصّبود

(ترجمہ) کھانے پر اس طرح جھکو جس طرح باز اپنے شکاروں پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

لَتَلَفَّ مَافَوْقَ الْمَوَا ئُد كلها الف الفهود

(ترجمہ) جو کچھ تجھے دسترخوان پر ملے اس طرح سب کا سب سمیٹ جا جیسے چیتے اپنے شکار کو دبا لیتے ہیں۔

وَاطرح حیاك اِنّما وجه الطفیلی من حدید

(ترجمہ) اور حیا کو اپنے اوپر سے پھینک دینا کیوں کہ طفیلی کا چہرہ لوہے کا ہوتا ہے

کہ اس پر کوئی تغیر نہیں ہوتا۔

لاتلتفت نحو البقو ل ولا الی غرف الثرید

(ترجمہ) ترکاریوں اور ثرید کے چمچوں کی طرف بالکل توجہ نہ کرنا

حتی اذا جاء الطعا م فضربت فیہ کالشدید

(۔) (ہاں) جب نفیس قسم کا کھانا آجائے تو اس پر بہادروں کی طرح ہاتھ مارنا۔

وعلیك بالفالودجا ت فانھا عین القصید

(ترجمہ) اور فالودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ کیوں کہ وہ تو عین مقصد ہیں۔

ھذا اذا حررتھم ودعوتھم ھل من مزید

(ترجمہ) یہ وہ چیز ہے جب تو ان سے وصول کرلے (اور ہڑپ کرلے) پھر ان کو پکارے کہ کچھ اور بھی ہے؟

والعرس لایخلو من النشلوزینج الوطب الفنید

(ترجمہ) اور شادیاں لوزینہ سے خالی نہیں ہوتیں جو تر بتر عقل کو چکرا دینے والا ہوتا ہے۔

فاذا اتیت بہ محو ت محاسن الجام المجید

پھر جب وہ تیرے پاس لایا جائے گا تو اس نئے پیالے کے اندر محو ہو کر رہ جائے گا۔

پھر لوزینہ کا ذکر آجانے کے بعد اس پر ایک گھڑی تک غشی طاری رہی، جب افاقہ ہوا تو سر اٹھایا اور کہا ؎

وینتقلن علی الموا ئد فعل شیطان مرید

(ترجمہ) اور دسترخوانوں پر کوئی تو شیطان مردود کے کام کی نقل کرتا کہ جو بھی ہاتھ لگے لے بھاگے۔

واذا انتقلت بالکعـــــ ـک المجفف والقـــدید

(ترجمہ) اور جب (فالودہ اور لوزینہ جیسی چیزیں) تو نمٹا چکے تو بیکار شغل شیرمال کے سوکھے ٹکڑوں اور شوربے سے کر لینا۔

یارب انت رزقـــنی هٰـذا علی رغم الحسود

اے میرے پروردگار تو نے مجھے یہ کیسی نعمتیں عطا فرمائیں حاسدوں کی ناک رگڑنے کے لیے۔

واعلم بانک ان قبلت نعمتَ یا عَبْدَ الحَمِیْد

(ترجمہ) اور (اے بیٹا) عبدالحمید یہ جان لے کہ اگر تو نے میری نصیحتوں کو قبول کر لیا تو بڑے مزے میں رہے گا۔

(۸) علی بن الحسن بن علی القاضی نے اپنے والد سے نقل کیا کہ سفر میں ایک طفیلی ایک شخص کے ساتھ چل دیا۔ اس نے طفیلی سے کہا ذرا بازار سے جا کر ہمارے لیے گوشت خرید لا اس نے کہا کہ واللہ میں اس پر قدرت نہیں رکھتا، تو وہ خود جا کر خرید لایا۔ پھر اس نے کہا، اٹھ کر پکا لے تو اس نے جواب میں کہا کہ ٹھیک نہیں پکا سکوں گا۔ تو اس نے خود پکا لیا۔ پھر اس نے طفیلی سے کہا اٹھ کر اس کا ثرید بنا لے تو کہنے لگا کہ واللہ میں تو بہت سُست ہو رہا ہوں، تو اس شخص نے خود ہی ثرید بنا لیا۔ پھر اس سے کہا کہ اس کو پیالوں میں اتار لے تو بولا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کوئی چمچہ میرے کپڑوں پر نہ الٹ جائے، تو اس شخص نے خود ہی پیالوں میں اتار لیا۔ پھر اس سے کہا، اب اٹھ کر کھا تو لے، تو طفیلی نے کہا کہ اب مجھے شرم آ ہی گئی۔ کہاں تک تیری بات سے انکار کرتا رہوں اور اٹھ کر کھانے بیٹھ گیا۔

(۹) جاحظ کا بیان ہے کہ میں نے ابو سعد طفیلی سے پوچھا کہ چار ضرب چار کیا ہوئے؟ بولا، دو روٹی، ایک گوشت کا پارچہ۔ (یہ جواب اس لیے

ہے کہ اس نے سولقموں کا خیال کیا جو دو روٹیوں سے بنائے جا سکتے ہیں (مترجم)

• مبرّد کا قول ہے کہ ایک طفیلی سے پوچھا گیا کہ دو ضرب دو کیا ہوئے؟

(۱۰) تو بولا چار روٹی۔ دوسری بار ایک موقع پر یہی سوال اس سے میں نے کیا اس نے جواب دیا اتنی روٹیوں کی مقدار ہوگی جو ایک آدمی کھا جائے۔

• ابو ہفان سے منقول ہے کہ ایک طفیلی ایک شخص کے ہاں پہنچا تو اس سے

(۱۱) صاحبِ خانہ نے کہا کہ تو کون ہے؟

اس نے جواب میں کہا کہ میں وہ ہوں جس کو بلانے کے لیے کسی ایلچی کی ضرورت نہیں۔

• ابو ہفان ہی نے بیان کیا کہ ایک طفیلی سے پوچھا گیا کہ چار ضرب چار

(۱۲) کتنے ہوئے؟ کہنے لگا سولہ روٹی۔

• ایک محفل مالیدہ کھانے کے لیے بیٹھی جو ایک بڑے طبق میں رکھا گیا

۱۳ (اور درمیان میں گڑھا کر کے گھی رکھا گیا تھا)

اس میں سے ایک شخص نے لقمہ اٹھا کر گھی میں ڈال دیا اور کہا فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ (تو اس میں اوندھے مُنہ گرائے جائیں گے وہ اور گمراہ لوگ) اور گھی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ دوسرے شخص نے کہا اِذَا اُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ۔ (جب وہ جہنم میں پھینکے جائیں گے تو اس میں چیخنے کی آواز سُنیں گے اور وہ جوش مارتی ہوگی) اور اس نے گھی اپنی طرف کھینچ لیا۔ تیسرے نے کہا مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ (اور بے کار پڑے ہوئے کنویں اور مضبوط محل) اور گھی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ چوتھے نے کہا اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا (کیا تو نے اس لیے کشتی کو توڑا کہ اس میں بیٹھنے والوں کو غرق کر دے۔ تو نے یہ بُرا کام کیا۔ اور گھی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ پانچویں نے

کہا: اِنَّا نَسُوْقُ الْمَاءَ اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ (ہم پانی کو سوکھی زمین کی طرف لے جاتے ہیں) اور گھی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ چھٹے نے کہا فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ (ان دو باغوں میں دو چشمے جاری ہیں) اور گھی کو اپنی طرف کھینچ لیا ساتویں نے کہا فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ (ان دونوں باغوں میں دو چشمے جوش مارتے ہوں گے) اور گھی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ آٹھویں نے کہا فَالْتَقَی الْمَاءُ عَلٰی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (پھر آسمان و زمین کا پانی اس کام کے لیے جو مقدر ہو چکا تھا آپس میں مل گیا) نویں نے کہا: فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ (ہم نے پانی کو اس شہر میں پہنچایا جس کی زمین مردہ تھی) اور گھی کو اپنی طرف کھینچ لیا، دسویں نے کہا وَقِیْلَ یٰٓاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ (اور حکم دیا کہ اے زمین اپنے پانی کو پی جا اور اے آسمان اٹھا لے) اور اس نے تمام گھی باقی مالیدہ میں ملا دیا اور وہ سب خود لے لیا۔

ہر ایک نے ایک مناسبت کے پیشِ نظر ایک ایک آیت پڑھی۔ اس واقعہ میں ذکاوت تو موجود ہے مگر سفاہت بھی ہے کہ یہ قرآنِ کریم کے ساتھ تلعب ہے۔

خداوندِ قدوس ہم سب کو توفیق دے کہ ہر حال میں اس کی عظمتِ شان کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اس قسم کی دل لگی سے گناہ لازم آتا ہے۔ (مترجم)

(۱۴) ایک طفیلی کے یہاں شادی ہوئی تو اس کے یہاں پہلی محفل میں ہی دو طفیلی آ گئے تو ان کو اندر داخل کر لیا۔ اور بالاخانے کے قریب پہنچ کر چپر سیڑھی لگا کر ہی چڑھا جاتا تھا اس نے سیڑھی لگا دی اور دونوں سے کہا کہ اوپر چڑھ جاؤ تاکہ تم مجمع سے الگ ہو کر تکلیف سے بچے رہو اور میں تمہارے لیے خاص طور پر اچھا کھانا لاسکوں۔ وہ دونوں اوپر چڑھ گئے۔ جب اٹاری پر پہنچ

گئے تو سیڑھی ہٹالی۔ اور دسترخوان بچھایا۔ اور اپنے دوستوں اور پڑوسیوں کو کھانا کھلایا اور وہ دونوں اوپر سے جھانکتے رہے۔ جب سب کھانے سے فارغ ہوچکے تو سیڑھی رکھدی اور کہا اتر آؤ۔ وہ اُتر آئے۔ پھر ان کو وہاں سے دھکیل کر کہا بس کامیابی اسی میں ہے واپس ہوجاؤ۔

اللہ تمھارے کہیں جانے کو کامیاب نہ کرے تم نے اپنے بھائی کا حق ادا کردیا۔ _____!

(۱۶) • ایک طفیلی ایک کھانے کی مجلس میں پہنچ گیا۔ جب وہ کھا رہا تھا تو اس نے دربانوں کی آواز سنی تو کھانے سے ہاتھ روک لیا جب اس سے کہا گیا کہ کیوں نہیں کھا رہے ہو؟ تو کہنے لگا کہ ذرا یہ لرزہ خیز افواہیں بند ہوجائیں جو میرے کانوں میں پڑ رہی ہیں۔

(۱۷) • ایک طفیلی سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کیا بات ہے تیرے رنگ پر یہ زردی کیوں چھا رہی ہے؟ کہنے لگا کہ دونوں مرتبہ کی بخنی کے درمیان جو وقت گزرتا ہے تو مجھ پر خوف طاری ہوجاتا ہے کہ کھانا ختم ہوگیا۔

(۱۸) • ایک طفیلی نے (دوسرے کو نصیحت کرتے ہوئے) کہا۔ خبردار کھاتے وقت باتیں نہ کرو، بجز "ہاں" کے وہ بھی ایک مرتبہ مُنہ چلانے کے برابر ہے۔

(۱۹) • ایک طفیلی نے اپنے لڑکے کو وصیت کی کہ جب تیرے پاس تنگ جگہ ہو تو جو شخص تیرے برابر میں بیٹھا ہوا ہو اس سے یہ کہہ کہ شاید میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ بس وہ تجھے جگہ دیتے رہے گا جتنی جگہ اوروں کے لیے ہوگی۔

(۲۰) • بنان طفیلی نے بیان کیا کہ میں نے تمام قرآن حفظ کیا۔ اور سب

بھول گیا مگر دو حرف یاد رہ گئے۔ اٰتِنَا غَدَاءَنَا (ہمارے پاس ہمارا ناشتہ لے آؤ)

(۲۱) • بنّان کا کہنا ہے کہ دسترخوان پر قبضہ کر لینا ہی چار قسم کے کھانوں سے بڑھ کر ہے۔

• ایک آدمی جو بنان کے برابر بیٹھا تھا، کھانے میں مشغول تھا۔

(۲۲) پیاس معلوم ہوئی۔ اس سے کہا (پانی کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی وجہ سے معدہ میں کھانے کی گنجائش کم ہو جاتی ہے۔ کھانا تو ہوا کے زور سے بھی نیچے دب سکتا ہے۔ ایسا کرو کہ) ایک سانس زور سے اوپر کھینچو اور آہستہ باہر نکالو اس ترکیب سے جو کچھ کھایا ہوا ہے وہ سب نیچے اتر جائے گا۔

باب ۲۶

چوروں کی چالاکیوں کے بیان میں

(۱) احمد بن المعدل بصری نے بیان کیا کہ میں عبدالملک بن عبدالعزیز الماجشون کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے پاس ان کا مصاحب آیا اور کہنے لگا بہت عجیب بات ہے۔ عبدالملک نے کہا کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ میں اپنے باغ میں جانے کے لیے جنگل کی طرف چلا۔ جب شہر کی آبادی سے دور نکل آیا تو ایک آدمی نے سامنے سے آکر مجھے روک لیا اور کہنے لگا اپنے کپڑے اتار دو۔ میں نے

کہا کہ کپڑے کیوں اتار دوں؟ اس لیے کہ تم سے زیادہ میں مستحق ہوں۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ بولا، اس لیے کہ میں تمہارا بھائی ہوں اور ننگا ہوں اور تم نے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ میں نے کہا مروّت، بولا، ہرگز نہیں، تم ان کو بہت عرصہ تک پہن چکے ہو۔ اب ان کو پہننے کا میرا نمبر ہے۔ میں نے کہا کہ تو مجھے برہنہ کرے گا؟ اور میرا ستر کھلوائے گا۔ کہنے لگا اس میں کوئی حرج نہیں۔

ہم کو روایت پہنچی ہے امام مالک سے کہ فرمایا انھوں نے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص ننگا ہو کر غسل کرے۔ میں نے کہا کہ لوگ مجھ سے ملیں گے اور میرا ستر دیکھیں گے۔ بولا اگر لوگ تجھے راستہ میں دیکھیں گے تو میں تیرے سامنے نہیں آؤں گا، میں نے کہا، میرے خیال میں تو مسخرا پن کر رہا ہے۔ مجھے چھوڑ، کہ میں اپنے باغ میں جا کر یہ کپڑے اتار کر تجھے دے دوں گا۔ کہنے لگا ایسا نہیں ہو سکتا، تو نے سوچا ہے کہ وہاں اپنے چار غلاموں کو مجھے لپٹا دے اور وہ مجھے کھینچ کر سلطان کے پاس لے جائیں اور وہ مجھے جیل میں ڈال دیں اور میری چمڑی اُدھیڑ دیں، اور میرے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں گے، میں نے کہا، میں وعدہ کرتا ہوں ایسا نہیں ہوگا۔ اور میں تجھ سے حلفیہ عہد کرتا ہوں جو کچھ میں نے تجھ سے وعدہ کیا اسے پورا کروں گا۔ اور تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ کہنے لگا ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم کو امام مالکؒ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ اس عہد کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔ جس کا حلف چوروں سے کیا جائے۔ میں نے کہا کہ میں تو اس بات پر بھی حلف کرتا ہوں کہ میں اپنے اس عہد میں کسی حیلہ سے کام نہیں لوں گا۔ بولا یہ یمین بھی اسی اَیمان اللصوص (یعنی چوروں سے حلف کرنا) سے مرکب ہے۔ میں نے کہا یہ مناظرہ باہمی چھوڑ دو۔ واللہ! میں اپنی رضا و رغبت سے یہ کپڑے تجھے دے دوں گا۔ تو تھوڑی دیر گردن جھکائی۔ پھر اٹھا کر کہنے لگا تو نے سمجھا کہ میں کیا سوچ رہا تھا

میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگا کہ میں نے نظر دوڑائی ان تمام لیٹروں کے معمول پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک ہوئے ہیں۔ تو مجھے کوئی بھی لٹیرا ایسا نہیں ملا، جس نے ادھار کیا ہو۔ اور مجھے یہ بات ہی مکروہ اور ناگوار معلوم ہوئی کہ اسلام میں ایک ایسی بدعت جاری کردوں کہ اس کا بوجھ میری گردن پر رہے۔ اور جو میرے بعد بھی اس پر عمل کرے قیامت تک اس کا بار بھی میری گردن پر رہے بس کپڑے اتار! میں نے کپڑے اتار کر اسے دے دیے اور وہ لے کر چلدیا۔

(۳) ابو القاسم عبید اللہ بن محمد الخفاف کا کہنا ہے کہ میں نے ایک چور کو دیکھا جو گرفتار کر لیا گیا تھا اور اس کے خلاف گواہوں نے یہ شہادت دی کہ یہ شخص ہمارے محلہ کے چھوٹے چھوٹے گھروں کے تالے کھول لیتا تھا (جن گھروں کو رہنے والوں سے خالی دیکھتا تھا) اور وہ جس گھر میں پہنچتا تو ایک اتنا چھوٹا گڑھا کھودتا جیسا کہ نرد کا ہوتا ہے (نرد مشہور کھیل ہے) اور اس میں چند اخروٹ بھی ڈال دیتا جس سے محسوس ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی یہاں کھیلا ہے اور ایک رومال جس میں دو سو کے قریب اخروٹ ہوتے تھے وہ ایک طرف رکھ دیتا۔ پھر سامان باندھتا کہ جتنا لے جا سکے۔ اگر کسی کی نظر نہ پڑتی تو سب سامان گھر سے اٹھا کر نکل جاتا اور صاحب خانہ آجاتا تو سامان چھوڑ کر بھاگ جاتا۔ اگر مالک مکان طاقت ور ہوتا اور روک کر پکڑنے کی کوشش کرتا اور چور چور کی آواز بلند کرتا۔ جب پڑوس کے لوگ جمع ہو جاتے تو پھر اس کا سامنا کرتا اور کہتا تو کیسا بے حمیت آدمی ہے، میں تو تجھ سے مہینوں تک اخروٹ کے ساتھ جوا کھیلتا آیا ہوں۔ تو نے مجھے کنگال کر دیا اور جو کچھ میرے پاس تھا سب کچھ اینٹھ لیا ہے۔ اور اب مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اب ضرور تجھے پڑوسیوں کے سامنے ہلا کروں گا۔ جب میں جوا کھیل چکا تو اب چلاتا ہے۔ اس کی اس بات میں کسی کو شک نہ ہوتا کہ

اب مجھ پر چور ہونے کا الزام لگا رہا ہے۔ درحقیقت جوئے والے گھر میں خاموشی سے جوا کھیلا جا رہا تھا۔ وہاں ہم ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور اب انجان بن گیا ہے اور چور چور پکار رہا ہے۔ میں نکل جاؤں اور تجھے چھوڑ دوں۔ اب صاحبِ خانہ کتنا ہی یہ کہتا کہ یہ چور ہے۔ پڑوسی یہی کہتے کہ اپنے نفس کو جوئے کی رسوائی سے بچانے کے لیے اس کے چور ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اس شخص کو سچا سمجھتے اور صاحبِ خانہ کو جوئے باز اور اس کو لعنت ملامت کرنے لگتے اسکے اور صاحبِ خانہ کے درمیان حائل ہو جاتے۔ یہاں تک کہ (لوگوں کے ساتھ) اس گھر میں جا کر دروازہ کھول کر اخروٹ اٹھا کر لاتا۔ اور واپس ہو جاتا۔ اور صاحبِ خانہ پڑوسیوں کے سامنے خوب رسوا ہو جاتا۔

• محمد بن عمر المتکلم جن کا لقب جنید تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک (۳) آدمی نے جو آٹے کی تجارت کیا کرتے تھے کہا کہ میرے پاس ایک اجنبی آدمی ہنڈی جس میں وقت کی مہر لگی ہوتی ہے۔ لیکر آیا۔ وہ میرے پاس آتا رہا یہاں تک کہ ہنڈی بھن گئی۔ (یعنی اس کا روپیہ ادا ہو گیا) پھر اس نے مجھ سے کہا کہ یہ روپیہ اپنے پاس ہی رہنے دو میں اس میں سے تھوڑا تھوڑا لیتا رہوں گا۔ وہ روزانہ آتا رہا اور بقدرِ ضرورت خرچ لیتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ رقم ختم ہو گئی۔ اس طرح اب ہماری آپس میں جان پہچان ہو گئی۔ اور وہ میرے پاس آکر بیٹھتا رہا اور وہ مجھے دیکھتا رہتا تھا کہ میں اپنے صندوق میں سے نکال کر روپیہ اسے دیتا رہتا تھا۔ ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ کسی شخص کا مضبوط تالا سفر میں اس کا ساتھی اور حضر یعنی اپنے وطن میں مقیم ہونے کی حالت میں اس کا امین ہوتا ہے اور مال کی حفاظت میں اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اور اپنے اہل کی طرف شہادت دل میں نہیں آنے دیتا۔ لیکن اگر مضبوط نہ ہو تو اس پر حیلے کارگر ہو جاتے ہیں۔

میں آپ کے اس تالے کو مضبوط پاتا ہوں یہ بتائیے کہ کہاں سے خریدا ہے ؟ تاکہ میں بھی ایسا ہی تالا اپنے لیے خرید لوں۔

میں نے اسے بتادیا کہ فلاں قفل ساز سے خریدا ہے۔ مجھے ایک دو دن تو خیال نہ آیا۔ پھر میں دکان پر آیا اور میں نے (غلام سے) صندوق منگایا تاکہ اس میں سے کچھ درہم نکالوں جب وہ میرے پاس صندوق لے کر آیا، اور میں نے اس کو کھولا تو اس میں ایک درہم بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنے غلام سے کہا جس پر مجھے کچھ شبہ نہیں تھا۔ کیا دروازہ کسی جگہ سے ٹوٹا ہوا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ دوکان میں کوئی نقب تو نہیں۔ تو اسے دیکھکر کہا کہ کوئی نقب نہیں لگی۔ میں نے کہا کہ چھت سے تو کوئی صورت اندر آنے کی نہیں ہوئی۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ میں نے اس کو بتایا کہ میرے تمام دراہم نکل گئے غلام بھی بہت پریشان ہوگیا۔ اور حیرت زدہ رہ گیا۔ پھر میں رات کو جاگ کر سوچتا رہا سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ شخص اب مجھ سے نہیں ملتا تھا۔ اس لیے میرا شبہ اسی پر ہوا۔ اور مجھے تالے کے بارے میں سوال کرنا یاد آیا۔ میں نے غلام سے کہا کہ یہ بتا تو دکان کیسے کھولتا ہے اور کیسے بند کرتا ہے ؟ اس نے کہا میں چوکھٹ کے تختوں کو تین تین کرکے دو دو دفعہ مسجد سے اٹھا کر لاتا ہوں پھر دکان کو مقفل کرتا ہوں۔ پھر اسی طرح کھولتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ جب تو تختے لیجانے یا لانے کے لیے (مسجد میں) جاتا ہے۔ تو کس کی نگرانی میں دکان کو چھوڑ کر جاتا ہے اس نے کہا اتنے وقفہ تک خالی رہتی ہے۔ میں نے کہا کہ اسی دوران نقصان پہنچایا گیا ہے۔ (پھر میں تالے کے) کاریگر کے پاس پہنچا جس سے تالا خریدا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تیرے پاس چند دن پہلے کوئی آدمی اس طرح کا تالا خریدنے آیا تھا ؟ اس نے کہا ہاں ! اور اس کا حلیہ ایسا اور ایسا تھا۔ تمام حلیہ اسی آدمی کا

بتایا۔ تو میری سمجھ میں آگیا کہ وہ شخص غلام کی نظر بچا کر شام کے وقت جب میں دکان سے آگیا اور صرف غلام رہ گیا اور تختے اٹھا کر مسجد میں لے گیا تو وہ دکان میں داخل ہوگیا اور اس میں چھپا رہا اور اس طرح کا تالا جو اس نے خریدا تھا اس کی تالی اس کے پاس موجود تھی جس سے میرے صندوق کا تالا بھی کھل جاتا تھا۔ اور وہ درہم نکال لیے اور تمام رات کواڑوں کے پیچھے بیٹھا رہا۔ جب غلام آیا اور تالا کھول کر تینوں تختے نکال کر رکھنے کے لیے گیا تو اس وقت نکل گیا۔ اور یہ کام کرتے ہی بغداد[1] سے روانہ ہوگیا۔ میں اپنا تالا کنجی لے کر بغداد سے نکل کھڑا ہوا میں نے سوچا کہ پہلے اس شخص کو واسط میں تلاش کروں۔ جب میں کشتی سے اتر گیا اور مسافر خانہ تلاش کیا کہ اس میں ٹھہر جاؤں (مسافر خانہ اوپر کی منزل میں تھا) جب میں اوپر گیا تو ایک کمرہ پر میں نے بالکل ایسا ہی تالا لگا ہوا پایا جیسا میرا تالا تھا۔ تو میں نے مسافر خانہ کے منیجر سے دریافت کیا کہ اس کمرہ میں کون ٹھہرا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ ایک آدمی شام کے وقت بصرہ سے آیا تھا۔ میں نے اس کا حلیہ معلوم کیا تو اس نے اسی آدمی کا حلیہ بتایا۔ تو مجھے شک بھی نہ رہا کہ یہ وہی آدمی ہے۔ اور میرے درہم ضرور کمرہ میں موجود ہوں گے۔ پھر میں نے ایک کمرہ اس کے برابر کا کرایہ پر لیا اور تاک میں رہا، یہاں تک کہ مسافر خانے کا منیجر وہاں سے چلا گیا تو میں نے تالا کھولا، دیکھتا ہوں کہ وہی میری تھیلی رکھی ہے۔ اس کو میں نے اٹھا لیا۔ اور باہر آکر تالا لگا دیا۔ اور اسی وقت نیچے اتر کر بصرہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اور واسط میں صرف دن میں دو گھڑی ٹھہر کر اور اپنا مال لے کر اپنے گھر پہنچا۔

(۴) ○ ابن الدنانیری النمار نے بیان کیا کہ میرے غلام نے ایک واقعہ سنایا کہ

---

[1] بغداد غالباً ناسخین کی بھول ہے یہاں بصرہ ہونا چاہیے ۱۲

میں ایلہ میں ایک تاجر کے پاس روپیہ وصول کرنے پر مامور تھا۔ میں نے بصرہ سے (ان کے دوسرے تاجروں سے) تقریباً پانچسو دینار اور کچھ چاندی وصول کی اور ان سب چیزوں کو ایک تھیلی میں بند کیا۔ اور ایلہ کی طرف چل دیا۔ راستہ میں شام ہوگئی (دریا پار کرنے کے لیے) ملاح کی تلاش میں تھا مگر کوئی ملاح نہیں ملتا تھا۔ پھر میں نے ایک ملاح کو دیکھا جو ایک چھوٹی سی کشتی (بجرا) کو جو خالی تھی لیے چلا جا رہا تھا۔ میں نے اس سے سوار ہونے کو کہا تو اس نے بہت کم اُجرت لی اور کہا کہ میں ایلہ میں اپنے گھر واپس جا رہا ہوں۔ تم بھی بیٹھ جاؤ۔ میں کشتی میں بیٹھ گیا۔ اور تھیلی اپنے سامنے رکھ لی۔ اور ہم چل پڑے۔ اچانک دیکھا کہ کنارے پر بیٹھا ہوا ایک اندھا بہت اچھی قرارت کے ساتھ قرآن پڑھ رہا ہے جب اس کو ملاح نے دیکھا تو کہا اللہ اکبر!

وہ ملاح سے پکار کر کہنے لگا مجھے سوار کرلو۔ رات قریب آگئی۔ مجھے ڈر ہے کہ میں مر نہ جاؤں تو ملاح نے اس کو بُرا بھلا کہا۔ میں نے اس سے کہا سوار کرلو تو وہ کشتی کو کنارے پر لے گیا اور اس کو بٹھالیا۔ پھر اندھے نے قرارت شروع کردی۔ اس کی دل موہ لینے والی قرارت سے میں از خود رفتہ ہوگیا۔ جب ہم ایلہ کے قریب پہنچ گئے تو اس نے قرارت ختم کردی اور کھڑا ہوگیا تاکہ اتر کر ایلہ کے راستہ سے روانہ ہوجائے۔ اب جو میں نے دیکھا تو تھیلی غائب تھی۔ میں بے چین ہوگیا اور چلّایا۔ تو ملاح نے میرے اٹھنے اور گھبرا کر اِدھر اُدھر حرکت کرنے سے) شور کیا کہ کشتی الٹ جائے گی اور مجھ سے اس طرح مخاطب ہوا جیسے کوئی کسی کی حالت سے بے خبر شخص پوچھ تاچھ کرتا ہے۔ میں نے کہا، میرے سامنے تھیلی رکھی ہوئی تھی جس میں پانچسو دینار تھے۔ جب ملاح نے یہ سنا تو اپنا منہ پیٹنے لگا اور اپنے بدن سے کپڑے اتار کر پھینک دیے کہ تم تلاشی لے لو۔ اور کہنے لگا

کہ ابھی تو میں کنارے پر نہیں پہنچا، اور یہاں میرے پاس کوئی ایسی جگہ بھی نہیں ہے جہاں میں تھیلی کو چھپا کر رکھ دیتا۔ تو مجھ پر چوری کی تہمت لگا رہا ہے۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور میں خود ضعیف آدمی ہوں۔

الٰہی! تو ہی مددگار ہے اور اندھے نے بھی ایسا ہی کہا۔ اور میں نے کشتی کی بھی بخوبی تلاشی لی وہاں بھی کچھ نہ ملا۔ مجھے ان دونوں کی حالت پر رحم آنے لگا۔ میں نے کہا یہ ایسی مصیبت ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی رہائی کی کیا صورت ہوگی۔ اور ہم کشتی سے اتر کر روانہ ہو گئے۔ میں نے فرار ہو جانے کا قصد کر لیا۔ اور ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے راستہ پر چل دیا۔ میں نے گھر جا کر رات گزاری اور اپنے آقا (تاجر) کے یہاں نہیں گیا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے پھر بصرہ جانے کی تیاری کی تاکہ وہاں چند دنوں کے لیے چھپا رہوں۔ پھر وہاں سے کسی ایسے ملک میں نکل جاؤں جو بہت دور ہو۔ میں اس ارادہ سے نکل کر بصرہ کی سڑک پر آیا۔ اور میں خاموشی کے ساتھ روتا ہوا جا رہا تھا اور اپنی بیوی بچوں کی جدائی پر غمگین تھا اور اپنے معاش اور عزت کے برباد ہونے کا صدمہ تھا۔ اچانک راستہ میں ایک آدمی مل گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا۔ میں نے اس کو پورا واقعہ سنایا تو اس نے کہا تیرا سب مال تجھے مل جائے گا۔ میں نے کہا ارے بھئی! ایسی مصیبت میں طنز کا کیا موقع ہے۔ جو میرے ساتھ کر رہے ہو۔ اس نے کہا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں واقعی سچ کہہ رہا ہوں۔

تو بنی نمیر میں جو قید خانہ ہے وہاں جا اور اپنے ساتھ بہت سی روٹیاں اور عمدہ شوربا اور حلوہ لے کر جانا۔ اور قید خانہ کے دربان سے کہنا کہ وہ تجھے اس شخص کے پاس پہنچا دے۔ جو وہاں قید ہے جس کا نام ابوبکر نقاش ہے۔ کہنا کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں تو وہ تجھے روکے گا نہیں اور اگر روکے ہی

لگے تو کچھ تھوڑا تھا اس دربان کو بھی دے دیا۔ وہ تجھے اس کے پاس پہنچا دیگا جب تو ابو بکر نقاش کو دیکھے اس کو سلام کرنا اور کوئی بات نہ کرنا اور جو کچھ کھانا تو اپنے ساتھ لے جائے وہ اس کے سامنے رکھ دینا۔ جب وہ کھانا کھا کر ہاتھ دھولے تو پھر وہ تجھ سے تیری حاجت پوچھے گا۔ اس کو بتا دینا۔ وہ تیری رہنمائی کرے گا اور جنھوں نے تیرا مال لیا ہے واپس دلا دے گا۔ تو میں نے یہ تمام کام انجام دیا۔ اور اس شخص کے پاس پہنچ گیا۔ تو دیکھا کہ وہ ایک بوڑھا شخص ہے جس کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ میں نے اس کو سلام کیا اور جو کچھ میں لے گیا تھا اس کے سامنے رکھ دیا۔ تو اس نے اپنے ہاتھ دھولیے تو مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اور تیری حاجت کیا ہے؟ میں نے اس سے اپنا واقعہ مفصل بیان کر دیا، تو اس نے سن کر کہا کہ تو ابھی (محلہ) بنی ہلال چلا جا، اور فلاں کوچہ میں داخل ہو جانا، جب تو بالکل اس کے آخر میں پہنچ جائے تو تجھے ایک دروازہ نظر آئے گا جو بند ہوگا۔ اس کو کھول کر بغیر آواز دیے اندر چلے جانا۔ اندر جا کر تجھے ایک لمبی دہلیز ملے گی۔ اس سے آگے تجھ کو دروازے ملیں گے تو ان میں سے جو دائیں طرف ہے اس میں چلے جانا۔ اب تو ایسے مکان میں پہنچے گا جس کے ایک کمرے میں بہت سی کھونٹیاں ہیں اور بوریے بچھے ہوئے ہوں گے۔ اور ہر کھونٹی پر لنگی اور تہبند پڑا ہوگا۔ وہاں جا کر اپنے کپڑے اتار دینا اور ان کو ایک کھونٹی میں ڈال دینا اور تہبند باندھ لینا اور لنگی کو اوڑھ کر بیٹھ جانا۔ پھر ایک جماعت آئے گی۔ وہ سب لوگ ایسا ہی کریں گے۔ جیسا تو نے کیا تھا۔ پھر ان کے سامنے کھانا لایا جائے گا ان کے ساتھ تو بھی مل کر کھانا اور تمام افعال میں ان کی موافقت کا خیال رکھنا۔

پھر جب نبیذ لائی جائے تو تو بھی اس کے پینے میں شریک رہنا اور

ایک بڑا پیالہ لے کر اسے بھر لینا اور سیدھا کھڑا ہو جانا اور یہ کہنا کہ یہ جو باقی ماندہ میرے پاس ہے میرے ماموں ابو بکر نقاش کا حصہ ہے۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوں گے۔ اور تجھ سے پوچھیں گے کیا وہ تیرے ماموں ہیں؟ تو ان سے کہنا ہاں! پھر وہ سب کھڑے ہو جائیں گے اور میری یاد میں پئیں گے۔ جب وہ سب بیٹھ جائیں تو ان سے کہنا کہ میرے ماموں نے تم سب کو سلام کہا ہے اور پیغام بھیجا ہے کہ اے نوجوانو! تم کو میری زندگی کی قسم میرے بھانجے کی وہ تھیلی جو گزشتہ شام کو کشتی میں سے نہر ایلہ پر تم نے لی ہے واپس کر دو۔ تو وہ تھیلی تجھے فوراً واپس کر دیں گے۔ میں نے اسی طرح کیا جس طرح انھوں نے ہدایات دی تھیں۔ ان پر عمل کیا۔ تو وہ تھیلی انہوں نے واپس کر دی جو بالکل اسی طرح تھی اور اس کی گرہ بھی نہیں کھولی گئی تھی۔

جب وہ مجھے مل گئی تو میں نے کہا اے جوانو! جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا میرے ماموں کا حق ادا کرنے کے لیے کیا۔ اور خواہش میری بھی ہے جو میری ذات کے ساتھ خاص ہے۔ انہوں نے کہا پوری کر دی گئی (سمجھو) میں نے کہا مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے تھیلی کیسے لی تھی؟ اس کے جواب سے وہ ایک گھڑی خاموش رہے۔ پھر میں نے ابو بکر نقاش کی زندگی کی قسم دی۔ تو ان میں سے ایک نے کہا:

کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو وہی اندھا ہے جو قراءت کے ساتھ قرآنِ کریم پڑھ رہا تھا اور اس وقت مکر سے اندھا بنا ہوا تھا۔ پھر اس نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ وہی ملاح ثابت ہوا (جس کی کشتی میں چوری ہوئی تھی) پھر میں نے کہا۔ تم دونوں نے کیسے یہ کام کیا تھا؟

ملّاح نے کہا۔ شام کے اوّل اوقات میں گزرگاہوں پر گھوما کرتا ہوں اور میں نے پہلے اس مصنوعی اندھے سے مل کر اس کو وہاں بٹھا کر آگیا تھا۔ جب تجھے میں نے دیکھ لیا تھا یا کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہوں جس کے پاس کوئی قیمتی سامان ہوتا ہے تو اس کو پکارتا ہوں اور اجرت میں کمی کر دیتا ہوں اور اس کو کشتی میں سوار کر لیتا ہوں۔ پھر جب قاری کے قریب پہنچتا ہوں اور وہ مجھے آواز دیتا ہے تو میں اس کو سخت سُست کہتا ہوں تاکہ سوار ہونے والے کو (ہمارے تعلق کا علم نہ ہونے پائے اور) سفر میں کسی خطرہ کا شک نہ ہو سکے۔ اگر سوار ہونے والے نے خود ہی سوار کر لیا تو فبہا ورنہ خوشامد کر کے اس کو رضامند کر لیتا ہوں کہ وہ اس کو بھی سوار ہونے دے۔ یہ شخص سوار ہونے کے بعد قرأت شروع کر دیتا ہے جس سے آدمی از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تو ہو گیا تھا۔ پھر جب ہم فلاں مقام پر پہنچتے ہیں تو وہاں ایک شخص ہمارے انتظار میں تیر تا ملتا ہے۔ وہ ہماری کشتی کے قریب آجاتا ہے۔ اس کے سر پر ایک بانس کا ٹوکرہ بنا ہوا ہوتا ہے اسلیے سوار ہونے والا اس کو پہچان نہیں سکتا۔ اب یہ مصنوعی اندھا اس چیز کو صفائی سے اٹھا کر اس شخص کی طرف ڈال دیتا ہے جس کے سر پر ٹوکرہ ہوتا ہے وہ اس کو لے کر اور تیر کر کنارے پر لے جاتا ہے اور جب سوار ہونے والا کشتی سے اترنے وقت اپنی چیز کی گمشدگی پر مطلع ہوتا ہے تو ہم جو کچھ کرتے ہیں اس کو تو نے دیکھ ہی لیا ہے، وہ تو ہم کو متہم بھی نہیں سمجھتا۔ اور اس وقت ہم علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ پھر اگلے دن ہم جمع ہو کر اس کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ اب جب کہ تو ہمارے استاذ اور اپنے ماموں کا پیغام لے کر ہمارے پاس آیا تو تیرا سامان تیرے سپرد کر دیا۔ میں ان سے تھیلی لے کر واپس آگیا۔

(۵) • محمد بن حلف کہتے ہیں: مجھ سے ایک چور نے اپنی سرگزشت

سُنائی، جو چوری سے توبہ کر چکا تھا۔ کہ میں ایک شہر میں پہنچا اور چوری کے لیے کسی چیز کی جستجو میں لگ گیا۔ میری نظر ایک مالدار صرّاف پر پڑی۔ میں موقع تلاش کرنے کی تدبیریں سوچتا رہا۔ موقع پا کر میں نے تھیلی چرائی۔ اور بچکر نکل آیا ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اچانک راستہ میں ایک بڑھیا ملی جس کے ساتھ ایک کتا تھا۔ اور وہ میرے سینے سے آکر لپٹ گئی۔ اور کہنے لگی میرے بیٹے۔! میں تیرے قربان۔ اور کتا دُم ہلا ہلا کر میری ٹانگوں میں گھسا جا رہا تھا۔ اور راستہ کے لوگ کھڑے ہو کر ہم کو دیکھنے لگے اور عورت کہنے لگی کہ خدا کی قسم کُتّے کو دیکھو اس نے کس طرح اس کو پہچان لیا تو لوگ اس پر تعجب کرنے لگے۔ اور میرے دل میں بھی شک پیدا ہو گیا۔ کہ شاید اس نے مجھے دودھ پلایا ہو اور میں اس کو نہ پہچانتا ہوں۔ اس نے مجھ سے اصرار کیا کہ میرے ساتھ مکان پر چل کر آج وہاں ٹھہرو۔ وہ مجھ سے جدا نہ ہوئی۔ میں اس کے ساتھ اس کے مکان پر پہنچ گیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ چند نوجوان بیٹھے شراب پی رہے ہیں اور ان کے سامنے بہت پھل اور میوے پڑے ہیں۔ انھوں نے مجھے دیکھ کر کہا مرحبا۔ اور وہ میرے پاس آئے اور اپنے ساتھ بٹھایا اور میں نے ان کے یہاں قیمتی سامان دیکھا اس کو میں نے نظر میں رکھا۔ میں نے (بے تکلف بن کر) ان کو پلانا شروع کیا اور ان کے ساتھ گھُل مل گیا۔ یہاں تک کہ وہ نوجوان اور سب گھر والے سو گئے اور جو کچھ مجھے وہاں ہاتھ لگا باندھ لیا اور نکل بھاگنا چاہا تو کتے نے مجھ پر شیر کی طرح حملہ کر دیا اور چلّایا۔ اور دوڑا دوڑا پھرنے لگا۔ اور اسی طرح بھونکتا رہا۔ یہاں تک کہ سب سونے والے اٹھ گئے تو میں بہت نادم اور سخت شرمندہ ہوا۔ جب دن نکل آیا تو انھوں نے پھر وہی مشغلہ شروع کر دیا۔ جو شام کیا تھا۔ اور میں نے بھی اُنکے ساتھ وہی معاملہ کیا۔ اور میں کُتّے سے بچنے کا رات تک حیلہ سوچتا رہا مگر اس سے

بچنے کی تدبیر نہ بن پڑی۔ پھر جب سب سو گئے تو پھر میں نے جو ہاتھ لگا سمیٹ کر نکل جانا چاہا، مگر کتا پھر اسی طرح مقابلہ پر آ گیا۔

میں نے تین رات تک اس سے بچ کر نکل جانے کی نت نئی تدبیریں کیں مگر ہر دفعہ ناکام ہی رہا۔ اور جب مایوس ہو گیا تو میں نے ان لوگوں سے اجازت لے کر رخصت ہونا چاہا۔ ان سے میں نے کہا۔ کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کیونکہ مجھے جلدی جانا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ بڑھیا کے اختیار میں ہے۔ میں نے بڑھیا سے اجازت مانگی تو اس نے کہا کہ وہ لاجو تو صرّاف کے یہاں سے لایا ہے پھر جہاں چاہے چلا جا۔ اور اس شہر میں نہ ٹھہرنا۔ کیوں کہ کسی کی مجال نہیں کہ میری موجودگی میں یہاں کوئی ایسا کام کر سکے۔ اس نے تھیلی مجھ سے لے لی۔ اور مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ اور میں نے بھی اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ اس کے ہاتھ سے بچ کر نکل جاؤں اور میری ہمت اتنی ہی ہوئی کہ اس سے کچھ خرچ مانگ سکوں۔ جو اس نے مجھے دے دیا اور وہ میرے ساتھ نکلی۔ یہاں تک کہ اس نے مجھے شہر سے باہر نکال دیا اور کتا اس کے ساتھ ساتھ رہا۔ جب میں آبادی سے باہر نکل گیا تو وہ ٹھہری رہی اور میں چلتا رہا۔ کتا میرے پیچھے لگا رہا یہاں تک کہ میں بہت آگے نکل گیا۔ پھر وہ واپس ہوا۔ اور مجھے لوٹ لوٹ کر دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نظروں سے غائب ہو گیا۔

(۶) • سہل بن الاخلاطی سے منقول ہے کہ دو دھوکے بازوں نے ایک گدھا چوری کیا۔ ان دونوں میں سے ایک بیچنے کے لیے نکلا۔ راستہ میں ایک شخص ملا، جس کے ہاتھ میں ایک طباق تھا جس میں مچھلیاں تھیں اس نے چور سے پوچھا کہ کیا تو اس گدھے کو بیچتا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کہ تو اس طباق کو پکڑ لے میں اس پر سوار ہو کر دیکھ لوں اور اگر

چال) کا اندازہ کرلوں۔ تو وہ شخص اس کو مچھلیوں کا طباق دے کر گدھے پر سوار ہوگیا پھر لوٹ کر آیا۔ پھر سوار ہو کر ایک گلی میں داخل ہوا۔ اور چلتا بنا۔ پھر اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں غائب ہوگیا۔ اس کے بعد جب چور اپنے گھر واپس آگیا تو اس کا ساتھی اس سے ملا اور پوچھا کہ گدھے کا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ جتنے میں خریدا تھا اتنے ہی میں بک گیا نفع میں یہ مچھلیوں کا طباق ملا ہے

• اسی طرح ایک اور روایت ہے ـــــ کہ ایک شخص نے ایک (۷) گدھا چرایا۔ پھر اس کو بیچنے کے لیے بازار پہنچا۔ وہاں سے کوئی اور شخص چرا کر لے گیا۔ پھر جب اپنے گھر لوٹا تو بیوی نے پوچھا کہ کتنے میں بیچا۔ کہنے لگا راس المال ہی پر دے دیا (یعنی جتنے میں خریدا تھا اتنے میں ہی بیچ دیا)

• عبداللہ بن محمد البصروی کا کہنا ہے کہ ہمیں ہمارے ایک بھائی نے (۸) ایک قصہ سنایا: کہ بغداد میں ایک شخص تھا جو نوعمری کے زمانہ میں چوری کیا کرتا تھا۔ پھر توبہ کر کے اُس نے کپڑے کی دکان کرلی۔ ایک رات جب کہ وہ دکان سے گھر واپس آگیا اور دکان کو مقفل کر کے آیا تھا۔ تو ایک دھوکہ باز چور آیا جو دکاندار جیسا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کی آستین میں ایک چھوٹی سی موم بتی اور کنجیاں تھیں۔ اور آکر نگہبان (جو دکانوں کی حفاظت کیا کرتا تھا) کو آکر آواز دی (جب وہ آگیا) تو اس نے اس کو اندھیرے میں موم بتی دی کہ اس کو جلا کر لے آؤ۔ مجھے آج رات اپنی دکان میں ایک کام کرنا ہے۔ پہریدار موم بتی جلانے کے لیے چلا گیا۔ یہ موقع دیکھ کر چور تالوں کو لپٹ گیا۔ اور تالے کھول ڈالے اور دکان میں داخل ہوگیا۔ جب پہریدار موم بتی لے کر آیا تو اس نے کر اس کو سامنے رکھی اور حساب کتاب کی الماری کھولی اور سب کاغذات کو باہر نکال کر رجسٹروں کو دیکھنا شروع کیا، اور اس کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوا

تھا کہ وہ حساب کر رہا ہے اور پہریدار گھومتا رہا اور دیکھتا رہا اور اس کو کوئی شک بھی نہیں ہوا کہ یہ دکاندار ہی ہے یا کوئی اور۔ یہاں تک کہ صبح کا وقت قریب آگیا تو اس نے پہریدار کو پکارا اور دور ہی سے کہا کہ کوئی (حمال) مزدور بلا لاؤ پہرے دار مزدور کو لے آیا۔ تو اس نے چار گٹھریاں قیمتی کپڑے سر پر رکھے اور دکان کا تالا لگایا اور مزدور کو ساتھ لے کر چلا گیا اور چوکیدار کو دو درہم بھی دیے۔

جب صبح کو دکاندار آیا۔ اور دکان کا تالا کھولا تو اس کے پاس پہریدار آکر کھڑا ہو گیا۔ اور دعائیں دینے لگا کہ اللہ آپ کے ساتھ ایسا کرے اور ویسا کرے جیسے آپ نے پچھلی رات مجھے دو درہم دیے۔ تو دکاندار کو پہریدار کی باتوں سے کھٹکا ہوا اور جب اس نے دکان کھولی تو موم بتی کا پگھلا ہوا موم دیکھا۔ اور اپنے کاغذات اور حساب بکھرا ہوا دیکھا۔ اور چار گٹھریاں گم پائیں تو اس نے چوکیدار کو بلایا اور اس سے کہا وہ کون تھا جو تیرے ساتھ دکان سے گٹھڑیاں اٹھا کر لے گیا تھا۔ اس نے کہا کیا آپ نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ ایک مزدور لے آؤں تو میں اس کو آپ کے پاس بلا لایا اس نے کہا یہ ٹھیک ہے مگر میں اونگھ رہا تھا (اس لیے یہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون تھا؟) ذرا اس کو میرے پاس لے آؤ۔ پہریدار مزدور کو بلا لایا، اس نے دکان بند کر کے (اس مزدور کو ساتھ لیا اور راستہ میں اس سے پوچھا کہ آج کی رات گٹھڑیاں اٹھا کر میرے ساتھ تو کس راستہ سے گیا تھا۔ میں اس وقت نشہ کی حالت میں تھا۔ اس نے کہا کہ فلاں سڑک سے گیا تھا اور میں آپ کے لیے فلاں ملاح کو بلا کر لایا تھا۔ اور آپ اس کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔ تو یہ شخص اسی سڑک پر روانہ ہوا، اور ملاح کو بلایا جب وہ آگیا تو اس کے ساتھ سوار ہو گیا اور اس سے پوچھا

کہ میرے اس بھائی کو تم نے کہاں اتارا تھا جس کے ساتھ چار گٹھڑیاں تھیں؟ اس نے بتایا کہ فلاں راستہ پر اتارا تھا۔ دکاندار نے کہا کہ مجھے بھی وہیں اتار دینا چنانچہ ملاح نے وہیں اتار دیا۔ پھر اس نے ملاح سے پوچھا کہ اس کا اسباب کون اٹھا کر لے گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ فلاں مزدور لے گیا تھا۔ پھر اس مزدور کو بلایا اور اس سے کہا کہ میرے ہمراہ چل۔ وہ ساتھ چل دیا۔ اور دکاندار نے اس کو کچھ معاوضہ بھی دیا اور اس سے بہلا پھسلا کر اس نے وہ جگہ دریافت کی جہاں وہ گٹھڑیاں لے گیا تھا۔ وہ دکاندار کو بالاخانے کے دروازے پر لے گیا۔ جو ایک ایسے مقام پر واقع تھا جو دریا کے کنارے سے دور اور صحرا کے قریب تھا۔ تو اس نے دروازے پر تالا لگا ہوا دیکھا، تو اس نے مزدور کو ٹھہرایا اور تالا کھول کر اندر داخل ہو گیا، اور گٹھڑیوں کو اسی طرح رکھا ہوا پایا اور اس کے گھر میں ایک سیاہ چادر رسی پر لٹکی ہوئی نظر آئی۔ اس نے گٹھڑیوں کو اس میں لپیٹ لیا اور مزدور کو بلایا۔ اس نے گٹھڑیاں اٹھالیں اور سڑک پر چلنے کا ارادہ کیا۔ جب بالاخانہ سے اترا تو چور اس کے سامنے آگیا تو اس نے مزدور کو اور دکاندار دونوں کو دیکھا۔ مگر وہ شک میں پڑ گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے کنارہ تک آیا۔ دکاندار نے ملاح کو دریا پار کرانے کے لیے بلایا۔ مزدور نے کہا کہ کوئی بوجھ اتروانے کے لیے ہاتھ لگا دے، تو اس چور ہی نے بڑھ کر ہاتھ لگایا اور چادر کھولی، اس طرح کہ گویا ایک راہ گیر احساناً ایسا کر رہا ہے۔ اور گٹھڑیوں کو مالک کے ساتھ مل کر کشتی میں رکھوایا اور چادر کو اپنے کندھے پر ڈال لی۔ اور مالک سے کہا، اچھا بھائی صاحب فی امان اللہ! اب گٹھڑیاں واپس آگئیں، میری چادر چھوڑتے جائیے۔ تو مالک کو ہنسی آگئی اور اس سے بولا کہ تم اندر آجاؤ، اور ڈرو مت۔ وہ اندر آگیا۔ اس سے مالک نے توبہ کرائی۔ اور

اس کو کچھ نقد روپیہ دے کر واپس کر دیا اور کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

(۹) • محمد بن ابی طاہر نے ہم سے بیان کیا کہ ایک شخص بنی عقیل میں ایک گھوڑا چرانے کے لیے نکلا۔ اس کا کہنا ہے کہ اس قبیلہ میں (جہاں سے گھوڑا چوری کرنا تھا) داخل ہو گیا۔ اور گھوڑے کے استھان کو معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اور ایک حیلہ سے گھر میں داخل ہو گیا تو ایک آدمی اور اس کی بیوی دونوں سخت اندھیرے میں بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ چونکہ میں بھوکا تھا اس لیے میں نے بھی اپنا ہاتھ پیالہ کی طرف بڑھا دیا تو مرد کو میرا ہاتھ معلوم ہوا اس نے فوراً پکڑ لیا۔ میں نے فوراً دوسرے ہاتھ سے عورت کا ہاتھ پکڑ لیا۔ عورت نے کہا تجھے کیا ہو گیا یہ تو میرا ہاتھ ہے تو اس نے خیال کیا کہ وہ عورت کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہے تو میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں نے بھی عورت کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ہم سب کھانا کھاتے رہے۔ پھر عورت کو میرا ہاتھ اوپر لگا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے فوراً مرد کا ہاتھ پکڑ لیا تو اس نے عورت سے کہا کیا ہو گیا۔ میرا ہاتھ ہے تو عورت نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں نے بھی فوراً مرد کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ پھر وہ سو گئے تو میں نے گھوڑے اپنے

یہی حکایت ہم کو دوسرے ذریعہ سے پہنچی۔ محمد بن ابی طاہر نے ہم کو واقعہ سنایا۔ ان کو تنوخی نے۔ ان کو ان کے والد نے۔

انھوں نے کہا کہ ہم سے بیان کیا ابو الحسن محمد بن احمد الکاتب نے ہم سے انھوں نے کہا کہ محمد بن یزمع العقیلی نے بیان کیا اور یہ شخص بنی عقیل کے سربرآوردہ رؤسا میں سے تھے اور معز الدولہ سے بھی ملاقات کر چکے تھے۔ تو اس نے ان کی بہت عزت کی تھی اور ان کے ساتھ بہت

اچھا معاملہ کیا تھا۔ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے بنی عقیل میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی کمر پر ایسے نشانات تھے جیسے پچھنے لگانے سے ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ ان سے بڑے بڑے تھے۔ میں نے اس سے اس کا سبب معلوم کیا تو اس نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں اپنے چچا کی بیٹی پر فریفتہ تھا۔ میں نے اس سے نکاح کا پیغام بھیجا تو لڑکی والوں نے کہا کہ ہم تجھ سے نکاح صرف اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ مہر میں شبکہ دے۔ یہ ایک گھوڑی تھی جو نہایت تیز رفتار تھی اور یہ بنی بکر کے ایک شخص کے پاس تھی۔ میں نے اس شرط پر اس سے نکاح کرالیا اور میں فکر میں لگ گیا کہ کسی حیلہ سے اس گھوڑی کو مالک کے یہاں سے نکال لاؤں تاکہ اس منکوحہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آسکے۔ تو میں اس قبیلہ میں پہنچا جہاں گھوڑی تھی۔ اور میں (اس کا سراغ لگانے کے لیے) آتا جاتا رہا۔

ایک مرتبہ میں فقیر بن کر اس خیمہ میں پہنچا جہاں وہ شخص رہتا تھا تاکہ میں گھوڑی کے باندھنے کی جگہ معلوم کرلوں۔ اور یہ بھی دیکھوں کہ خیمہ کس طرف ہے بس میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اور پھر پیچھے سے اندر جانے میں کامیاب ہو گیا اور روئی کے ایسے انبار کے پیچھے پہنچ گیا جو دُھنک کر کاتنے کے لیے انھوں نے جمع کر رکھی تھی۔ (دن بھر اسی میں چھپا رہا) جب رات ہو گئی تو گھر کا مالک آگیا اس کی بیوی نے اس کے لیے رات کا کھانا تیار کر رکھا تھا۔ وہ دونوں کھانے بیٹھ گئے۔ اندھیرا پورے طور پر پھیلا ہوا تھا۔ اور ان کے پاس چراغ بھی نہیں تھا (اس لیے اندھیرے میں ہی کھانا شروع کر دیا۔ چونکہ میں بھی بھوکا تھا تو میں نے ان کے پیالے پر ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کر دیا۔ مرد نے میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر محسوس کرتے ہوئے پکڑ لیا تو میں نے فوراً ہی عورت کا ہاتھ پکڑ لیا (دوسرے ہاتھ سے) تو عورت نے کہا، کیا ہو گیا، میرا ہاتھ کیوں

پکڑ لیا۔ تو اس کو خیال ہوا کہ میں نے عورت کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔ میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں نے اسی وقت عورت کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ پھر ہم سب نے مل کر کھانا شروع کر دیا۔ پھر عورت کا ہاتھ میرے ہاتھ کے اوپر آ لگا۔ اس نے اسے پکڑ لیا تو میں نے فوراً مرد کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے کہا کیا ہو گیا یہ تو میرا ہاتھ ہے تو عورت نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا فوراً ہی میں نے مرد کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور کھانا ختم ہو گیا۔

اور وہ شخص سونے کے لیے لیٹ گیا۔ جب گہری نیند میں سو گیا تو میں تاک لگائے بیٹھا تھا۔ اور گھوڑی گھر کے ایک طرف بندھی ہوئی تھی (اور اس حصہ کو تالا لگا ہوا تھا) اور چابی عورت کے سرہانے رکھی تھی۔ تو (میں نے دیکھا) کہ اس کا حبشی غلام آ گیا (اور اس نے عورت کے اوپر) ایک کنکری پھینکی تو وہ اُٹھ گئی اور اس کے پاس آ گئی اور چابی اسی جگہ چھوڑ گئی۔ میں آہستہ سے خیمہ سے گھر کے صحن کی طرف آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ غلام اس عورت کے اوپر ہے۔ میں نے چابی اٹھالی اور تالا کھول کر بالوں کی بنی ہوئی لگام اپنے تھانے کر گیا تھا گھوڑی کے لگا دی اور اس پر سوار ہو کر خیمہ سے نکل گیا۔ جب وہ عورت غلام کے نیچے سے نکلی تو خیمہ میں جا کر اس نے شور مچا دیا اور تمام قبیلہ کو بیدار کر دیا تو قبیلے والے میرے پیچھے لگے۔ اور مجھے پکڑنے کے لیے سوار ہو کر میرے پیچھے دوڑے اور میں گھوڑی کو تیزی کے ساتھ سرپٹ دوڑاتا لے جا رہا تھا، اور پیچھے قبیلہ ایک مخلوق دوڑی آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور میرے پیچھے صرف ایک سوار رہ گیا جس کے پاس نیزہ تھا وہ مجھ سے آ ملا۔ اور آفتاب طلوع ہو گیا تو اس نے مجھے نیزہ مارنا شروع کر دیا، میرے جسم پر یہ نشانات اسی کے ہیں۔ مگر نہ اس کا گھوڑا مجھ سے اتنا قریب ہو سکا تھا کہ اس کے نیزے کا وار مجھ پر بھرپور

پڑ سکتا۔ اور نہ میری گھوڑی اتنی آگے نکل سکی کہ اس کا نیزہ مجھے نہ لگتا یہاں تک کہ ہم ایک نہر کے قریب پہنچ گئے۔ میں نے اپنی گھوڑی کو للکارا تو وہ کود گئی (عرب کی نہریں اتنی بڑی نہیں ہوتیں جیسی کہ ہندوستان میں اس لیے اس کو ناممکن نہ سمجھا جائے) اور اس سوار نے بھی اپنی گھوڑی کو للکارا مگر وہ وہیں رک گئی اور کودی نہیں۔ جب میں نے دیکھ لیا کہ وہ نہر کو عبور کرنے سے عاجز ہے تو میں ٹھہر گیا تاکہ گھوڑی کو آرام دے سکوں اور خود بھی کچھ آرام کر لوں۔ اس سوار نے مجھے آواز دی۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے کہا:

اے شخص اس گھوڑی کا مالک میں ہوں جو تیرے پاس ہے اور یہ اس کی بیٹی ہے (جس پر میں سوار ہوں) اور اب تو اس کا مالک بن بیٹھا۔ تو اس کے ساتھ دھوکا نہ کرنا (یعنی اس کی خدمت میں کوتاہی نہ کرنا) اور اس کی قیمت دس دیت کے برابر ہے (یعنی ایک انسان کے بیس گنا خون بہا کے برابر ہے) اور میں نے اس پر بیٹھ کر جس چیز کو پکڑنا چاہا اس سے جا ملا۔ اور جب اس پر سوار ہو گیا تو جس نے بھی میرا پیچھا کیا میں کبھی اس کے ہاتھ نہ آیا۔ اور میں نے اس کا نام شبکر رکھا ہے کیونکہ یہ جس چیز کے پیچھے گئی اس کو بغیر پکڑے نہیں چھوڑا۔ یہ تو ایسی ہے جیسے کہ شبکہ (جال کا پھاند) شکار کے حق میں۔

میں نے بھی کہا کہ جب تو نے مجھے نصیحت کی تو میں بھی واللہ! تجھے ضرور نصیحت کروں گا۔

"میرا آج رات کا قصہ سن جو میں نے دیکھا ہے۔ میں نے پوری سرگزشت بیان کرتے ہوئے اس عورت اور غلام کا پورا قصہ جو میں نے دیکھا تھا سنا دیا

اور گھوڑی پر قبضہ کس طرح کیا وہ بھی بتا دیا۔ یہ سُنکر اس نے گردن جھکالی۔ پھر گردن اٹھائی اور کہا یہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ خدا تجھ جیسے چھاپہ مارنے والے کو کبھی اچھی جزا نہ دے تو نے میری بیوی کو طلاق دلوادی۔ اور میری گھوڑی پر قبضہ کیا اور میرے غلام کو بھی قتل کرایا۔

(۱۰) • منقول ہے کہ محمد بن ابی طاہر سے کہ ایک آدمی مسجد میں سو رہا تھا اور اس نے اپنے سر کے نیچے ایک تھیلی رکھی تھی جس میں ڈیڑھ ہزار دینار تھے۔ اس کا کہنا ہے کہ میری آنکھ اس وقت کھلی جب کسی شخص نے اس کو میرے سر کے نیچے سے کھینچا تو میں گھبرا کر جاگ گیا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان میری تھیلی لے کر بھاگا ہوا جا رہا ہے۔ میں اٹھا تاکہ میں اس کے پیچھے بھاگوں۔ تو دیکھا کہ میری سواری کا (اونٹ سن کی رسی سے ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہے۔ جو مسجد کے آخری حصہ میں گڑا ہوا تھا۔ اس طرح وہ دوسری طرف متوجہ کرنے اور حیرت زدہ کر کے تعاقب ترک کرانے میں کامیاب ہوگیا۔

(۱۱) • منقول ہے محمد بن طاہر سے بصرہ میں ایک چور جورات کی چوری کیا کرتا تھا۔ چوروں کا سردار تھا۔ نہایت چالاک تھا۔ اس کا نام عبّاس بن الخیاط تھا۔ یہ بڑے بڑے امیروں پر غالب آچکا تھا۔ اور اہلِ شہر اس سے پریشان تھے سب اس کو پکڑنے کے چکر میں لگے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن ہاتھ آگیا اور ایک سو رطل (سو من) لوہے کی بیڑیوں میں جکڑ کر قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ جب اس کی قید کو ایک سال یا اس سے زیادہ زمانہ گزر گیا تو ایلہ میں کچھ چوروں نے ایک تاجر کو لوٹا جس کے پاس دسیوں ہزار دیناروں کے جواہرات موجود تھے اور وہ بہت تیز فہم اور ہوشیار تھا۔ بصرہ میں فریاد لے کر آیا تو بہت سے تاجر اس کی امداد کے لیے کھڑے ہوگئے۔

امیر سے اس نے کہا کہ میرے جواہرات آپ کی سازش سے چوری ہوئے ہیں۔ اور میرا دشمن آپ کے سوا کوئی نہیں۔ بہر حال حاکم پر یہ بہت بڑا اور سخت الزام تھا۔ اس نے جو نگہبانِ شہر تھے ان کو سخت پکڑا تو انہوں نے مہلت مانگی۔ حاکم نے مہلت دے دی۔ ان لوگوں نے انتہائی کوشش سے چھان بین کی۔ مگر بالکل پتہ نہ چل سکا کہ یہ کس کی حرکت ہے۔ حاکم نے پھر ان کو اور سختی سے پکڑا تو پھر انھوں نے دوبارہ مہلت طلب کی۔ اور ان میں سے ایک آدمی نے قید خانہ پہنچ کر ابن الخیاط کی خدمت شروع کر دی اور تقریباً ایک ماہ اس کی خدمت میں لگا رہا اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا رہا۔ تو ابن الخیاط نے اس سے کہا تیرا حق مجھ پر واجب ہو گیا مجھے بتا تیری حاجت کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ فلاں شخص کے جواہرات جو ایلہ میں چوری ہو گئے ہیں ضرور آپ کو انکے بارے میں کچھ خبر ہو گی۔ یہ سمجھ لیجیے کہ ہماری گردنیں گروی رکھی ہوئی ہیں۔ اور اس کو تمام واقعہ سنا دیا ——— اس نے اپنا دامن اٹھایا تو جواہر کا ڈبہ اس کے نیچے تھا وہ اس نے نگہبان کے سپرد کر دیا اور بولا میں یہ تجھے ہبہ کرتا ہوں۔ تو اس نے اس کو بہت بڑا معاملہ سمجھا۔ اور اس ڈبہ کو لے کر امیر کے پاس آیا۔ اس نے اس کا قصہ معلوم کیا تو اس نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔

امیر نے حکم دیا کہ عباس (یعنی ابن الخیاط) کو میرے پاس بھیجو اور حکم دیا کہ اس پر سے تمام سختی ختم کر دی جائے اور بیڑیاں کاٹ دی جائیں۔ اور حمام میں داخل کیا جائے اور خلعت (قیمتی جوڑہ) پہنایا جائے۔ پھر بلا کر اپنے پاس بٹھایا نہایت ہی عزت کے ساتھ۔ اور نہایت عمدہ کھانا منگا کر اپنے ساتھ کھلایا۔ اور رات کو بھی اپنے ہی پاس رکھا۔ اگلے روز اس سے کہا کہ میں یہ بات جانتا ہوں کہ اگر تیرے ایک لاکھ کوڑے بھی مارے جائیں تو تو قبول کرنے والا نہیں ہے۔

(میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ) تو نے جواہر کو کیوں کر حاصل کیے۔ اور میں نے تیرے ساتھ حسنِ اخلاق کا معاملہ کیا اس لیے کہ میرا حق تجھ پر واجب ہو جائے جو جواں مردوں کا طریقہ ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے بالکل سچی سچی بات بتا دے جوان جواہر کا قصہ ہوا۔ اس نے کہا، اس شرط پر آپ مجھ کو اور جن لوگوں نے اس سلسلہ میں میری مدد کی ان سب کو امن دے دیں اور جن لوگوں نے اس کو حاصل کیا ان سے باز پُرس نہ کریں۔ حاکم نے اس بات کا یقین دلایا۔ تو اس نے حاکم سے حلف بھی لے لیا۔

اس کے بعد اس نے واقعہ بیان کیا کہ، چوروں کی ایک پارٹی میرے پاس قید خانہ میں آئی۔ اور انھوں نے ان جواہر کا حال بیان کیا اور یہ کہا کہ اس تاجر کا مکان ایسا ہے جس میں نہ نقب لگانا ممکن ہے اور نہ کمند لگا کر چڑھنا اور اس پر لوہے کا دروازہ ہے، اور آدمی ہوشیار ہے اور تدابیر کرتے ہوئے ایک سال گزر گیا۔ مگر ان کا بس نہیں چلا۔ اور انھوں نے مجھ سے کہا تو میں ان کی مدد کیلئے آمادہ ہو گیا۔ میں نے داروغۂ جیل کو ایک سو دینار دیے اور اس سے بے باکی کے ساتھ عہد لیا۔ اور قسمِ مغلظہ کھلائی کہ اگر اس نے مجھے آج رہا کر دیا تو میں اگلے روز ضرور اس کے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔ اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو قید خانہ میں ہونے کے باوجود میں اس کو مبتلائے مصیبت کر کے قتل کر دوں گا تو اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اور میری بیڑیاں اُتار لیں۔ اور ان کو وہیں چھوڑ دیا۔ اور مغرب کے وقت قید خانہ سے نکل گیا۔ اور ہم عشاء کے وقت ایلہ پہنچ گئے اور اس کے مکان کی طرف چلے وہ تاجر اس وقت مسجد میں تھا اور اس کے مکان کا دروازہ بند تھا۔ میں نے ان میں سے ایک سے کہا کہ دروازہ پر بھیک مانگ۔ جب وہ کواڑ کھولنے کے لیے آئے تو میں نے کہا چھپ جا۔ ایسا کئی مرتبہ کیا۔ لڑکی نکلتی تھی۔ جب

اُس نے کسی کو نہ دیکھا تو واپس ہو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ دروازے سے نکلی اور سائل کو ڈھونڈنے کے لیے چند قدم باہر نکلی۔ کچھ وقت سائل کو صدقہ دینے میں لگا تو میں (اس دوران) گھر میں داخل ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ دہلیز میں ایک کمرہ ہے جس میں گدھا بندھا ہوا ہے، تو میں اس میں جا گھسا اور گدھے کی آڑ میں جا کھڑا ہوا، اور گدھے کی جھول کا ایک حصّہ اپنے اوپر ڈال لیا۔ اتنے میں وہ تاجر آیا اور اس نے دروازے بند کیے اور دیکھ بھال کر اپنے اونچے تخت پر سو گیا اور جواہرات تخت کے نیچے تھے۔ جب آدھی رات گزر گئی تو گھر میں موجود جو بکری بندھی تھی میں اس کے پاس پہنچا اور اس کا کان اینٹھ دیا تو وہ چیخی پھر اس شخص نے لڑکی سے کہا کہ اس کے آگے چارہ ڈال دے۔ وہ چارہ ڈالکر سو گئی۔ میں نے پھر اس کا کان اینٹھ دیا تو وہ پھر چلّانے لگی۔ تو اس نے لڑکی سے کہا تجھے کیا ہو گیا۔ میں نے تجھ سے اس کی خبر گیری کے لیے کہا تھا۔ وہ کہنے لگی میں تو اس کو چارہ ڈال چکی۔ وہ کہنے لگا۔ تو جھوٹ بولتی ہے۔ اور چارہ ڈالنے کے لیے خود اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں موقعہ پاتے ہی تخت کے نیچے جا پہنچا اور خزانہ کھول کر جواہرات کا ڈبّہ نکال لیا اور اپنی جگہ واپس پہنچ گیا۔ اور وہ شخص واپس آکر لیٹ گیا۔ پھر میں کوشش کرنے لگا کہ کوئی ایسا حل نکل آئے کہ میں ایسی جگہ نقب لگا سکوں جو کسی قریب کے گھر میں نکل آئے اور میں نکل کر بھاگ جاؤں مگر یہ نہ ہو سکا کیوں کہ پورے مکان میں (دیواروں پر) سال کے تختے جڑے ہوئے تھے۔ اور پھر میں نے چھت پر چڑھ جانے کا ارادہ کیا مگر اس پر بھی قادر نہ ہو سکا۔ کیوں کہ ہر راستہ پر تین تین قفل لگے ہوئے تھے۔ پھر خیال ہوا کہ میں اس شخص کو قتل کر دوں مگر دل نے اس کو بُرا جانا۔ پھر میں نے سوچا کہ یہ تو میرے نزدیک ہے ہی اور اس کے سوا کوئی حیلہ نہ ہو سکا کہ جب صبح ہو گئی تو

میں واپس پھر اسی گدھے کے پاس آگیا۔ اب وہ شخص جاگ کر باہر نکلنے کا ارادہ کرنے لگا تو اس نے لڑکی کو اٹھا کر کہا کہ دروازوں کے تالے کھول دے اور موسلے لگے رہنے دے۔ لڑکی نے ایسا ہی کر دیا اور جب میں گدھے کے پاس سے آیا تو اس کے لات ماری تو اس نے رینگنا شروع کر دیا۔ میں باہر آیا اور موسلا کھینچ کر کواڑ کھولے اور نکل کر بھاگ آیا۔ یہاں تک کہ گھاٹ پر آیا اور کشتی میں بیٹھ گیا۔

اس تاجر کے مکان میں چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ جب میرے ساتھیوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں اس میں سے کچھ اُن کو بھی دے دوں۔ تو میں نے کہا کہ ابھی نہیں۔ یہ معاملہ بہت ہی اہم ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ یہ راز کھُل نہ جائے۔ ابھی تم اس کو میرے پاس ہی رہنے دو۔ اگر اس پر تین مہینے عافیت کے ساتھ گزر گئے اور یہ مال چھپا رہا تو میرے پاس آجانا میں آدھا تم کو دیدونگا اور اگر ظاہر ہو گیا اور میں نے اپنی اور تمھاری ذات کو خطرے میں دیکھا تو میں پھر اس کے ذریعہ تمھاری گردنیں بچا سکوں گا۔ تو اس پر سب راضی ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے اس نگہبان کو مبتلائے مصیبت کر دیا جس نے میری بہت خدمت کی تو اس پر شرمندہ ہوا، اور اندیشہ ہوا کہ وہ اور اس کے ساتھی قتل نہ کر دیے جائیں۔ اور میں اپنی جان پر جو بھی عذاب آپڑے تو اس پر ثابت قدم رہنے کا تہیہ کیے ہوئے ہوں۔ مگر آپ نے میرے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کیا تو جوانمردی کا طریقہ یہی تھا کہ سچائی کے سوا میں بھی اور کوئی طریقہ بہتر اور مستحسن نہ سمجھوں۔

امیر نے کہا، تیرے اس فعل کی جزا یہ ہے کہ میں تجھے رہائی دیتا ہوں۔ لیکن تو اپنے اس کردار سے توبہ کرلے۔ تو اس نے توبہ کرلی۔ پھر امیر نے اس کو اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا۔ اور اس کا مستقل وظیفہ مقرر کر دیا۔ پھر وہ عمر بھر سچائی کے راستے پر قائم رہا۔

• ابوالحسین کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ ان سے

(۱۲) طالوت بن عباد صرّاف نے بیان کیا کہ بصرہ کا واقعہ ہے کہ ایک رات میں اپنے بستر پر سو رہا تھا اور میرے گھر پر پہرہ دینے والے موجود تھے اور دروازوں پر تالے لگے ہوئے تھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ابن الخیّاط مجھے میرے بستر سے جگا رہا ہے۔ میں گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے گھبراہٹ میں کہا تو کون ہے؟

اُس نے کہا ابن الخیّاط۔ تو مجھ پر خوف کی وجہ سے مردنی سی چھا گئی — اس نے کہا گھبراؤ نہیں۔ اس وقت میں نے پانچسو دینار کا جوا کھیلا ہے۔ یہ تم مجھے قرض دے دو میں یہ ضرور تم کو جلد ہی واپس کر دوں گا۔ میں نے اس کو پانچ سو دینار صندوق سے نکال کر دے دیے۔ اس نے کہا اب تم آرام سے سو جاؤ۔ اور میرا پیچھا مت کرنا تاکہ میں جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس چلا جاؤں۔ ورنہ قتل کر دوں گا اور خدا کی قسم میں اپنے پہرے داروں کی آوازیں سُن رہا تھا اور یہ نہیں سمجھ سکا کہ وہ کدھر سے اندر آیا ہے اور کدھر کو واپس ہو گیا۔ اور میں نے اسکے ڈر سے اس بات کو پوشیدہ رکھا اور پہرے میں اضافہ کر دیا۔ اس واقعہ کو چند راتیں ہی گزری تھیں کہ کیا دیکھتا ہوں کہ اسی ہیئت کے ساتھ وہ مجھے پھر جگا رہا ہے۔ میں نے اٹھ کر مرحبا کہا۔ اور یہ کہ کیا بات ہے؟

کہنے لگا کہ وہ دینار لے کر آیا ہوں۔ واپس لے لیجیے۔ میں نے کہا وہ تمھیں معاف کرتا ہوں۔ اگر تم کو اور ضرورت ہو تو لے لو۔ تو جواب دیا کہ میں تم جیسے شریف مزاج تاجروں کے اموال میں حصّہ دار بننا نہیں چاہتا اور اگر میں اس کو پسند کرتا کہ تمھارا مال چرا کر لے جاؤں تو ایسا بھی کر سکتا تھا لیکن تم اس شہر کے رئیس ہو اور میں تم کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ یہ بات جواں مردی کے خلاف ہے۔ یہ تم کو لے لینا چاہیے۔ اگر مجھ کو اس کے بعد کوئی ضرورت ہوگی تو میں تم سے پھر لے لونگا

میں نے کہا، اس طرح تمھارا آنا میرے لیے گھبراہٹ اور خوف کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن جب تم کچھ لینا چاہو تو دن میں آؤ یا اپنے ایلچی کو بھیجدو۔ اس نے کہا کہ ایسا ہی کیا جائے گا۔ اور میں نے اس سے اپنے دینار لے لیے۔ اور وہ پھر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد اس کا ایلچی میرے پاس ایک نشانی لے کر آیا کرتا تھا اور جو کچھ چاہتا لے جایا کرتا تھا اور کچھ مدت کے بعد واپس دے جایا کرتا تھا۔

یہاں تک کہ میری کوئی رقم اس کے ذمہ باقی نہیں رہی۔ اُس کا کچھ عرصہ کے بعد انتقال ہو گیا۔

(۱۳) ابو محمد عبداللہ بن خشاب نحوی نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک شخص نے ایک صابُن گر سے ایک صابُن کی ٹکیہ خریدی اور اپنے کپڑے دھونے کے لیے نہر پر گیا وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ وہ تو ایک اینٹ کا ٹکڑا ہے اور اس کو یہ خیال ہوا کہ یہ شخص لوگوں کو دھوکہ سے اینٹ اور صابُن (ملا جلا کر) بیچتا ہے۔ اس کے واپس کرنے کے لیے پہنچا۔ اور جا کر کہا بڑا افسوس ہے تو لوگوں کو اینٹ اور صابن بیچتا ہے۔ اس نے کہا اینٹ کیسے بیچتا ہوں تو اس نے ٹکیہ کو آستین سے نکالا تو دیکھا کہ وہ صابن کی ٹکیہ ہے۔ وہ شخص شرمندہ ہوا اور نہر پر واپس آ گیا۔ لیکن جب پھر اس کو نکالا تو وہ پھر اینٹ نکلی۔ پھر واپس صابن گر کے پاس آیا اور اس کو دھمکانے لگا اور ٹکیہ کو نکالا تو پھر وہ صابُن ہی کی ٹکیہ تھی۔ پھر دوبارہ واپس ہوا (اور پھر صابن گر سے ملا) یہاں تک کہ پریشان ہو گیا۔ اس سے صابن گر نے کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ ہمارا ایک لڑکا ہے جس کو اپنی دکان سے ہم نے نکال رکھا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ شرارت اور دھوکا کر رہا ہے۔ جب تم یہاں سے جاتے ہو تو وہ یہ حرکت کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ تم واپس آ رہے ہو تو وہ صابن کی ٹکیہ کو تمھاری آستین میں

ڈال دیتا ہے۔ اور تم کو خبر تک نہیں ہوتی۔

• ایک چور کچھ لوگوں کے گھر میں چوری کرنے کے لیے پہنچا وہاں چوری
(۱۴) کے لیے کچھ نہ ملا سوائے ایک ٹوٹی ہوئی دوات کے۔ تو وہ دیوار پر یہ لکھ آیا عزّ علیّ فقرکم وغنای (یعنی مجھ پر عزیز ہو گیا تمھارا فقر اور اپنی تونگری) یعنی تمھارے فقر کو دیکھ کر میں خود کو مالدار سمجھنے لگا ہوں۔

• ایک چور ایک آدمی کے گھر پہنچا اور اس کا سامان لے کر چلا۔ اس نے
(۱۵) شور کرتے ہوئے کہا کہ یہ رات کیسی منحوس ہے۔ چور نے کہا۔ ہر ایک کیلیے نہیں (تیرے لیے)

• ہم کو بعض اصحاب نے یہ قصہ سنایا کہ ایک آدمی بزاز کے پاس
(۱۶) گیا اور اس سے تین سو دینار کے کچھ کپڑے خریدے۔ پھر اس کو پوری قیمت ادا کر دی۔ جب پوری رقم ادا کر چکا تو کہنے لگا کہ تو نے مجھ سے زیادہ قیمت لی ہے۔ اور واپس کر دیا۔ اور دینار لے لیے اور ان کو ایک کپڑے میں ڈال کر گرہ باندھ دی اور اس کو اپنے غلام کی آستین مین ڈال دیے۔ پھر بولا کہ میں تردد میں پڑ گیا۔ کیا مجھے اتنی اجازت دے دو گے کہ میں یہ کپڑے اس کو دکھا لاؤں جس کے لیے خرید رہا ہوں۔ اگر وہ لینے پر رضامند ہو گیا تو ٹھیک ہے ورنہ واپس کر دیے جائیں گے۔

بزاز نے کہا اچھا۔ اس نے اپنے غلام کی آستین میں ہاتھ ڈال کر وہ کپڑا نکالا اور بزار کی طرف پھینک دیا اور کپڑے لے کر چلا گیا۔ پھر بزاز نے اس کپڑے کو کھولا تو اس میں سے پیسے برآمد ہوئے۔ اس شخص نے غلام کی آستین میں تین سو دینار کے برابر کپڑے میں پیسے باندھ کر پہلے ہی رکھ دیے تھے۔

(۱۷) ابوالفتح مصری کہتے ہیں کہ ایک جگہ چوروں کا ایک گروہ بیٹھا تھا۔

ان کے پاس سے ایک شیخ جو صرّاف تھا گزرا۔ ان میں سے ایک چور نے کہا کہ تمھاری اس شیخ کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اور اس کی یہ تھیلی اُڑا لاؤں۔ سب نے کہا کہ تو یہ کام کیسے کرے گا؟ اس نے کہا دیکھو۔ پھر اس نے اس صرّاف کا مکان تک پیچھا کیا۔ اور وہ اس تھیلی کو چبوترے پر رکھ کر کنیز سے بولا کہ مجھے پیشاب کی حاجت ہے۔ پانی لے کر بالاخانے پر آجا۔ اور وہ اُوپر چڑھ گیا۔ (جب اس کی باندی بھی اوپر چڑھ گئی) تو چور گھر میں گھُس گیا اور تھیلی اٹھا کر لے آیا۔ اور اپنے ساتھیوں کے پاس تھیلی لے کر پہنچا۔ اور ان کو پورا قصہ سُنایا۔

انہوں نے یہ سنکر کہا تو نے یہ کیا کیا اور اس کو اسی طرح چھوڑ کر چلا آیا اور وہ اس غریب باندی کو مارتا ہوگا اور اس کو اذیت دے رہا ہوگا۔ یہ تو نے اچھا نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ تم پھر کیا چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ لونڈی مار پیٹ سے بچ جائے اور تھیلی بھی وصول ہو جائے۔

اس نے کہا اچھا۔ پھر اس کے گھر پہنچ گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور وہ حقیقت میں کنیز کو مار رہا تھا۔ شیخ نے کہا کون ہے؟ اس نے کہا آپ کا ہمسایہ دکاندار کا نوکر۔ اس نے باہر آکر کہا کیا کہتے ہو؟ چور نے کہا، میرے آقا نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ شاید آپ کا حافظہ خراب ہو گیا ہے۔ آپ اپنی تھیلی دکان میں پھینک جاتے ہیں۔ اور ادھر اُدھر چلے جاتے ہیں۔ اور اگر ہم اس کو نہ دیکھ لیتے تو کوئی لے جاتا۔ تھیلی نکالی اور دکھا کر کہا کہ یہی ہے نا؟

اس نے کہا ہاں یہی ہے۔ واللہ اس نے سچ کہا۔ صرّاف نے تھیلی لے لی تو چور نے کہا یہ تو مجھے دے دیجیے اور گھر میں جا کر ایک پرچہ لکھ لائیے کہ تھیلی مجھے وصول ہو گئی۔ تاکہ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں۔ اور یہ تھیلی مع مال کے آپ کو واپس مل جائے۔ شیخ اس کو تھیلی دے کر گھر میں چلا گیا تاکہ

رقعہ لکھ لائے۔ چور نے تھیلی لے لی اور موقع غنیمت جان کر نو دو گیارہ ہو گیا۔

• ابو جعفر محمد بن الفضل الصمیری نے بیان کیا کہ شہر میں ایک بہت ہی (۱۸) نیک ضعیفہ تھی جو کثرت سے روزے رکھتی تھی اور نماز بھی بکثرت پڑھتی تھی۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا جو صرّاف کا کام کرتا تھا، وہ شراب پیتا تھا اور جوا بھی کھیلتا تھا۔ دن کے اکثر حصّہ میں تو وہ دکان پر رہتا تھا۔ جب گھر میں آتا تو تھیلی اپنی والدہ کے پاس رکھوا دیتا۔ اور چلا جاتا۔ اور ایسی جگہ پر رات گزارتا تھا کہ جہاں شراب پیتا رہے۔

ایک چور نے اس کی تھیلی اٹھانے کی ٹھان لی اور اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا اور اس طرح اس کے گھر میں داخل ہو گیا کہ اسے خبر تک نہ ہو سکی اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ اور لڑکے نے تھیلی ماں کے سپرد کر دی اور چلا گیا۔ اور یہ گھر میں تنہا رہ گئی۔ اور مکان میں ایک کمرہ اس کا ایسا تھا جس کی دیواروں پر سال کے تختے جڑے ہوئے تھے۔ اور دروازہ لوہے کا تھا۔ وہ اپنی قیمتی چیزیں اس میں رکھتی تھی۔ چنانچہ اس نے تھیلی اس کمرے کے دروازے کے پیچھے رکھی اور وہیں بیٹھ گئی اور اپنے سامنے افطار کا سامان رکھ لیا چور نے سوچا کہ اب وہ اس کو تالا لگائے گی اور سو جائے گی اور میں دروازہ کھول کر تھیلی لے لونگا جب وہ روزہ افطار کر چکی تو نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ اور نماز لمبی ہو گئی۔ اور آدھی رات گزر گئی اور چور حیرت میں پڑ گیا۔ اور اس کو ڈر ہوا کہ اسی طرح صبح نہ ہو جائے اب وہ پورے گھر میں پھرا وہاں اس کو نئی لنگی مل گئی اور کچھ بخور رکھا تھا تو اُسنے وہ لنگی باندھی اور بخور جلایا اور سیڑھی سے اُترنا شروع کیا اور موٹی سی آواز بنا کر نکالنا شروع کر دی تاکہ بڑھیا گھبرا جائے۔ وہ دلیر تھی سمجھ گئی کہ یہ کوئی چور ہے۔ پھر بڑھیا نے کانپتی ہوئی آواز میں گھبراہٹ شامل کر کے پوچھا

یہ کون ہے ؟

اس نے جواب دیا کہ میں جبرئیل ہوں ربّ العالمین کا بھیجا ہوا۔ اس نے مجھے تیرے بیٹے کے پاس مجھے بھیجا ہے۔ چونکہ یہ فاسق ہے اس لیے اِسے نصیحت کروں اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ کروں کہ جس سے وہ گناہوں کے ارتکاب سے باز آجائے۔ تو بڑھیا نے یہ ظاہر کیا کہ اُس پر غشی طاری ہوگئی۔ اور اس نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ اے جبرئیل! میں تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آنا کیونکہ وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔

چور نے کہا میں اس کو قتل کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں۔ بڑھیا نے کہا کہ پھر کس لیے بھیجا گیا ہے۔ کہنے لگا کہ اس کی تھیلی لے لوں اور اس کے دل کو اس سے رنج پہنچاؤں، پھر جب وہ توبہ کرلے تو اس کو واپس کردوں۔

بڑھیا نے کہا اچھا جبرئیل اپنا کام کرو اور جو کچھ حکم دیا گیا اس کی تعمیل کرو۔ چور نے کہا دروازے سے ہٹ جا۔ وہ ہٹ گئی اور اس نے دروازہ کھول لیا اور اندر داخل ہوگیا۔ تاکہ تھیلی اور قیمتی سامان لے جائے اور اس کی گٹھری بنانے میں مشغول ہوگیا۔ تو بڑھیا نے آہستہ سے جاکر دروازہ بند کردیا اور زنجیر کو کنڈے میں ڈال دیا اور تالا لاکر اس کو مقفل کردیا ـــــ اب چور پریشان ہوا اور اس کو اپنی موت نظر آنے لگی اور باہر نکلنے کے لیے نقب لگانے کا حیلہ کرنے لگا۔ اور کوئی سُوراخ کھولنے کا سوچنے لگا مگر کوئی صورت ممکن نظر نہیں آئی۔ پھر بولا کہ دروازہ کھول تاکہ میں باہر آؤں۔ کیوں کہ تیرا بیٹا نصیحت قبول کرچکا ہے۔

بڑھیا نے کہا، اے جبرئیل! مجھے ڈر ہے کہ میں کواڑ کھولوں تو تیرے نور کی چمک سے میری بینائی جاتی رہے۔ چور نے کہا، میں اپنے نور کو بجھادوں گا تاکہ تیری آنکھیں ضائع نہ ہوں، تو بڑھیا نے کہا، اے جبرئیل تیرے لیے اگر

اس میں دشواری ہے تو چھت سے نکل جا یا اپنے پرسے دیوار کو پھاڑ کر نکل جا۔ اور مجھے تکلیف نہ دے کر اپنی نگاہ کو ختم کر ڈالوں۔ اب چور نے محسوس کر لیا کہ بڑھیا دلیر اور ہوشیار ہے اب اس نے نرمی اور خوشامدیں شروع کر دیں۔ اور توبہ کرنے لگا۔ تو بڑھیا نے کہا۔ یہ باتیں چھوڑ۔ اب تیرے نکلنے کی کوئی تدبیر نہ ہو سکے گی۔ جب تک سورج نہ نکل آئے۔ پھر نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی اور وہ اس سے سوال کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور اس کا لڑکا بھی واپس آ گیا اور تمام باتیں اور سرگزشت اس کو سنائی۔ بیٹا شہر کے کوتوال پولیس کو بلا لایا۔ اس نے دروازہ کھولا اور چور کو باندھ کر لے گیا۔ اتقو افراسۃ المؤمن۔

باب ۲۷

ذہین بچوں کی ذکاوت کے بیان میں

(۱) محمد بن الضحاک سے مروی ہے کہ عبدالملک بن مروان نے رأس الجالوت یا ابن رأس الجالوت سے سوال کیا کہ بچوں کی فراست کا تم کس طرح اندازہ لگاتے ہو۔؟ انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس ان کے لیے کوئی خاص اصول نہیں ہے کیوں کہ وہ (اس زمانہ میں) ایک حال سے دوسرے حال کی طرف جاتے رہتے ہیں۔ بجز اس کے کہ ایک گوشۂ چشم ان کو ہم نہ دیکھ لیں۔ اور ان کی گفتگو اور اوضاع سے ان کی افتادِ طبع کا کچھ اندازہ کر لیں۔

اگر ہم نے ان میں سے کسی کو کھیلتے ہوئے یہ سن لیا کہ کون میرے ساتھ ہوگا تو اس کے بارے میں یہ رائے قائم کرلی کہ یہ صاحب ہمت ہوگا اور اس کے بارے میں اکثر اوقات یہ پہلو سچا اور اندازہ ٹھیک ہی نکلتا ہے۔ اور اگر ہم نے اس کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ میں کس کے ساتھ رہوں گا تو ہم کو اس کی بات مکروہ معلوم ہوتی ہے۔

تو سب سے پہلے جس کے بارے میں اندازہ لگایا گیا وہ ابن الزبیر تھے کہ وہ ایک دن جب بچے تھے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو ایک شخص وہاں سے گزرا اور اس نے سب بچوں کو ڈانٹا اور تو سب بھاگ گئے مگر ابن الزبیر پچھلے پاؤں اس کی طرف منہ کیے ہوئے ہٹ رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے اے لڑکو! تم مجھے اپنا امیر بنالو اور میرے ساتھ مل کر اس پر حملہ کردو۔

• ایک مرتبہ جب کہ بچپن میں عبداللہ بن زبیر دوسرے بچوں کے ساتھ

(۲) کھیل رہے تھے تو وہاں حضرت عمر بن الخطاب کا گزر ہوا اور بچے تو بھاگ گئے اور یہ کھڑے رہے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کیا بات ہے اپنے دوستوں کے ساتھ تو کیوں نہیں بھاگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین۔! میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا کہ بھاگتا۔ اور راستہ کوئی تنگ نہیں تھا کہ آپ کے لیے مجھے کوئی گنجائش نکالنے کی ضرورت ہوتی۔

• سنان بن مسلمہ سے جو بحرین کے امیر تھے۔

(۳) روایت ہے کہ جب ہم مدینہ میں چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ کھجور کی جڑ کے پاس سے چھوٹی چھوٹی کھجوروں کو جن کو خلال کہا جاتا ہے۔ جمع کر رہے تھے تو حضرت عمرؓ اس طرف آنکلے سب بچے تو ادھر اُدھر بھاگ گئے اور میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ جب وہ میرے قریب آگئے تو میں نے کہا، اے امیر المومنین!

یہ تو وہ ہیں جو ہوا سے جھڑ جاتے ہیں۔ انھوں نے کہا مجھے دکھا۔ میں دیکھتا ہوں اسے جھڑا ہوا ہونا) تو مجھ سے چھپا تو نہیں رہا ہے۔ تو انھوں نے میری گود پر نظر ڈالی۔ فرمایا کہ تو سچ کہتا ہے۔

پھر میں نے کہا، اے امیر المومنین! آپ دیکھ رہے ہیں ان لڑکوں کو خدا کی قسم جب آپ چلے جائیں گے یہ آکر مجھ سے لپٹ جائیں گے اور جو کچھ میرے پاس ہوگا وہ سب چھین لیں گے۔ تو آپ میرے ساتھ چلئے اور مجھے میرے ٹھکانے پر پہنچا دیا۔

(۴) ابو محمد الیزیدی کہتے ہیں کہ میں مامون الرشید کا اتالیق تھا جب کہ وہ سعید الجوہری کی گود میں زیر تربیت تھا۔ میں ایک روز آیا تو وہ محل کے اندر تھا۔ اس کے پاس میں نے اسی کے خادم کو بھیجا کہ میرے آنے کی اطلاع کر دے مگر اس نے آنے میں دیر لگا دی۔ پھر میں نے دوسرا خادم بھیجا اس نے بھی دیر کی تو میں نے سعید سے کہا کہ یہ لڑکا اکثر کھیل میں لگا رہتا ہے اور آنے میں دیر کرتا ہے۔ اس نے کہا اچھا، اور اس کے ساتھ ایک حرکت یہ بھی کی کہ وہ آپ سے جدا ہوتا ہے تو اپنے خدمت گاروں کے سر ہو جاتا ہے اور ان کو سخت تکلیف دیتا ہے۔ تو آپ اس کو ادب سکھائیں (میں انتظار میں بیٹھا رہتا ہوں) جب وہ باہر نکلا تو میں نے حکم دیا کہ اس کو لے آئیں۔ تو میں نے اس کے سات دُرّے مارے یہاں تک کہ وہ رو کر اپنی آنکھوں کو ملنے لگا۔ جبھی اطلاع آئی کہ جعفر بن یحییٰ (برمکی وزیر) آرہے ہیں تو فوراً رومال لے کر اپنی دونوں آنکھیں پونچھیں اور اپنے کپڑوں کو ٹھیک کر کے فرش کی طرف بڑھا اور وہاں چوکڑا مار کر بیٹھ گیا۔ پھر خدام سے کہا کہ ان کو آجانے دو۔

اور میں محفل سے اُٹھ کر باہر آگیا اور مجھے ڈر محسوس ہوا کہ یہ جعفر سے ضرور

میری شکایت کرے گا اور وہ میرے ساتھ اذیت سے پیش آئے گا۔

وزیر جعفر اندر آکر مامون سے ملا وہ اس کی طرف منہ کر کے باتیں کرتا رہا۔ حتی کہ اس کو بھی ہنسایا اور خود بھی ہنستا رہا۔ پھر جب (وزیر کے ساتھ) تفریح کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو اپنا گھوڑا طلب کیا اور اپنے غلاموں کو بلایا سب اس کے پاس بھاگ دوڑ کر آئے۔ پھر میرے بارے میں سوال کیا۔ میں آیا تو مجھ سے کہنے لگا کہ میرا باقی سامان (تعلیم کا) آپ لے لیجیے۔

میں نے کہا، اے امیر! اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ مجھے اندیشہ ہو گیا تھا کہ آپ میری شکایت جعفر بن یحییٰ سے ضرور کریں گے۔ اگر آپ نے ایسا کر لیا تو اس کا طرز عمل مجھ سے سخت ہو گا۔ تو اس نے جواب دیا کہ اے ابو محمد! کیا آپ نے مجھے کبھی دیکھا ہے کہ میں نے رشید کو بھی ایسے معاملہ میں باخبر کیا ہو، تو جعفر بن یحییٰ سے کیسے کہہ سکتا ہوں یہ کیسے قرینِ قیاس ہو سکتا ہے۔ کہ میں اس سے آپ کی شکایت کرتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ادب کا حاجت مند ہوں۔ ایسی صورت میں اللہ آپ کی خطائیں معاف فرمائے۔ آپ کا گمان کس قدر بعید از قیاس ہے اور آپ کا دل کتنا غلط وہم میں مبتلا ہے۔ آپ اپنا کام کرتے رہیے۔ جو خطرہ آپ کے دل میں محسوس ہوا ایسا آپ کبھی نہیں دیکھیں گے۔ خواہ عمل آپ روزانہ سو دفعہ کریں۔

حسن قزوینی نے کہا کہ میں نے ابو بکر نحوی سے سنا کہ معذرت کے طور پر سب سے زیادہ لطیف جو خط لکھا گیا ہے وہ خلیفہ راضی باللہ نے اپنے بھائی ابو اسحٰق متقی کے نام لکھا تھا۔ قصہ یہ ہوا کہ دونوں بھائیوں کے درمیان۔ استاذ کی موجودگی میں کچھ کہا سنی ہو گئی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بھائی (متقی) کی طرف سے ہی

راضی پر زیادتی ہوئی تھی۔ تو راضی نے اس کو یہ خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں آپکا غلام ہوں اپنے فرض کی بنا پر آپ کو اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ میں آپ کا بھائی ہوں۔ فضل کی بنا پر جو مجھ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔

اور غلام خطا کرتا ہے تو آقا معاف کر دیتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا معیاری بات کہی ہے ؎

یاذا الذی یغضب من غیر شئی اعتب فعتباك حبیب الیّ

ترجمہ: اے وہ شخص جو بغیر سبب کے ناراض ہو جاتا ہے۔ جتنا عتاب دل چاہے کر کیوں کہ تیرا عتاب بھی مجھے پیارا ہے۔

انت علیّ انك لی ظالم اعز خلق اللہ کل علیّ

ترجمہ: تو باوجود اس کے مجھ پر ظلم کرتا ہے۔ تو خدا کی تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہے۔

ابو اسحٰق اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ راضی باللہ بھی کھڑا ہو گیا اور دونوں بھائی گلے مل گئے۔ اور مصالحت ہو گئی۔

(۶) • عبید اللہ المامون سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ مامون الرشید میری والدہ اُمِّ موسیٰ سے سخت ناراض ہو گئے پھر اسی بنا پر مجھ سے بھی اس درجہ برہم ہو گئے کہ قریب تھا کہ اس کا نتیجہ میرے تلف ہو جانے کی صورت میں برآمد ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ اے امیر المومنین! اگر آپ اپنے چچا کی بیٹی پر ناراض ہیں تو ان ہی پر مجھ کو الگ کر کے عتاب کریں۔ میں تو آپ کی طرف سے ان کے پاس گیا ہوا ہوں اور آپ ہی کا ہوں۔ نہ ان کا۔

مامون الرشید نے سُن کر کہا تو نے سچ کہا اے عبید اللہ! تو میری طرف سے

اس کے پاس گیا ہوا ہے اور میرا ہی ہے اس کا نہیں۔ اور میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھ کو اس حقیقت پر متنبہ کیا تیرے ذریعہ سے اور تیرے اس فضل (یعنی فراست) کو جو تجھ میں موجود ہے۔ مجھ پر ظاہر کر دیا۔ واللہ آج کے بعد تو میری طرف سے کوئی برائی نہ دیکھے گا اور پسندیدہ طرزِ عمل ہی دیکھے گا۔ پھر یہ گفتگو ہی میری والدہ سے خوش ہو جانے کا سبب بن گئی۔

(۷) • اصمعی نے بیان کیا کہ جس زمانہ میں کہ میں قبائل عرب کی سیاحت میں تھا میرا گزر ایک لڑکے پر یا لڑکی پر ہوا۔ (اصمعی سے روایت کرنے والے نے اپنے شک کا اظہار کیا ہے) جس کے پاس ایک مشکیزہ تھا جس میں پانی زیادہ بھرا ہوا (ہونے کی وجہ سے اس کا دہانہ اس کے قابو سے باہر ہو گیا) تھا اور وہ (اپنے باپ کو) پکار رہا تھا یا ابت ادرک فاھا۔ غلبنی فوھا لاطاقۃ لی بفیھا۔ (ترجمہ) اے ابّا جان! اس کا منہ پکڑ لیجیے۔ غالب آ گیا ہے مجھ پر اس کا مُنھ۔ اس کا منھ سنبھالنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔) اصمعی نے کہا ان تین جملوں میں خدا کی قسم اس نے تمام عربیت کو جمع کر دیا۔

(۸) • صولی نے کہا کہ جاحظ سے منقول ہے کہ ثمامہ نے بیان کیا کہ میں اپنے دوست کے یہاں اس کی مزاج پُرسی کے لیے اس کے گھر گیا اور اپنے گدھے کو دروازہ پر چھوڑ دیا اور میرے ساتھ کوئی غلام نہیں تھا (جو گدھا کا خیال رکھتا) پھر میں گھر سے باہر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس پر ایک لڑکا بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے کہا کہ بغیر اجازت کے گدھے پر سوار ہو گئے ہو؟ اُس نے (فی البدیہ اپنی شرارت کی تاویل کے طور پر) جواب دیا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ بھاگ جائے گا تو میں نے آپکی وجہ سے اس کی حفاظت کی۔ میں نے (غصّہ میں آکر) کہا اچھا ہوتا کہ یہ یہاں سے نہ ٹھہرتا اور بھاگ جاتا۔ (آپ کو اس کے فکر کی کیا ضرورت تھی) کہنے لگا کہ اگر آپکی

اپنے گدھے کے لیے یہی رائے ہے تو اس پر عمل کیجیے اور سمجھ لیجیے کہ وہ بھاگ ہی گیا ہے۔ اور یہ مجھے ہبہ کر دیجیے۔ اس پر میری طرف سے مزید شکریہ قبول کیجیے۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اسے کیا جواب دوں۔

(۹) • اہلِ شام میں سے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں مدینہ پہنچا تو ابراہیم بن ہرمہ کے مکان تک جانے کا ارادہ کیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک چھوٹی سی لڑکی مٹی میں کھیل رہی ہے میں نے اس سے کہا تمھارے والد کیا کر رہے ہیں؟ کہنے لگی کہ کسی اہلِ کرم کے یہاں گئے ہیں، بہت عرصہ گزر گیا ہم کو ان کی کچھ خبر نہیں ہے۔ تو میں نے کہا کہ ہمارے لیے اونٹنی ذبح کر لو کیوں کہ ہم تمھارے مہمان ہیں۔ بولی واللہ! ہمارے پاس نہیں ہے۔ پھر میں نے کہا اچھا، بکری ذبح کر لو۔ کہنے لگی واللہ! یہ بھی ہمارے پاس نہیں ہے۔ پھر میں نے کہا مرغی۔ کہنے لگی واللہ یہ بھی ہمارے پاس نہیں ہے۔ میں نے کہا انڈا، بولی واللہ یہ بھی نہیں ہے پھر میں نے کہا تو تمھارے ابا کا یہ قول غلط ہے ؎

کم ناقة قد وجاءت منحرها بمستهل الشؤبوب او جمل

(ترجمہ) بہت سی اونٹنیوں اور اونٹوں کے گلے پر میں نے چھری پھیری ہے متواتر بارش کا ہلال طلوع ہونے کے وقت۔

کہنے لگی کہ ابا کا یہی تو وہ فعل ہے جس نے ہم کو اس حال تک پہنچا دیا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔

(۱۰) • بشیر بن الحراث نے بیان کیا کہ میں نے معافی بن عمران کے مکان پر آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ تو مجھ سے کہا کہ کون ہے؟ تو میں نے کہا الحافی۔ تو گھر میں سے ایک چھوٹی سی بچی نے مجھ سے کہا کہ اگر تم دو دانگ کے جوتے خرید لیتے تو تمھارے نام میں سے حافی نکل جاتا (حافی کے معنی ہیں ننگے پاؤں۔)

• منقول ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ معتصم باللہ خاقان کی عیادت کے لیے (۱۱) گئے۔ اور فتح بن خاقان اس وقت بچہ تھا۔ فتح سے معتصم نے کہا کہ کون سا مکان اچھا ہے۔ امیر المومنین کا یا تمھارے والد کا۔ فتح نے جواب دیا کہ جب امیر المومنین میرے والد کے مکان میں ہوں گے تو میرے والد ہی کا مکان اچھا ہوگا۔

پھر ایک نگینہ دکھایا جو ان کے ہاتھ میں تھا۔ اور پوچھا کہ اے فتح تم نے اس نگینہ سے اچھا نگینہ دیکھا ہے؟ تو فتح نے جواب دیا۔ ہاں! وہ ہاتھ جسمیں یہ نگینہ ہے۔

• ابو علی البصیر نے بیان کیا کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا تو (۱۲) میں چھوٹا سا تھا۔ اس لیے میراث سے روک دیا گیا۔ میں جھگڑتا ہوا قاضی کے ہاں پہنچا۔ قاضی نے مجھ سے کہا کہ تو بالغ ہو گیا۔ میں نے کہا ہاں۔ پھر (قاضی نے) کہا۔ یہ بات کون جانتا ہے۔؟ میں نے کہا جس نے اس کو (لغوظ) کی طاقت دی (لغوظ عضوِ خاص کا دراز ہو جانا) قاضی نے تبسم کیا اور میرا حصہ واپس کرنے کا حکم دے دیا۔ (لغوظ)

• منقول ہے کہ ایاس بن معاویہ جب بچے تھے تو ایک بوڑھے (۱۳) کے ساتھ قاضیٔ دمشق کے سامنے گئے۔ اور کہا اللہ تعالیٰ قاضی کیساتھ نیکی کرے۔ اس بوڑھے نے مجھ پر ظلم کیا اور زیادتی کی اور میرا مال لے لیا قاضی نے کہا کہ اس سے نرمی سے بات کر، اور اس قسم کی گفتگو سے پرہیز کر۔ تو ایاس نے کہا اللہ قاضی کے ساتھ نیکی کرے (حق میرے ساتھ ہے) جو مجھ سے آپ سے اور آپ سے بھی بڑا ہے۔ قاضی نے کہا خاموش ہو جا۔ تو ایاس نے کہا اگر میں چپ ہو گیا تو میری دلیل کون پیش کرے گا۔ قاضی نے کہا کہ بول! اور خدا کی

قسم تیرے کلام میں خیر نہیں ہوگی تو ایاس نے کہا (لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ) اس کلمہ کے خیر ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اس لیے قاضی صاحب حانث ہو گئے (یعنی قسم ٹوٹ گئی) شاہی واقعہ لکھنے والے نے یہ قصہ خلیفہ کو لکھ کر بھیجا تو خلیفہ نے قاضی کو معزول کر کے ایاس کو اس کے بجائے قاضی بنا دیا۔

مامون الرشید نے اپنے ایک چھوٹے بچے کو دیکھا جس کے ہاتھ میں حساب کا رجسٹر تھا پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے ذہانت قوی ہوتی ہے اور غفلت سے بیزاری حاصل ہوتی ہے اور وحشت سے اُنس۔

تو مامون نے کہا کہ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے ایسے بچے عطا کیے جو اپنی عمر کے مناسب اپنے بدن کی آنکھ سے زیادہ اپنی عقل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔

(۱۵) • فرزدق نے ایک نوعمر لڑکے سے کہا کہ کیا تو اس سے خوش ہو گا کہ میں تیرا باپ بن جاؤں؟ اس نے کہا نہیں۔ مگر ماں بن جانے سے خوش ہوں گا۔ تاکہ میرے والد صاحب تیری مزیدار باتوں سے محظوظ ہوتے رہیں۔

(۱۶) • ایک بچہ چند لوگوں کے ساتھ کھانے بیٹھا تو رونے لگا۔ لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے، روتا کیوں ہے؟ تو اس نے کہا کہ کھانا بہت گرم ہے۔ لوگوں نے کہا کہ تھوڑی دیر رُک جا تاکہ ٹھنڈا ہو جائے۔ اس نے کہا، پھر تم لوگ اسے نہیں چھوڑو گے۔

(۱۷) • اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے ایک نوعمر لڑکے سے جو اہلِ عرب میں سے تھا پوچھا کیا تم اس بات سے خوش ہو سکتے ہو کہ تمھارے پاس ایک لاکھ درہم ہوں اور ان کے ساتھ حماقت بھی ہو۔ اس نے کہا خدا کی قسم نہیں! میں نے کہا

کیوں؟ اس نے کہا مجھے ڈر یہ ہے کہ میری حماقت مجھ سے یہ حماقت کرادے کہ مال تو سارا جاتا رہے اور میرے پاس صرف حماقت باقی رہ جائے۔

(۱۸) • ہمکو یہ واقعہ معلوم ہوا کہ ایک لڑکا (راستہ میں) ایک سمجھ دار آدمی سے ملا۔ اس سے پوچھا کہ کہاں جارہے ہو؟ اس نے جواب دیا مطبق کی طرف (بجائے مطبخ کے مطبق کہا کیوں کہ مخاطب بچّہ تھا۔ خا کو قاف بولتا تھا چونکہ مطبق کے معنیٰ ہیں پاؤں کو جوڑ کر کودنے کی جگہ) تو اس نے کہا قدم کشادہ کردو (یعنی چھلانگ ماردو)

(۱۹) • ہارون رشید کے یہاں ایک بچّہ لایا گیا جس کی عمر چار سال کی تھی انہوں نے اس سے کہا کہ تمھیں کیا پسند ہے جو تم کو دی جائے تو اُس نے برجستہ کہا کہ آپ کی حُسنِ تدبیر۔

باب ۲۸

ذی عقل دیوانوں کے بیان میں

(۱) • ہم سے محمد بن اسمٰعیل نے بیان کیا کہ ہمارے یہاں قبیلہ جہینہ کا ایک
(۱) شخص تھا جس کی کنیت ابو نصر تھی۔ اس کی عقل جاتی رہی تھی۔ میں نے اس سے ایک دن پوچھا سخاوت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا جُہدِ مقل (مقل کم استطاعت والے کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو اپنی حاجت روک کر دوسرے کی امداد کی کوشش کرے) پھر میں نے پوچھا اور بخل کیا ہے؟ تو اس نے کہا

"اُف" پھر مُنہ پھیر لیا۔ میں نے کہا کچھ تو جواب دو۔ بولا کہ دے تو دیا (لفظ "اُف" سے جواب دے دیا۔ یہ لفظ تکلیف کے وقت بولا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دُوسرے کو دینے والی دلی تکلیف کا نام بخل ہے)

(۲) • شبلی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیوانہ کو رصافہ کی جامع مسجد کے قریب ننگا کھڑا ہوا دیکھا اور وہ یہ کہہ رہا تھا کہ میں اللہ کا مجنون ہوں۔ میں اللہ کا مجنون ہوں۔ میں نے کہا مسجد میں کیوں نہیں جاتا۔ اور اپنا ستر کیوں نہیں چھپاتا اور نماز کیوں نہیں پڑھتا تو جواب میں یہ اشعار کہے ؎

یقولون زرنا واقضِ واجب حقنا

وقد اسقطت حالی حقوقھم عنی

(ترجمہ) کہتے ہیں کہ ہم سے ملاقات کرو اور حقِ واجب کو ادا کرو حالانکہ میرے حال نے مجھ پر ان کے سب حقوق ساقط کر دیے ہیں۔

اذا ھُمْ راوا حالی ولَمْ یا نفوالھا

ولَمْ یا نفو منھا انفت لھُمْ منّی

(ترجمہ) جب وہ میرا حال دیکھتے ہیں اور اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور جب وہ اس سے کراہت نہیں کرتے تو میں نے اپنے حال کو ناپسند نہیں کیا جو ان سے متعلق ہے۔

(۳) • ابن القصاب الصوفی کہتے ہیں کہ میں مارستان (شفاخانہ) میں میں پہنچا۔ وہاں میں نے ایک جوان کو مبتلا دیکھا، تو میں اس کا گرویدہ ہو گیا۔ اور میری دیوانگی بڑھتی رہی میں اس کے پیچھے لگا رہا تو اس نے چلّا کر کہا۔ دیکھو سنوارے ہوئے بالوں کو اور معطّر جسموں کو جھوٹوں نے محبت کو اپنی پونجی اور حماقت کو پیشہ بنا لیا ہے (یعنی کیا عاشق ایسے بنے سنورے لوگ ہوا کرتے ہیں)

پھر میں نے اس سے سوال کیا کہ سخی کون ہے؟ جواب دیا کہ سخی وہ ہے جو کہ تم جیسوں کو تمھارے پاس ایک دن کی غذا کا سہارا موجود نہ ہو رزق دے دے میں نے کہا، دنیا میں کم سے کم شکر کرنے والا کون ہے؟ تو اس نے کہا جو شخص کسی بلا سے نجات پا جائے پھر اس میں کسی دوسرے کو مبتلا دیکھے تو شکر کو ترک کر دے۔ تو مجھ پر اس کا بہت اثر ہوا اور میں نے اس سے کہا کہ دانائی کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جس طریقہ پر تم ہو اس کے خلاف۔

• مبرد کے ایک شاگرد نے ہم سے بیان کیا کہ ایک دن میں اس کی مجلس (۴) سے آرہا تھا۔ راستہ میں ایک ویرانہ سے گزرا تو دفعتاً ایک شیخ نکل کر میرے سامنے آگیا اور وہ ایک پتھر ہاتھ میں لیے ہوئے تھا پھر اس نے عجیب انداز اختیار کیا کہ وہ پھینک کر مارنا چاہتا ہے۔ میں نے قلم دان اور رجسٹر اپنے بچاؤ کے لیے کر لیا۔ تو بولا شیخ کے لیے مرحبا۔ (خوش آمدید) میں نے کہا آپ کیسے بھی۔ پھر پوچھا، کہاں سے آئے ہو۔ میں نے کہا مبرد کی محفل سے تو بولا بارد کی۔ پھر اس نے کہا۔ مبرد نے کون سا شعر سنایا۔ مبرد کے (شاگرد) کہتے ہیں کہ مبرد کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی مجلس کو ہمیشہ کسی شعر یا ایک دو بیت پر ختم کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا۔ انھوں نے یہ شعر سنایا ہے

اعار الغیث قائلہ اذا ماماؤہ نفدا

(ترجمہ) وہ (ممدوح) بادل کو جود و کرم مانگا ہوا دیتا ہے جب کبھی اس کا پانی ختم ہو جاتا ہے۔

وان اسد شکا جبنا اعار فؤاد الاسدا

(ترجمہ) اگر کسی شیر کو بزدلی کی شکایت ہو جائے تو شیر کو اپنا دل مانگا ہوا دیدتا ہے تو کہنے لگا کہ اس شعر کے کہنے والے نے غلطی کی۔ میں نے کہا کیسے؟ تو

کہنے لگا تو نہیں سمجھا۔ جب ممدوح نے اپنا کرم بادل کو دے دیا تو وہ بغیر دل کے رہ گیا۔ یعنی اس حالت میں ممدوح کو کرم اور شجاعت سے عاری ثابت کیا گیا ہے۔ تو یہ شعر بجائے مدح کے ذم بن گیا۔ میں نے کہا پھر کیا کہا جانا چاہیے۔ تو یہ شعر کہے ؎

علّم الغیث البندی فاذیٰ ماوعاہ علم الباس الاسد

(ترجمہ) (ممدوح نے) بادل کو جود و کرم سکھایا تو بادل نے اسکو خوب محفوظ کرلیا تو شیر کو بہادری سکھائی۔

فاذا الغیث مقرٌّ بالندیٰ واذا اللیث مقرٌّ بالجلد

(ترجمہ) پھر تو بادل جود و عطا کا مخزن بن گیا۔ اور شیر دلیری کا مستقر بن گیا۔

میں نے ان اشعار کو لکھ لیا اور واپس آگیا۔ پھر دوسرے دن میرا گزر اسی جگہ سے ہوا تو وہ پھر ہاتھ میں پتھر لیے ہوئے نکل آیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے مجھے ابھی مار دے گا۔ تو میں نے پھر اس سے (پہلے کی طرح) بچاؤ کیا تو ہنسنے لگا۔ اور بولا شیخ کے لیے مرحبا۔ میں نے کہا آپ کے لیے بھی مرحبا بولا مبرّد کی مجلس سے آرہے ہو۔؟ میں نے کہا جی ہاں! تو پھر پوچھا۔ آج کیا شعر سُنایا؟ میں نے یہ شعر پڑھے:

ان السماحۃ والمروٗۃ والندیٰ قبر یمر علی الطریق الواضح

(ترجمہ) بے شک سخاوت اور مروّت اور بخشش ایک قبر میں مدفون ہیں جو ایک کھلے ہوئے راستہ میں تیری گزرگاہ پر ہے۔

فاذا مررت بقبرہٖ فاعقر بہ کوم الجباد وکل طرف سابح

جب تو اس کی قبر سے گزرے تو اس کے صدقہ کے لیے ذبح کر ڈال اونچے کوہان والے اُونٹوں کے گلے کو اور ہر اصیل تیز رفتار گھوڑے کو۔

تو کہنے لگا کہ اس شعر کے کہنے والے نے غلطی کی۔ میں نے کہا کیسے ؟ تو بولا افسوس ہے تجھ پر اگر تو نے خراسان کا اُونٹ بھی ذبح کر ڈالا تب بھی تو اس کے حق سے بری الذمہ نہیں ہوا۔ میں نے کہا، پھر کیا کہنا چاہیے تھا۔ تو یہ شعر کہے ؎

احملانی ان لم یکن لکما عقر الیٰ جنب قبرہٖ فاعقرانی

(ترجمہ) مجھے ہی اس کی قبر کے پاس اٹھالے جاؤ اگر تمھارے پاس کوئی جانور صدقہ کے لیے نہ ہو تو مجھے ہی ذبح کر دو۔

وانضحا من دمی علیہ فقد کا ن دمی من فداہ لو تعلمان

(ترجمہ) اور میرا خون اس پر چھاور کر دو۔ کاش تم جان سکو کہ میرا خون اسی کی بخشش سے ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ جب میں پھر مبرّد کے یہاں گیا تو میں نے ان کو پورا واقعہ سنایا تو کہنے لگا کہ تم ان کو پہچانتے ہو ؟ ــــ میں نے کہا کہ نہیں! تو کہنے لگے کہ وہ خالد الکاتب ہیں۔ جب مینگن پیدا ہونے کا وقت آتا ہے تو ان پر سَوداکا اثر غالب آجاتا ہے۔

(۵) • علی بن الحسین الرازی نے بیان کیا کہ دس آدمی ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے بہلول کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ آج بہلول کو چھیڑیں گے۔ بہلول نے بھی ان کی گفتگو سن لی۔ ان کے پاس گیا تو انھوں نے کہا، ــــ اگر تم اس درخت کی چوٹی تک چڑھ جاؤ تو ہم تمھیں دس درہم دیں گے۔ کہنے لگا، اچھا۔ (دلاؤ) انھوں نے دس درہم دیے۔ اس نے آستین میں ڈال لیے۔ پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ لاؤ سیڑھی انھوں نے کہا کہ یہ تو شرط میں داخل نہیں تھا ــــ بہلول نے کہا کہ میری شرط

میں تھا تمہاری شرط میں نہیں تھا

• (۶) کہتے ہیں کہ امیر کوفہ کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس کو اتنا رنج ہوا کہ اس نے کھانا بھی چھوڑ دیا، تو اس کے یہاں بہلول پہنچے اور اس سے کہا یہ غم کیسا ہے؟ کیا تم خدا کی اچھی اور صحیح اعضا کی مخلوق پیدا ہونے اور ربّ العالمین کے عطیے سے گھبرا گئے کیا اس سے خوش ہو جاتے کہ لڑکی کے بجائے لڑکا پیدا ہوتا (یہ بھی ہو سکتا تھا کہ بڑا ہو کر) وہ مجھ جیسا ہوتا۔ وہ خوش ہو گیا۔

• (۷) ایک روز بہلول بچوں سے گھبرا کر ایک گھر کی طرف دوڑے۔ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا تو اندر گھس گئے۔ صاحبِ خانہ کھڑا ہوا تھا جس کے بال دو چوٹیوں کی صورت میں (دائیں بائیں لٹکے ہوئے) تھے۔ وہ چلایا اور کہا گھر میں کیوں گھسے چلے آرہے ہو؟ تو بولے یَاذَاالْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ۔ (ترجمہ) اے ذوالقرنین (یہ اس کی دونوں چوٹیوں کی طرف اشارہ ہو گیا) یاجوج وماجوج نے (اس سے بچے مراد لیے) زمین میں فساد مچا رکھا ہے۔

• (۸) ایک مرتبہ بچوں نے بہلول پر حملہ کیا تو وہ ایک گھر میں گھس گئے صاحبِ خانہ نے کھانا منگا لیا۔ بچوں نے دروازے پر شور مچانا شروع کر دیا۔ اور وہ کھا رہے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ۔ (ترجمہ) پھر ان فریقین کے درمیان میں ایک دیوار قائم کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ بھی ہوگا اس کے اندرونی جانب میں رحمت اور بیرونی جانب کی طرف عذاب ہوگا!

• (۹) ایک شخص کا انتقال ہوا تو بہلول سے پوچھا گیا کہ اس نے ایک لڑکا

اور ایک لڑکی اور بیوی چھوڑی۔ اور مال کچھ نہیں چھوڑا تو ترکہ کی تقسیم کیسے ہوگی بہلول نے کہا کہ اس طرح کہ بیٹے کے حصہ میں یتیمی اور بیٹی کے حصہ میں رونا پیٹنا، اور بیوی کے حصہ میں ویرانی۔ اور جو باقی رہے وہ عصبات کا حق ہوگا۔

(۱۰) • بہلول اور علیان (دونوں دیوانے) موسیٰ بن مہدی کے یہاں پہنچے (موسیٰ ہادی بن مہدی اپنے باپ کے بعد خلیفہ ہوا اسکے انتقال کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ہارون رشید خلیفہ ہوا تھا) تو موسیٰ نے علیان سے کہا۔ علیان کے کیا معنیٰ ہیں؟ علیان نے کہا موسیٰ کے کیا معنیٰ ہیں؟ تو موسیٰ نے غصہ سے کہا پکڑو اس بدکار کے بچے کو، تو علیان نے بہلول کی طرف متوجہ ہوکر کہا اس کو بھی ساتھ لے لے پہلے ہم دو تھے اب تین ہوگئے۔

(۱۱) • قبیلہ بنی اسعد میں ایک مجنون تھا۔ ایک مرتبہ اس کا گزر قبیلہ بنی تیم اللہ میں ہوا تو لوگوں نے وہاں اس کے ساتھ بہت چھیڑ چھاڑ کی اور تکلیف پہنچائی تو اس نے کہا اے بنی تیم اللہ میرے علم میں تم سے زیادہ خوش قسمت دنیا میں کوئی نہیں، ان لوگوں نے کہا کیسے؟ تو کہنے لگا بنی اسد میں میرے علاوہ کوئی مجنون نہیں ہے۔ اور ان لوگوں نے میرے بیڑیاں ڈال دیں اور مجھے زنجیروں سے جکڑ دیا۔ اور تم لوگ سب کے سب مجنون ہو، مگر تم میں کوئی زنجیروں میں جکڑا ہوا نہیں ہے۔

(۱۲) • ایک مجنون کا گزر ایک معتزلی پر ہوا جو مناظرہ کر رہا تھا۔ اس سے مجنون نے کہا کہ کیا تو اس بات کا قائل ہے کہ تجھے پورا اختیار حاصل ہے دو کاموں کے درمیان اگر تو چاہے تو ایک کو کرے اور دوسرے کو چھوڑ دے؟ اس نے کہا ہاں۔ مجنون نے کہا تو پیشاب روک کر اپنا اختیار دکھا۔ لوگ اسکی اس بات سے حیران رہ گئے۔

• ابو محمد بن عجیف نے کہا کہ ایک مجنون میرے پاس آیا تو میں نے کہا کہ اے
(۱۴) مجنون! اس نے کہا اور تو صاحب عقل ہے؟ میں نے کہا ہاں! کہنے لگا ہم
دونوں مجنون ہیں مگر میرا جنون ظاہر ہے اور تیرا چھپا ہوا ہے۔ میں نے کہا اپنے
کلام کی وضاحت کرو۔ کہنے لگا میں کپڑے پھاڑتا ہوں اور پتھر پھینکتا ہوں اور تو
ایسے گھر بناتا ہے جو ناپائدار ہیں۔ اور تو بڑی لمبی امیدیں قائم کر رہا ہے حالانکہ
تیری زندگی تیرے قبضہ میں نہیں ہے۔ اور تو اپنے دوست کا نافرمان اور دشمن کا
فرماں بردار ہے۔

• ایک شخص نبوت کا دعویدار ہوا۔ کہنے لگا کہ میں نوح ہوں۔ تو اسکو
(۱۵) پھانسی دی گئی۔ ادھر سے ایک مجنون کا گزر ہوا کہنے لگا کہ اے نوح
تو اپنی کشتی سے صرف بے کار کھجور کے تنے ہی تک پہنچ سکا۔

• بلال ابن ابی بردہؒ نے ابی علقمہ مجنون کو بلانے بھیجا۔ جب وہ آگیا تو
(۱۶) اس سے کہا کیا تجھے پتہ ہے کہ تجھے میں نے کیوں بلایا ہے کہ ہم تجھ سے
ہنسیں۔ علقمہ نے کہا (دونوں حکم میں سے ایک نے بھی اپنے ساتھی کے ساتھ
ہنسی کی کہ۔ یہ ان کے دادا ابو موسیٰ پر تعریض کی۔ (حضرت علیؓ، حضرت عثمان رضؓ
کی خلافت کے فیصلہ کے لیے حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عمرو بن العاص حکم
بنائے گئے تھے)

❖ ❖ ❖
❖

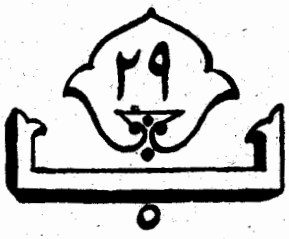

فہم و فراست والی نیک بیبیوں کے واقعات کے بیان میں

(۱) ہشام ابن عروہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر آپ کسی وادی میں جائیں جس میں درخت تو ایسے ہوں جن کا ایک حصہ چر لیا گیا ہو تو آپ کس درخت پر چرنے کے لیے اپنے اونٹ چھوڑیں گے آپؐ نے فرمایا اس پر جس میں سے نہیں چرا گیا۔ وہ اس طرف اشارہ کر رہی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے ان کے اور کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کی تھیں۔

(۲) • قاسم بن محمد حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں جایا کرتے تھے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لیا کرتے تھے تو ایک مرتبہ قرعہ عائشہ رضؓ اور حفصہ رضؓ کے نام نکلا تو۔ وہ دونوں آپ کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو سفر میں چلتے تھے ان سے باتیں کرتے رہتے تھے

(ایک دن) حضرت حفصہؓ نے عائشہ رضؓ سے کہا، تم میرے اونٹ پر سوار ہو جا اور میں تیرے اونٹ پر بیٹھ جاؤں گی۔ اس طرح تو بھی دیکھتی رہے گی اور میں بھی

دیکھتی رہوں گی۔ انھوں نے اس کو منظور کرلیا۔ عائشہؓ حفصہؓ کے اونٹ پر بیٹھ گئی اور حفصہؓ عائشہؓ کے اونٹ پر۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہؓ کے اونٹ کی طرف آئے جس پر حفصہؓ بیٹھی تھیں تو آپؐ نے سلام کیا اور ان کے ساتھ سفر شروع کر دیا۔

پڑاؤ کرنے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو نظر نہ آئے تو انہیں جوشِ غیرت پیدا ہوا۔ جب اُتر گئیں تو اپنے پاؤں اذخر میں داخل کرتی تھیں اور یہ کہتی تھیں اے اللہ! مجھ پر کوئی بچھو مسلط کر دے جو میرے کاٹ لے۔ تیرے رسولؐ سے تو مجھے کچھ کہنے کی طاقت نہیں۔

(تنبیہ) ایسی باتوں سے ان اُمہات المومنینؓ کے تقدس پر کلام نہیں کیا جاسکتا۔ چند باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ حضرت عائشہؓ اور دوسرے مسلمانوں کی مائیں انسان کے صنف سے تھیں اور جو جذبات قدرتی طور پر انسانوں میں ہوتے ہیں ان میں بھی تھے یہ فرشتوں کی قسم میں سے نہیں تھیں، ہر ایک عورت کا حق ہے کہ وہ اپنے شوہر سے محبت کرے جو اس کے لیے جائز ہے۔ تو ان کو بھی وہی حق پہنچتا ہے اور محبت میں غیر اختیاری طور پر ایسی حرکات سرزد بھی ہو جاتی ہیں جو ایسے وقت میں جب محبت کا غلبہ نہ ہو تو خود صاحب حال بھی ان سے شرما جاتا ہے۔ حضورؐ کی مفارقت سے بیتاب ہو کر حضرت عائشہؓ سے بھی ایسا ہی فعل سرزد ہونا اسی غلبۂ حال کا نتیجہ تھا۔ پھر نوعمری کا زمانہ ملحوظ رہنا چاہیے جس میں زیادہ تر غیر سنجیدہ حرکات ہی کا صدور ایک طبعی امر ہے۔

اور حضرت عائشہؓ نے اپنا قصہ اسی امر کے اظہار کے لیے ذکر فرمایا کہ

بچپن میں انسان پر ایسی حالتیں بھی آجاتی ہیں جیسی کہ مجھ پر آئی تھیں۔ اس کے بعد فیضانِ محمدیؐ سے مستفیض ہونے کی وجہ سے وہ زمانہ بھی آیا کہ آپ ایثار و کرم کا مجسمہ بن گئیں۔ آپ کا دولت کدہ مسلمانوں کی تہذیب اخلاق کا ایک مستقل مدرسہ تھا جس میں آپ پسِ پردہ بیٹھ کر تمام عمر اصلاحِ امت میں مشغول رہیں۔

(۳) • عبداللہ بن مصعب سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن الخطابؓ نے (ایک عام اجتماع سے جس میں پسِ پردہ عورتیں تھیں تھیں) فرمایا کہ عورتوں کے مہر کو چالیس اوقیہ سے آگے نہ بڑھاؤ اگرچہ ذی الفصہ کی بیٹی ہو۔ (ذی الفصہ سے یزید بن الحصین صحابی عارثی مراد ہیں) اور اگر کسی نے اس سے بڑھایا تو جتنا چالیس اوقیہ سے زیادہ ہوگا میں وہ لے کر بیت المال میں داخل کردوں گا تو ایک دراز قد عورت نے جس کی ناک دبی ہوئی تھی۔ عورتوں کی صف میں سے کہا اس کا تمھیں اختیار نہیں۔ عمرؓ نے فرمایا کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لیے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (ترجمہ) اور تم نے ان (بیویوں میں سے کسی کو ایک انبار مال بھی دیا ہو تو اس میں کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم اس سے کوئی بہتان لگا کر واپس لوگے اور کھلا ہوا گناہ کرکے) یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورت حق پر پہنچ گئی۔ اور مرد سے خطا ہوگئی۔

(۳) • محمد بن معین الغفاری سے روایت ہے کہ ایک عورت عمر بن الخطاب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا اے امیر المومنین! میرا شوہر دن کو روزے رکھتا ہے اور رات بھر نفلیں پڑھتا ہے اور مجھے اس کی شکایت کرنا بھی اچھا نہیں لگتا کہ وہ اللہ کی اطاعت کر رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے

فرمایا تیرا شوہر بہت اچھا ہے۔ وہ عورت جب اپنی بات کو دہراتی تھی تو آپ اپنا وہی جواب دہرایا کرتے تھے۔ تو آپ سے کعب الاسعدی نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! یہ عورت شکایت کر رہی ہے کہ اس کا شوہر اس سے ہم بستری نہیں کرتا۔ تو حضرت عمرؓ نے کعبؓ سے فرمایا چونکہ تم نے اس کا رد سخن سمجھا اب دونوں کے درمیان فیصلہ تم ہی کرو گے۔ تو کعبؓ نے کہا کہ اس کے شوہر کو میرے پاس لایا جائے۔ جب وہ لایا گیا تو اس سے کہا تیری اس زوجہ کو مجھ سے شکایت ہے۔ اس نے کہا کھانے میں یا پینے میں؟ انھوں نے کہا نہیں، تو عورت نے کہا:

(اور اس نے اشعار میں اپنا دعویٰ قاضی کے سامنے پیش کیا)

یا ایھا القاضی الحکیم ارشدہ انّ ھٰذی خلیلی عن فراشی مسجدہ

(ترجمہ) اے قاضی دانا اس کو ہدایت کیجیے۔ میرے پیارے کو میرے بستر سے اس کی مسجد (عبادت) کے شوق نے غافل کر دیا۔

زھدہ فی مضجعی تعبّدہ نھارہ ولیلہ ما یرقدہ

(ترجمہ) میری آرام گاہ سے اس کو کنارہ کش کر دیا۔ اس کی عبادت نے جو دن میں رات میں اس کو آرام کرنے نہیں دیتی۔

ولست فی امر النساء احمدہ

(ترجمہ) اور میں عورتوں کے (حق) کے معاملہ میں اس کی تعریف نہیں کر سکتی۔

یہ سنکر اس کے شوہر نے کہا (یہ بطور جواب دعویٰ کے ہے)

زھدت فی فراشھا او فی الحجل انی امرءٌ اذھلنی قد نزل

(ترجمہ) بے شک میں اس کے بستر سے یکسو رہا اور اس کے تخلیہ سے (مگر میں مجبور ہوں) کیوں کہ میں ایسا شخص ہوں کہ مجھے بھلا دیا ان احکام نے جو نازل

ہوئے۔

فی سورۃ النمل و فی السبع الطول
وفی کتاب اللہ تخویف جلل

(ترجمہ) سورۂ نمل اور سبع طوال (سورہ بقرہ کی سات سورتیں) اور کتاب اللہ میں (عذاب سے) جو عظیم الشان خوف دلایا ہے۔

تو کعبؓ نے کہا (انھوں نے بھی منظوم فیصلہ سنایا)

إِنَّ لَهَا حقًّا عليك يا رجل تصيبها في اربع لمن عقل

(ترجمہ) اے شخص تجھ پر اس کا حق ہے کہ صاحبِ عقل کے نزدیک تو اس سے چار دن میں ایک مرتبہ ہم بستر ہو۔

فاعطها ذاك ودَعْ عنك العلل

(ترجمہ) تو اس کا یہ حق اس کو دے اور حیلے بہانے چھوڑ۔

پھر کہا۔ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے تیرے لیے دو دو تین تین چار چار عورتوں کو۔ اس لیے تیرے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں جن میں تو اپنے رب کی عبادت کرتا رہے اور اس عورت کے لیے ایک دن اور ایک رات۔

یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا واللہ! میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ تمہاری ان دونوں باتوں میں کون سی زیادہ عجیب ہے (اس عورت کے اشارات سے زوجین کے اختلاف کو سمجھ جانا یا فیصلہ جو تم نے ان دونوں کے درمیان (کتاب اللہ سے استنباط کر کے) صادر کیا۔ جاؤ میں تمھیں بصرے کے لیے عہدۂ قضا دیتا ہوں۔

(۴) عبداللہ بن الزبیرؓ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت

کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ جانے کا ارادہ کیا اور ابوبکرؓ آپؐ کے ساتھ تھے تو وہ اپنے ساتھ کُل مال جو پانچ یا چھ ہزار درہم کا تھا اٹھا لے گئے تو میرے پاس میرے دادا ابو قحافہ آئے اور وہ نابینا ہو گئے تھے کہنے لگے کہ میں اس کو (یعنی ابوبکرؓ کو) دیکھتا ہوں کہ واللہ! اس نے اپنی جان کے ساتھ اپنے مال کو لے جا کر بھی تم کو دکھ دیا ہے۔ میں نے کہا، اے ابا جان! ہرگز نہیں، انھوں نے ہمارے لیے بہت مال چھوڑا ہے۔ اور اسماء نے کچھ پتھر کے ٹکڑے اٹھا کر ان کو گھر کے ایک طاق میں رکھ دیے۔ جہاں ابوبکرؓ اپنا مال رکھتے تھے۔ اور پتھر کے ٹکڑوں پر ایک کپڑا ڈھک دیا تھا۔ اسماء کہتی ہیں پھر میں ابو قحافہ کے پاس گئی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر کپڑے پر رکھ دیا اور ان سے میں نے کہا کہ ابوبکرؓ نے ہمارے لیے یہ چھوڑا ہے تو انھوں نے کپڑے کو اوپر ہی ٹٹول کر دیکھا۔ پھر بولے۔ جب وہ تمھارے لیے یہ چھوڑ گئے تو بہتر ہے۔ واللہ! ہمارے لیے انھوں نے کچھ بھی نہ چھوڑا تھا (نہ کم نہ زیادہ)

• اصمعی نے بیان کیا کہ ایک عورت حاتم بن ابی بکر کے پاس آئی اور (۵) ان سے کہا:

اتیتك من بلاد شامعة ترفعنی	میں آپ کے پاس ایسے شہروں سے
رافعة تخفظی خافضة:	آئی ہوں جو یہاں سے بہت دور ہیں
لمُلمّات من الامور حللن بی	کبھی مجھے اونچے ٹیلوں پر چڑھنا
قدرین لحمی وهن عظمی	پڑا اور کبھی نشیبی زمینوں میں اترنا پڑا
وترکننی والهة کالحریض	مصیبتوں کی وجہ سے جو مجھ پر نازل
قد ضاق بالی البلد العریض	ہوئیں جنھوں نے میرا گوشت کاٹ
هلك الوالد وغاب الوافد	ڈالا اور ہڈیاں گھلا دیں اور مجھکو

وعدم الطارف والتالد فسالت فی احیاء العرب عن المرجو سیبہ المحمود نائلہ الکریم شمائلہ فدالت علیك وانا امرأۃ من ھوازن فافعل بی احدی ثلاث اما ان تقیم اودی واما ان تحسن صفدی واما ان تردنی الی بلدی۔

پاگل بنا دیا جیسا کہ نیم مردہ پڑا ہوا ہوں مجھ پر بڑے شہر تنگ ہو گئے۔ والد ہلاک ہو گئے اور ساتھ چلنے والا یعنی شوہر بھی نہ رہا۔ اور نیا مال پرانا ہو گیا۔ تو میں نے عرب کے قبائل سے سوال کیا۔ ایسی ذات کے سلسلہ میں جس کی داد و دہش کی امید کی جا سکے اور جس کی عطا مستوجب شکر ہو جو بزرگ خصائل ہو تو مجھ کو آپ کا نام بتایا گیا اور میں

قبیلہ ہوازن کی ایک خاتون ہوں تو آپ میرے ساتھ تین باتوں میں سے ایک بات ضرور کیجیے۔ یا میرے دل کی کجی دور کر دیجیے۔ یا میرے ساتھ عطا حسن کا معاملہ کیجیے اور یا مجھے میرے شہر میں واپس بھیج دیجیے۔

یہ سن کر حاتم بن عبداللہ نے کہا ہم محبت اور عزت کے ساتھ تمہاری تینوں خواہشوں کو پورا کریں گے۔

(۶) اصمعی سے منقول ہے کہ ایک اعرابی عورت کا لڑکا مر گیا تو وہ مستقل روتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے رخساروں پر آنسوؤں نے نشان ڈال دیے۔ پھر (جب اس کو کچھ سکون ہوا تو) اس نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا اور یہ دعا کی کہ اللہ تو جانتا ہے کہ والدین کو اپنی اولاد سے کتنی زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اسی بنا پر تو نے ماں باپ کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنی اولاد کی خدمت کیا کریں اگر وہ تو اپنی محبت کی وجہ سے خدمت کرنے پر

خود ہی مجبور ہیں) اور آپ کو معلوم ہے کہ اولاد والدین کی نافرمانی بھی کرتی ہیں اس لیے آپ نے اولاد ہی کو والدین کی فرمانبرداری کی رغبت دلائی۔

اے اللہ! میرا لڑکا اپنے والدین کا اس قدر خدمت گزار تھا جتنی کہ والدین اپنی اولاد کے لیے ہوتے ہیں تو میری طرف سے تو اس کو بہتر جزا اور رحمت عطا فرما۔ اور اس کو سرور اور تازگی سے ہم کنار کر۔

یہ سنکر اس اعرابی نے کہا تو نے اچھی دعا کی ہے اس کے لیے اگر تو اسکو بے فائدہ آہ وزاری سے آلودہ نہ کرتی تو اس نے جواب دیا کہ مجبوریوں پر اختیاری افعال کا حکم جاری نہیں ہوا کرتا۔ اور میرا گریہ وبکا کو بند کر دینے پر قادر ہوتا غیر ممکن ہے اور اس سے رک جانا میری قدرت سے باہر تھا اور اللہ اپنے فضل سے میرا عذر قبول کرنے والا ہے۔ کیوں کہ اس بزرگ و برتر اللہ نے فرمایا ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (ترجمہ) تو جو شخص بے اختیار ہو جائے بغیر سرکشی اور حد سے گزر جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ مغفرت کرنے والا اور رحمت کرنیوالا ہے۔

(۷) ابوالحسن المدائنی نے ذکر کیا کہ ایک دن عمران بن حطان اپنی بیوی کے پاس آیا۔ اور عمران بہت بدصورت بھدا اور پستہ قد تھا۔ وہ ایک خوبصورت عورت تھی اور سنگار کیے بیٹھی تھی۔ جب عمران کی نظر اس پر پڑی تو وہ حسن وجمال میں اور بھی زیادہ حسین نظر آئی وہ اس کو بے اختیار تکتا رہا بیوی نے پوچھا کیا بات ہے؟

تو عمران نے کہا: کہ واللہ! آج اس صبح کے وقت تو بہت حسین اور اور پیاری دکھائی دے رہی ہے۔ تو بیوی نے کہا کہ بشارت ہو، میں اور تم دونوں جنتی ہیں۔ عمران نے کہا۔ تجھے کیسے معلوم؟ اس لیے کہ تجھے مجھ جیسی

عورت ملی اس پر تو نے اللہ کا شکر ادا کیا اور میں تجھ جیسے کے ساتھ مبتلا ہوئی تو میں نے صبر کیا۔ اور صابر اور شاکر دونوں جنت میں جائیں گے۔

• مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمران بن حطان ایک خارجی تھا (۸) اور اس خبیث نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قتل کردینے پر عبدالرحمٰن بن ملجم ملعون کی مدح میں یہ اشعار کہے تھے ؎

یاضربۃ من تقی ما اراد بھا الا لیبلغ من ذی العرش رضوانا

ترجمہ: ایک متقی شخص کی کیسی اچھی ضرب تھی جس کو لگانے سے اس کی نیت صرف یہ تھی کہ اللہ صاحب عرش کی رضا حاصل کرے۔

انی لاذکرہ یومًا فاحسبہ اوفی البریۃ عند اللہ میزانًا

(ترجمہ) میں جب اس کو یاد کرتا ہوں کہ اس کا عمل اللہ کی تمام مخلوق سے زیادہ وزن میں بھاری ہے۔

اکرم بقوم بطون الارض اقبرھم لم یخلطوا دینھم بغیًا وعدوانًا

(ترجمہ) کیسی بزرگ قوم تھی جن کی قبریں زمین کے پیٹ میں بنی ہوئی ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے دین کی بغاوت اور سرکشی سے مخلوط نہ ہونے دیا۔

جب یہ ابیات قاضی ابو طیب طبری نے سنے تو انھوں نے فی البدیہہ اس کے جواب میں یہ شعر کہے ؎

انی لاجرأ مما انت قائلہ علی ابن ملجم الملعون بھتانًا

(ترجمہ) میں اس جھوٹ اور غلط رائے سے جس کا تو ابن ملجم ملعون کے حق میں قائل ہے۔ بیزاری کا اظہار کرتا ہوں ؎

انی لاذکرہ یومًا فالعنہ دینًا واللعن عمرانًا وخطانًا

(ترجمہ) میں جس دن اس کو یاد کرتا ہوں۔ اس پر لعنت بھیجتا ہوں۔ دین

سمجھ کر اور عمران پر بھی لعنت بھیجتا ہوں اور حظان پر بھی۔

عَلَیْکَ ثُمَّ عَلَیْہِ الدھر متصلا لعائن اللّٰہ اسرارًا واعلانًا

(ترجمہ) تجھ پر اور اس پر رہتی دنیا تک لگاتار ظاہر اور پوشیدہ طور پر لعنتیں پڑتی رہیں۔

فانتم من کلاب النار جاء بہ نص الشریعۃ تبیانًا وبرھانا

(ترجمہ) تم لوگ دوزخ کے کتے ہو۔ اس پر شریعت کی نص وارد ہوئی ہے یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے اور دلائل سے ثابت ہے۔

ابو طیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کیا کہ خارجی لوگ دوزخ کے کتے ہیں۔

• اسحٰق بن ابراہیم موصلی نے بیان کیا کہ مجھے ابو المشیخ نے یہ واقعہ سنایا (۹) کہ کثیر نے عزہ کی جستجو میں ایک سفر کیا اور اس کے ساتھ ایک پانی کا مشکیزہ تھا جب اس کو پیاس کا غلبہ ہوا تو اس نے مشکیزہ کو کھولا تو وہ بالکل خالی تھا۔ اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا (اب اس کو پانی کی تلاش ہوئی) تو ادھر کا قصد کیا تو اس نے دیکھا کہ اس آگ کے قریب ایک سائبان ہے جس کی چہار دیواری میں ایک بوڑھی عورت ملی اس نے کثیر سے کہا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں کثیر ہوں، کہنے لگی کہ مجھے تو تجھ سے ملنے کی آرزو تھی۔ میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جس نے تجھے مجھ سے ملا دیا۔ کثیر نے کہا کہ مجھ سے ملنے کی تمنا کا کیا باعث تھا؟ اس نے کہا کہ کیا یہ شعر تو نے نہیں کہے۔

اذا ما اتینا خلۃ کی نزیلھا ابینا وقلنا الحاجبیۃ اول

(ترجمہ) جب ہم کبھی کسی (دوست صاحبہ) حاجت کے پاس پہنچتے ہیں کہ اس کو پورا کریں تو انکار کر دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حاجبیہ قبیلہ والی (عزہ سے

ملنا) مقدم ہے۔

سنولیک عرفان ان اردت وصالنا

ونحن لتلک الحاجبلیۃ اوصل

(ترجمہ) ہم تجھ سے رسمی محبت تو کر سکتے ہیں اگر تو ہم سے وصال کا ارادہ رکھتی ہے اور ہم تو درحقیقت وصال کی خواہش اسی حاجبیہ سے رکھتے ہیں۔ کثیر نے کہا ہاں یہ اشعار میرے ہی ہیں۔ بولی، تو نے اس طرح کیوں نہ کہے جیسا کہ تیرے جمیل نے کہے تھے ؎

یاربَّ عارضۃ علینا وصلہا

بالجدّ یخلطہٗ بقول الھازل

(ترجمہ) بہت سی عورتیں کوشش کے ساتھ اپنے سے وصال کے لیے ہمارے پاس آتی ہیں۔ اور ہنسی مذاق سے مخلوط کر کے (اپنی محبت کا اظہار کرتی ہیں)

فاجبتہا بالقول بعد تاملٍ

حُبّی بثینۃ عن وصالک شاغلی

(ترجمہ) تو میں تامل کے بعد ان کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ تیرے وصال سے جو شئی مانع ہے وہ ثبینہ کی محبت ہے)

لوکان فی قلبی کقدر قلامۃٍ

فضلاً لغیرک ما اتتک رسائلی

(ترجمہ) اے ثبینہ! اگر میرے دل میں ایک ناخن کے برابر بھی تیرے غیر کے لیے گنجائش ہوتی تو میرے پیغامات (محبت) تیرے پاس نہ آتے۔

کثیر کہتا ہے کہ میں نے کہا یہ قصہ چھوڑ اور مجھے پانی پلا دے اس نے کہا، کہ واللہ! میں تجھے پانی نہیں پلا سکتی۔ میں نے کہا تجھ پر افسوس ہے۔ پیاس کی شدّت مجھے ستا رہی ہے۔

بولی کہ شبینہ نوحہ کرے اگر میں لالچ سے اپنے پاس سے ایک قطرہ پانی کا بھی روکوں۔ یہ سُن کر کثیر نے پھر کوئی بات نہ کی اور اس کی صرف یہی کوشش ہوئی کہ اپنی سواری پر چڑھ گیا اور پانی کی جستجو میں چل دیا۔ اور نصف دن سے پہلے پانی تک پہنچ سکا اور پیاس اس کو مارے ڈالتی تھی۔

---

(۱۰) • ذوالرمہ کوفہ پہنچا تو دورانِ سفر میں کہ جب وہ اپنے اصیل گھوڑے پر سوار ہو کر کوفہ کی سڑک پر جا رہا تھا کہ اس نے سیاہ رنگ کی ایک لڑکی دیکھی جو ایک گھر کے دروازے پر کھڑی تھی تو وہ اس کو بہت خوب صورت معلوم ہوئی اور اس کے دل میں اتر گئی۔ وہ اس کے قریب پہنچا۔ اور کہا اے لڑکی مجھے پانی پلا دے تو وہ ایک برتن میں اس کے لیے پانی لائی جو اس نے پی لیا پھر اس کے ساتھ کچھ چھیڑ چھاڑ کا ارادہ کیا۔ اور چاہا کہ یہ کچھ بولے۔ تو بولا لڑکی تیرا پانی بہت ہی گرم تھا۔ تو اس نے کہا کہ اگر (آپ مجھ سے بات کرنا چاہتے) ہیں تو آپ کے اشعار کے عیوب میں آپ کے سامنے بیان کر دوں اور اپنے پانی کے گرم اور ٹھنڈا ہونے کا قصہ ایک طرف ڈالوں۔ تو اس نے کہا کہ میرا کون سا شعر ہے جس میں عیب ہے۔ تو لڑکی نے کہا کہ کیا آپ ذوالرمہ نہیں ہیں؟ ذوالرمہ نے کہا، بے شک۔ پھر بولی:

فانت الذی شبهت عنزا بقفرة لها ذنب فوق استها امّ سالم

(ترجمہ) تو وہ ہے جس نے (اپنی محبوبہ) اُمّ سالم کو ایک بکری سے تشبیہ دی جو چٹیل میدان میں کھڑی ہو۔ اس کی سُرین پر دُم بھی لگی ہوئی ہے۔

جعلت لها قرنین فوق جبینها وطیسین مسودّین مثل المحاجم

(ترجمہ) تو نے اس کے لیے دو سینگ بھی تجویز کر دیے جو اس کی پیشانی پر لگے ہوئے ہیں اور دو سیاہ رنگ کی چیزیں بالکل کالی جیسے سینگیں ہوتی ہیں۔

وساقین ان یستمکنا منك یترکا بجلدك یاغیلان مثل المائم

(ترجمہ) اور (اس کے لیے) ایسی دو ساق (بھی تجویز کر دی ہیں) کہ اگر تیرے دو لتیں جما دے تو اے مست تیری کھال کو ایسی چھوڑے جیسے کسی سزا میں (مجرم کی ہو جاتی ہے۔

اباظبیة الوعساء بین جلاجل وبین النقا أنت أمّ أمّ سالم

(ترجمہ) تو اب تو یہ بتا) جلاجل اور نقا، کے درمیان والی سبزہ زار کی ہرنی (تیرے قول اباظبیة الوعساء بین جلاجل والنقاء میں) تو ہے۔

یا اُم سالم! ذوالرمہ نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں تو یہ میرا گھوڑا مع اس کے سب سامان کے رکھ لے۔ مگر اس کو کسی کے اوپر ظاہر نہ کرنا۔ اور گھوڑے سے اُتر کر اس کو اس لڑکی کی طرف بڑھا دیا اور رخصت لے کر چلنے لگا تو لڑکی نے گھوڑے کو واپس کر دیا اور وعدہ کیا کہ جو کچھ معاملہ پیش آیا وہ اسکو کسی سے نہ کہے گی۔

(۱۱) زہیر بن حسن، مولیٰ ربیع بن یونس سے روایت ہے کہ حجاج بن ولید ابن عبدالملک سے ملنے آیا (اس نے (مسجد میں) دو رکعت پڑھیں۔ واپسی کے بعد ولید سوار ہو گیا۔ تو حجاج اس کے سامنے پیدل چلنے لگا۔ اس سے ولید نے

کہا کہ اے ابو محمد! تم بھی سوار ہو جاؤ۔ تو حجاج نے کہا کہ اے امیر المومنین! مجھے ایسے ہی چلنے دیجئے، میں جہاد بکثرت کرنے کا عادی ہوں (مگر کچھ سُست ہو رہا ہوں، پیدل چلنے سے سستی رفع ہو جائے گی۔ سستی اسی لیے آئی۔) کہ ابن الزبیر اور ابن الاشعث نے مجھے جہاد سے طویل عرصہ تک روکے رکھا مگر ولید نے اس کو حکم دیا کہ سوار ہو جائے تو سوار ہو گیا۔ اور ولید کے ساتھ تخلیہ میں داخل ہو گیا۔ ایسے وقت میں جب کہ حجاج باتیں کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اہلِ عراق کے ساتھ میں نے یہ کیا اور وہ کیا۔ اور ایک جاریہ آئی تو اس نے ولید سے (تخلیہ میں) کچھ کہا اور چلی گئی۔ تو ولید نے کہا اے ابو محمد! کیا آپ کو معلوم ہے کہ جاریہ نے کیا کہا۔ ولید نے بتایا اس نے یہ کہا تھا کہ مجھے آپ کے پاس ام البنین بنت عبد العزیز بن مروان نے بھیجا ہے کہ آپ کی جانشینی کیلئے اس اعرابی کے ساتھ اس حال میں کہ یہ اعرابی مسلح ہے۔ اور آپ بغیر زرہ کے سادہ کپڑوں میں ہیں۔ خطرناک ہے۔ اس نے تو لرزہ طاری کر دیا۔ اور اس نے یہ کہا کہ واللہ! اگر تمہارے ساتھ خلوت میں ملک الموت ہوتا تو میں بہ نسبت حجاج کے تخلیہ کے اس کو پسند کرتی۔ یہ وہ شخص ہے کہ جس نے اللہ کے محبوب بندوں کو اور اس کے مطیع لوگوں کو قتل کیا۔ ظلم اور جور سے۔ تو حجاج نے کہا، اے امیر المومنین! عورت صرف ایک کلی ہے۔ وہ کوئی محاسبہ کرنے والا افسر نہیں۔ اپنے رازوں پر ان کو مطلع نہیں کرنا چاہیے۔ اور ان سے ہم بستری سے زائد کوئی کام نہیں لینا چاہیے اور ان کے ساتھ ہرگز چھوٹے اور ذلیل بن کر مجلس نہ کرنی چاہئیں۔ پھر اٹھ کر چلا گیا۔ ولید رضی اللہ عنہ ام البنین رضی اللہ عنہا سے کہا میں چاہتی ہوں کہ آپ حکم دیں کہ وہ مجھے سلام کرنے کے لیے آئے پھر جب میرے اور اس کے درمیان جو بات ہوگی۔ اس کی اطلاع آپ تک پہنچ جائے گی۔

دوسرے دن حجاج ولید کے پاس پہنچا۔ ولید نے کہا! ام البنین کے پاس جاؤ حجاج نے کہا، اے امیر المومنین! مجھے اس سے معاف کیجیے۔ ولید نے کہا، تمھیں جانا ہی ہوگا۔ چنانچہ جب حجاج اس کے پاس پہنچا تو بہت دیر تک منتظر رکھا۔ پھر اس کو اجازت دی (جب وہ حاضر ہوگیا) تو اس سے کہا کہ اے حجاج تو فخر کرتا ہے۔ امیر المومنین کے سامنے ابن الزبیر اور ابن الاشعث کے قتل پر۔ یاد رکھ خدا کی قسم، اگر تو علم الٰہی میں اس کی بدترین مخلوق نہ ہوتا تو..... وہ تجھ کو ذات النطاقین (یعنی حضرت اسماء) کے بیٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مقرب صحابی (زبیر ابن العوام) کے بیٹے اور ابن الاشعث کے قتل میں مبتلا نہ کرتا۔ میں قسم کھا کر کہہ رہی ہوں کہ تجھ پر نخوت کا جنون سوار ہوگیا۔ یہاں تک کہ تو چلانے لگا۔ اور تجھ پر ہڑک اُبھرنے لگی۔ یہاں تک کہ تو بھونکنے لگا (تو اس وقت بھول گیا) اگر امیر المومنین اہل یمن میں منادی نہ کرا دیتے جب کہ تو سخت حالات کی تنگی میں پھنس چکا تھا۔ اور تجھ پر ان لوگوں کے نیزوں کے سائے پڑ چکے تھے۔ اور ان کے مقابل آکر حملہ کرنے والے تجھ پر غالب آنے ہی والے تھے۔ اور تو قید میں پھنس چکا ہوتا اور وہ چیز جس میں تیری آنکھیں لگی ہوئی ہیں کاٹ دیا جاتا (یعنی سر) اور اس بنا پر امیر المومنین کی خواتین نے اپنی چوٹیوں کی خوشبوؤں سے جھاڑ کر دے ڈالا اور ان کو بکوا دیا تھا۔ امیر المومنین کے مددگاروں کی مالی امداد کے لیے۔ اور یہ جو تو نے امیر المومنین کو اشارہ کیا ہے کہ ان کو لذات سے منقطع کرنے اور اپنی عورتوں سے صرف حاجت روائی کی حد تک تعلق رکھنے کی طرف۔ اگر وہ عورتیں (حسن سیرت اور حسن صورت) میں مثل امیر المومنین کے ہوں اور ان سے کشادہ دلی کا معاملہ کیا جائے تو

(بالکل بدیہی بات ہے) کہ تیری بات امیر المومنین کے لیے قابلِ قبول ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اگر وہ عورتیں اس درجہ کی ہوں کہ ان سے کشادہ دلی سے تعلق رکھا جائے جس درجہ کی تیری مخنون ماں تھی۔ جس کی حرارتِ غریزیہ (یعنی حرارتِ اصلی طبعی مزاج کی) ضعیف اور صورت مکروہ تھی۔ اس جیسی عورت کے تعلق کے نتیجہ میں تو پیدا ہوا تھا۔ تو اے کمینے ایسی عورتوں کے بارے میں بہت ہی مناسب تھا کہ تیری بات مان لی جاتی۔ خدا اسے قتل کرے جو کہتا ہے:

(کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ایسے جملوں سے بد دعا مقصود نہیں ہوتی)

اسد علیّ وفی الحروب نعامۃ فتخاء تنفر من صفیر الصافر

(ترجمہ) میرے اوپر شیر بن گیا اور لڑائیوں میں ڈرپوک شتر مرغ جو سیٹی بجانے والوں کی سیٹی سے بھی بھاگ جائے۔

ھلا بزرت الی غزالۃ فی الوغا وقد کان قلبک فی جناح طائر

(ترجمہ) سامنے کیوں نہیں آیا تو لڑائی میں غزالہ کے تیرا حال یہ تھا کہ تیرا دل پرند کے بازوؤں میں تھا (اڑ کر فرار ہونے پر تیار)

غزالہ ایک خارجی شبیب بن یزید الشیبانی کی بیوی تھی جو بہت بہادر تھی، اس نے کوفہ فتح کر لیا تھا حجاج اس سے شکست کھا کر بھاگا تھا۔

پھر اس نے اپنی باندی کو حکم دیا اور اس نے حجاج کو قصر سے باہر نکال دیا۔ جب وہ ولید کے پاس آیا تو ولید نے اس سے پوچھا، اے ابو محمد! وہاں کیا معاملہ پیش آیا۔ حجاج نے کہا، اے امیر المومنین! خدا کی قسم! وہ بالکل چپ ہی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ میں (اس حال میں پہنچ گیا) کہ زمین کا کشکم مجھے اچھا معلوم ہونے لگا اس کی پشت سے۔ ولید نے کہا کہ وہ عبد العزیز کی بیٹی ہے

(۱۲۱) ابن السکیت نے بیان کیا کہ محمد بن عبد اللہ بن طاہر نے حج کا ارادہ کیا تو اسکی

کنیز نے جو شاعرہ تھی آکر دیکھا تو اور جب سفر کی پوری تیاری کا مشاہدہ کیا تو وہ رونے لگی اس پر محمد بن عبداللہ نے کہا:

ومعہ کاللؤلؤ المرطب ۔۔۔ علی الخد الاسیل

(ترجمہ) اس کے آنسو تازے موتیوں کی طرح ہیں کتابی رخسار پر۔

ھطلت فی ساعۃ البین من الطرف الکحیل

(ترجمہ) لگاتار بہنے لگے جدائی کے وقت سرگیں آنکھوں سے۔

پھر محمد بن عبداللہ ظاہر نے اس سے کہا کہ اس پر شعر کہو تو اس نے اسطرح کہا:

حین ھم القمر البا ۔۔۔ ھر عنا بالاقول

(ترجمہ) جب (سب ستاروں سے زیادہ) روشن چاند نے ہم سے چھپنے کا ارادہ کیا۔

انما یقتصح العشاق فی وقت الرحیل

(ترجمہ) عاشق کوچ کے وقت ہی رسوا ہوا کرتے ہیں۔

ایوب الوزان سے روایت ہے کہ مفضل نے بیان کیا کہ ہارون رشید ۱۳۰ کے یہاں حاضر ہوا اس وقت اس کے سامنے ایک طباق میں گلاب کے پھول رکھے ہوئے تھے اور ایک خوب صورت کنیز جو شاعرہ اور ادیب بھی تھی۔ ہارون کی خدمت میں ہدیۃً پیش کی گئی تھی، بیٹھی ہوئی تھی۔ تو ہارون رشید نے کہا، اے مفضل اس گلاب کے پھول کو کسی مناسب چیز کے ساتھ تشبیہ دو تو میں نے یہ شعر کہا:۔

کانہ خد مرموق یقبلہ ۔۔۔ فم الحبیب وقد اعدی بہ خجلاً

(ترجمہ) وہ (گلاب کا پھول) اس کا رخسار ہے جس پر دزدیدہ نگاہ ڈالی جاتی ہے

(یعنی محبوب) جس کو چاہنے والے کا منہ چوم رہا ہے اور اس رخسار پر شرمندگی کی وجہ سے سرخی چھا گئی۔ پھر اس کنیز نے یہ شعر کہا ؎

کانہ لون خدّی حین یدفعنی کفّ الرّشید لامر یوجب الغسلا

(ترجمہ) گویا وہ میرے رخسار کا رنگ ہے جب مجھے ہارون رشید کی ہتھیلی نے دبالیا ہو ایسے امر کے لیے جو موجب غسل ہوتا ہے۔ تو ہارون رشید نے کہا۔ اے مفضل اٹھو اور باہر چلو۔ کیوں کہ اس چنچل نے ہمیں ہیجان میں ڈال دیا۔

(۱۴) اصمعی نے بیان کیا کہ جب رشید نے بصرہ میں آکر مکہ کے سفر کا ارادہ کیا تو میں بھی ہمرکاب ہو گیا۔ جب ضریہ پہنچے تو دیکھتا کیا ہوں کہ کنارۂ وادی پر ایک لڑکی ہے اور اس کے سامنے ایک پیالہ اور وہ یہ کہہ رہی ہے ؎

طحنتنا الحوادث الاعوام وبستنا نوائب الایام

(ترجمہ) زمانہ کی چکیوں نے ہم کو پیس ڈالا اور ایام کی سختیوں نے ہم پر تیر برسائے۔

فاتینا کمونمدّ اکفّنا لفضالات زادکم والطعام

(ترجمہ) ہم تمہارے سامنے اپنی ہتھیلیاں تمہارے بچے کچھے زاد راہ اور کھانے کے لیے پسار رہے ہیں۔

فاطلبوا الاجر والمثوبۃ فینا ایھا الزائرون بیت الحرام

(ترجمہ) اے بیت اللہ کی زیارت کرنے والو! ہماری امداد کر کے اجر و ثواب حاصل کرو۔

من رانی فقد رانی ورحلی فارحموا غربتی وذلّ مقامی

(ترجمہ) جس نے مجھے دیکھ لیا تو اس نے مجھے اور میرے جائے قیام

(اور ہر ضرورت) کو دیکھ لیا تو میری غربت اور پستی مقام پر رحم کرو۔

اصمعی کہتے ہیں کہ میں لوٹ کر امیر المومنین کے پاس آیا اور عرض کیا کہ کنارۂ وادی پر ایک لڑکی ہے اور اس کے وہ اشعار سنائے تو بہت پسند کیے۔ میں نے کہا، امیر المومنین میں اس کو آپ کے پاس لاتا ہوں۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ ہم خود اس کے پاس جائیں گے۔ چنانچہ امیر المومنین اس کے پاس جاکر کھڑے ہو گئے۔

میں نے اس سے کہا جو اشعار تو پڑھ رہی تھی وہ سُنا، تو اس نے وہ اشعار سنائے۔ اور ہارون رشید سے مرعوب نہیں ہوئی۔ انھوں نے حکم دیا کہ اے مسرور اس کے پیالے کو دینار سے بھر دے (مسرور غلام کا نام تھا) مسرور نے اس کو اتنا بھر دیا کہ پیالے سے دائیں بائیں دینار باہر گرنے لگے۔

• ابن الشیظمی کا بیان ہے کہ میں سخت قحط کے زمانہ میں بارش نہ ہونے (۱۵) کی وجہ سے پیش آیا تھا حج کے لیے گیا تو اس دوران کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میری نظر ایک لڑکی پر پڑی جو قد و قامت اور تناسبِ اعضاء کے لحاظ سے نہایت ہی موزوں اور خوب صورت تھی۔ وہ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے کہہ رہی تھی:

"اے میرے معبود! اے میرے آقا! میں آپ کی غریب بندی ہوں، اور آپ کی محتاج و بھکارن ہوں۔ میری گریہ و زاری آپ سے پوشیدہ نہیں، اور میری بدحالی آپ سے چھپی ہوئی نہیں۔ محتاجگی نے میرا پردہ توڑا اور فاقہ نے میرا نقاب ہٹا دیا تو میں نے اپنا چہرہ کھول لیا۔ جو ذلت کے وقت پژمردہ اور

سوال کے وقت ذلیل ہوتا ہے۔ قسم ہے آپ کی عزت کی سوال کا دور ایسا دراز ہو گیا کہ اب اسے نہ اپنے دورِ غنا کی آبرو اس سے مانع ہوتی ہے اور نہ وہ آبروئے حیا سوال سے بچا سکتی ہے۔ جن کو رزق عطا کیا گیا ہے ان کی ہتھیلیاں میرے حق میں بے حس و حرکت ہو گئیں اور صاحبِ اخلاق لوگوں کے سینے میرے لیے تنگ ہو گئے تو جس نے مجھے محروم رکھا میں اس کو ملامت نہیں کرتی اور جس شخص نے مجھے کچھ دیا میں اس سے بہتر جزا دینے کے لیے آپ کے اور آپ کی رحمت کے سپرد کرتی ہوں اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔"

میں اس کے قریب گیا اور اس کو کچھ دیا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کس خاندان سے تعلق ہے؟

اس نے کہا کہ آپ مجھ سے (میرے متعلق) معلوم کرنے کے درپے نہ ہوں من قل مالہ وذھب رجالہ کیف یکون حالہ (جس کے پاس نہ مال باقی رہے اور نہ اس کے اقارب باقی رہیں اس کا کیا حال ہوگا)

اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے ؎

بعض بنات الرجال برزھا الدھر لما قد تری واخرجھا

(ترجمہ) بعض (اصحاب عزّ وجاہ) لوگوں کی بیٹیوں کو (زمانہ کے انقلاب نے) ظاہر کر دیا اور پردہ سے باہر کر دیا جس سبب سے تم مجھے دیکھ رہے ہو۔

امرزھا من جلیل نعمتھا فابتزھا ملکھا واحوجھا

(ترجمہ) زمانہ نے ان کو نکال دیا (یعنی محروم کر دیا) ان کو بڑی بڑی نعمتوں سے اور ان کی دولت ملوک چھین لی، اور ان کو محتاج کر دیا۔

وطالما كانت العيون اذا ما خرجت تشفّ حودجها

(ترجمہ) اور بہت زمانہ تک ایسا ہوتا رہا) کہ جب (ان کی سواری) نکلتی تو عام نظریں ان کے کجاوہ کو غور سے دیکھتی تھیں۔

ان كان قد ساءها واحزنها فطالما سرّها وابهجها

(ترجمہ) اگر (آج) زمانہ نے اس کو دکھ اور رنج پہنچایا (تو صبر کرنا چاہیے) کہ عرصہ تک اس کو خوشی اور مسرت (بھی) پہنچائی تھی۔

الحمد لله ربّ مُعسِرَةٍ قد ضمّن الله ان يفرجها

(ترجمہ) خدا کا شکر ہے بہت سی مفلس عورتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا ضامن ہے کہ ان کو کشائش دے دے۔

ابن الشیظمی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پھر سوال کیا تو اس نے کہا وہ حضرت حسین بن علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اولاد میں سے ہے۔

• روایت ہے کہ کثیر عزّہ کی جمیل سے ملاقات ہوئی تو کثیر نے اس سے (۱۶) پوچھا کہ ثبینہ سے تمہاری ملاقات کب ہوا کرتی ہے۔

جمیل نے کہا کہ مجھ سے اس کی ملاقات شروع سال سے جب کہ وہ وادیٔ دوم میں کپڑے دھو رہی تھی جب سے ابتک نہیں ہوئی۔ تو اس نے کثیر سے کہا کیا تم چاہتے ہو کہ آج کی رات اس سے تمہاری ملاقات کرادوں۔ جمیل نے کہا ضرور۔ تو وہ فوراً ثبینہ کی طرف چلا گیا۔ اس کو دیکھ کر ثبینہ کے باپ نے کہا، اے کثیر کیا بات ہے تم فوراً واپس آ گئے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی کیا تم ہمارے پاس نہیں بیٹھے تھے؟ کثیر نے کہا، بے شک! لیکن مجھے چند باتیں یاد آ گئے جو میں نے عزّہ کے سلسلہ میں کہے تھے، اس نے کہا وہ کیا کہے تھے، تو کثیر نے کہا:

فقلت لھا یا عز ارسل صاحبی علیٰ باب وادی والرسول مؤکل

(ترجمہ) تو میں نے اس سے کہا۔ اے عزہ! میں اپنے دوست کو بھیجتا ہوں اپنے گھر کے دروازے پر اور قاصد ذمے دار ہوتا ہے۔

اما تذکرین العھد یوم لقیتکم باسفل وادی الدوم والثوب یغسل

(ترجمہ) کیا تجھے وہ زمانہ یاد نہیں جس دن میں نے تجھ سے ملاقات کی تھی وادی دوم کے نیچے والے مقام پر جب کپڑے دھوئے جا رہے تھے۔

تو ثبینہ نے زور سے کہا "دور ہو جا" تو ثبینہ کے باپ نے پوچھا۔ اے ثبینہ کیا بات ہوئی کیوں جوش آیا؟ اس نے کہا، ایک کتا ہمیشہ ہمارے یہاں پہاڑ کے پیچھے سے رات کو اور دوپہر کے وقت آجاتا ہے (اس کو دھمکا رہی تھی) پھر کثیر واپس لوٹ کر جمیل کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ ثبینہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس پہاڑ کے پیچھے تم سے رات میں اور دوپہر کو ملے گی۔ اب تم جب چاہو اس سے ملاقات کر لو۔

• مؤلف کہتے ہیں کہ ایسی ہی چالاکی کی ایک اور حکایت منقول ہے کہ

(۱۷) ایک عورت کے پاس ایک اعرابی نے اپنے غلام کو اس لیے بھیجا کہ وہ اس سے ملاقات کی جگہ مقرر کرانا چاہتا تھا۔ غلام نے جا کر اس عورت کو پیغام پہنچا دیا۔ اس کو یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ آپس کے اقرار پر غلام مطلع ہو۔ تو عورت نے اس کو یہ جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر میں نے تجھے پکڑ لیا تو میں تیرا کان اتنا سخت موڑوں گی کہ تو اس پر رو پڑے گا اور اس درخت سے جا کر سہارا لے گا۔ اور عشاء کے وقت تک تجھ پر غشی طاری رہے گی۔ غلام اس کا مطلب کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ اور اپنے مالک کے واپس جا کر اس کی یہ بات اس نے نقل کر دی۔ وہ سمجھ گیا کہ عورت نے اس سے درخت کے نیچے عشاء کے وقت ملنے کا وعدہ کر لیا ہے۔

• صولی کہتے ہیں کہ میں نے مبرد سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہم مازنی کے
(۱۷) پاس موجود تھے کہ ان کے پاس ایک اعرابی عورت آئی جوان سے خودداری کے ساتھ سوال کیا کرتی تھی۔ اور وہ اس کا سوال پورا کر دیا کرتے تھے۔

بولی! اللہ آپ کی صبح بخیر رکھے۔ اے ابوعثمان کیا زیتون میں کچھ تری آگئی؟ انھوں نے جواب میں کہا اللہ اس کو لائے گا۔ تو کہنے لگی ؎

تعلمنّ انی والذی حج القوم لولا خیال طارق عند النوم

(ترجمہ) ضروری سمجھ لیجیے مجھے قسم ہے اس (کعبہ) کی جس کا قوم حج کرتی ہے۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ نیند کے وقت (آپ کا) خیال چھاپہ مارے گا۔

والشوق من ذکرالک ماجئت الیوم

(ترجمہ) اور آپ کی یاد سے شوقِ (ملاقات) ستائے گا تو میں آج نہ آتی۔ تو زمانی نے کہا، خدا اسے مار ڈالے کس قدر چالاک عورت ہے۔ میرے عطیہ کے طلب کے لیے آئی ہے۔ جب دیکھا کہ کچھ نہیں ملتا ہے تو ہم پر احسان دھر گئی کہ بس ملنے ہی آئی تھی۔

• اسمٰعیل بن حماد ابی حنیفہ نے بیان کیا کہ میرے سامنے اس عورت جیسا
(۱۹) کوئی نہیں آیا جو ایک دفعہ آئی تھی۔ اور اس نے کہا کہ اے قاضی میرے چچا کے لڑکے نے میرا نکاح اس شخص سے کر دیا۔ اور میں جسے نہیں جانتی تھی جب مجھے علم ہوا تو میں نے اس کو رد کر دیا۔

میں نے پوچھا کہ تو نے کب رد کیا، تو جواب دیا کہ جس وقت مجھے معلوم ہوا۔ پھر میں نے پوچھا، کب معلوم ہوا تو کہنے لگی جس وقت میں نے اس کو رد کیا۔ میں نے کوئی عورت اس جیسی نہیں دیکھی۔

(۲۰) • قاضی علی بن القاسم سے مروی ہے کہ انھوں نے ذکر کیا کہ میرے والد

صاحب بیان کرتے تھے کہ موسیٰ بن اسحٰق کو کبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا ایک مرتبہ ایک عورت نے ان سے کہا۔ اے قاضی صاحب! آپ کے لیے جائز نہیں کہ آپ دو آدمیوں کے مابین کوئی فیصلہ بحالت غصہ کریں۔ انھوں نے کہا کیسے؟ تو عورت نے کہا، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایقضی القاضی بین اثنین وھو غضبان (کوئی قاضی دو متخاصمین) کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے تو انھوں نے تبسم کیا۔

(۲۱) • اصمعی کے بھتیجے عبدالرحمٰن اپنے چچا (اصمعی) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن سلیمان بن عبدالملک نے جب کہ شعراء ان کے پاس حاضر تھے کہا کہ میں نے ایک مصرعہ موزوں کیا ہے اس کو پورا بیت بناؤ، اور کہا: یروح اذا راحو ویغدو اذا غدوا۔ (وہ شام کے وقت آتا ہے جب وہ لوگ شام کے وقت آتے ہیں تو وہ سویرے آتا ہے۔ جب وہ لوگ شام کے وقت آتے ہیں) تو کوئی شاعر اس پر کچھ بھی مصرعہ نہ لگا سکا۔ تو سلیمان اپنی کنیز کے پاس گیا اور اس کو خبر کرائی۔ اس نے پوچھا کہ آپ نے کیا کہا تھا۔ سلیمان نے سنا دیا تو اس نے فوراً کہا: وعما قلیل لایروح ولایغدو (اور عنقریب ایسا ہوگا نہ شام کو چل سکے گا نہ صبح کو)

(۲۲) • اصمعی نے بیان کیا کہ میں امیرالمومنین ہارون رشید کے یہاں حاضر تھا۔ ایک شخص کنیز کو ساتھ لے کر آیا بیچنے کے ارادے سے اس کو رشید نے غور سے دیکھا۔ پھر کہا اپنی کنیز کو لے جاؤ۔ اگر اس کے منہ پر جھائیاں نہ ہوتیں اور ناک دبی ہوئی نہ ہوتی تو میں اس کو خرید لیتا وہ شخص اس کو ساتھ لے کر چلنے لگا۔ جب وہ کنیز پردہ کے پاس پہنچ گئی تو اس نے کہا اے امیرالمومنین! مجھے اپنے پاس بلا لیجیے کیونکہ میں آپ کو دو بیت سنانا چاہتی ہوں، جو حاضر ہو گئے تو بلا لیا

تو اس نے یہ شعر سنائے ؎

ماسلم الظبی علی حسنہ کلا ولا البدر الذی یوصف

(ترجمہ) (اب تو) ہرنی بھی اپنے حُسن پر سالم نہ رہ سکی ہرگز نہیں اور نہ چاند بچ سکا جس کی تعریف کی جاتی ہے۔

الظبی فیہ خلسۃ بیّنۃ والبدر فیہ کلف یُعرف

(ترجمہ) کیونکہ ہرنی میں ناک بیٹھی ہونا کھلی بات ہے اور چاند میں جو جھائیاں ہیں وہ بھی صاف نظر آتی ہیں۔

اس کی بلاغت نے رشید کو تعجب میں ڈال دیا رشید نے اس کو خرید لیا اور اس کو تقرب کا درجہ بخشا۔ اور وہ تمام کنیزوں سے زیادہ اس کے مجالس میں حصّہ لیتی تھی۔

جاحظ نے بیان کیا کہ میں نے ایک لشکر میں ایک بہت دراز قد کی عورت کو دیکھا اور ہم کھانے پر بیٹھے ہوئے تھے میں اس کو چھیڑ خانی کے ارادہ سے اُتر آیا۔ ہمارے ساتھ کھانا کھائے۔" (گویا اس کا بدن ایک لمبی سیڑھی ہے جس پر کوئی عورت چڑھی ہوئی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تو ہی بلند ہو جا (اے اسفل درجہ کے شخص یہانتک کہ تو دنیا کو دیکھ لے)

(۲۳) جاحظ نے بیان کیا کہ میں نے ایک خوب صورت عورت کو دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ، تو میں نے کہا کہ کیا تو مجھے اجازت دے گی کہ تیرے حجرِ اسود کو بوسہ دوں (رخسار کا تل مراد ہے) عورت نے کہا، نہیں، بغیر زادِ راحلہ کے ایسا نہیں ہو سکتا۔ حج بغیر سفر مصارف کے اور سواری پر قدرت کے فرض نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ بھی بغیر ادائے مہر و نکاحِ شرعی کے حرام ہے۔

مؤلف فرماتے ہیں کہ یہ حکایت ہم سے ایک دوسری نوعیت کیساتھ بھی روایت کی گئی ہے کہ جاحظ نے بیان کیا کہ میں نے بغداد کے بازار نخاسہ میں ایک جاریہ یعنی باندی کو دیکھا جس پر آواز لگائی جارہی تھی اور اس کے رخسار پر ایک تل تھا تو میں نے اس کو اپنے پاس بلایا اور اس سے بات چیت شروع کی۔ میں نے اس سے کہا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا مکہ، تو میں نے کہا اللہ اکبر! حج قریب ہوگیا۔ کیا تو مجھے اجازت دیتی ہے کہ حجرِ اسود کو بوسہ دوں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے الگ رہو۔ کیا تم نے اللہ کا ارشاد نہیں سنا لَمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ (تم اس تک نہیں پہنچ سکتے مگر اپنے نفس کو مشقت میں ڈالنے سے)

• اصمعی نے بیان کیا کہ منصور کے سامنے ایک چور پیش کیا گیا تو اس نے ہاتھ (۲۴) کاٹنے کا حکم دیا۔ تو اس نے یہ شعر عرض کئے ؎

یدی یا امیر المومنین اعیذھا بحقوبۃ من عار علیھا یشینھا

(ترجمہ) اے امیر المومنین! میں اپنے ہاتھ کے بارے میں فریاد رسی چاہتا ہوں اس کا عیب دار ہونا میرے لیے باعثِ ننگ و عار ہوگا

فلا خیر فی الدنیا ولا فی نعیمھا اذا ما شمال فارقتھا یمینھا

(ترجمہ) پھر دنیا میں میرے لیے خیر باقی رہے گی اور نہ اس کی لذات۔ جب کہ اس کا بایاں ہاتھ اس کے دائیں ہاتھ سے جدا ہو جائے گا۔

منصور نے کہا، اے غلام قطع کر یہ سزا اللہ کی مقرر کی ہوئی سزاؤں میں سے ہے۔ اور ایسا حق ہے کہ اللہ کے حقوق میں سے جس کو معطل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ چور کی ماں کہنے لگی ہائے میرا بیٹا ایک ہی ہے اور میرا یہی محنت کرنے والا ہے۔ اور یہی کمانے والا ہے۔

منصور نے کہا، یہ تیرا ایک بدترین لڑکا ہے اور بدترین محنت کرنے والا ہے اور بدترین کمائی کرنے والا ہے (جو بدترین سزا کا مستحق ہے) اے غلام قطع کر۔ چور کی ماں نے پھر کہا کہ اے امیر المومنین! کیا آپ کے کچھ ایسے گناہ نہیں ہیں کہ آپ اللہ سے ان کی مغفرت طلب کیا کرتے ہوں؟ منصور نے کہا کیوں نہیں تو اس نے کہا اس کو مجھے بخشدیجیے اور اس گناہ کو بھی ان گناہوں میں شامل کر لیجیے جن کی آپ اللہ سے مغفرت مانگا کرتے ہیں۔

ایک اور روایت ہم کو پہنچی کہ عبد الملک بن مروان کے روبرو ایک چور پیش کیا گیا۔ اور گواہی سے اس پر چوری ثابت ہو گئی تو اس نے وہ (مذکورہ بالا) شعر پڑھے تھے اور اس کی ماں نے یہ گفتگو کی تھی اور اس پر عبد الملک نے حکم دیا تھا کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔

(۲۵) • ثعلب نے ابن الاعرابی سے یہ شعر روایت کیا:

وسائلة عن رکب حسان کلھم لیبلغ حسان بن زید سوالھا

(ترجمہ) اور ایک سوال کرنے والی نے حسان کے تمام قافلے سے تاکہ حسان ابن زید کو اس کے سوال کی خبر ہو جائے۔ ابن الاعرابی نے کہا حقیقت یہ ہے کہ وہ حسان سے محبت کرتی تھی تو اس نے یہ مکروہ سمجھا کہ سوال میں اس کی ذات کو مخصوص کرے تو اس نے سارے قافلوں کا سوال کیا جس سے یہ نتیجہ نکل آیا کہ حسان کی ذات ہی مخصوص ہے۔

(۲۶) • ہارون بن عبد اللہ المامون نے ذکر کیا کہ جب خیزران مہدی کے سامنے پیش ہوئی تو اس نے خیزران سے کہا۔ واللہ، اے لڑکی تو ہماری پسند کے حد درجہ تک مطابقت رکھتی ہے۔ لیکن تیری پنڈلیاں کھردری ہیں۔ خیزران نے جواب دیا۔ اے امیر المومنین! آپ کو ضرورت سب سے زیادہ اس شئی کی ہے جو انکی

جانب ہے آپ ان کو دیکھیے۔

تو مہدی نے حکم دیا کہ اس کو خرید لیا جائے اور یہ مہدی کی بلند مرتبہ حرم بن گئی۔ اسی سے موسیٰ اور ہارون پیدا ہوئے۔

(۲۷) ابو بکر صولی سے منقول ہے کہ مہدی نے ایک کنیز خریدی اور اس کیساتھ مہدی کو تعلق خاطر بہت زیادہ ہو گیا اور وہ بھی مہدی سے بہت محبت کرتی تھی لیکن اکثر مہدی سے کھچی کھچی رہتی تھی تو مہدی نے ایک ایسا ذریعہ اس پر مقرر کیا کہ جو بہلا پھسلا کر اس کے دل کی بات معلوم کرے۔

تو اس نے بتایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ وہ کسی وقت مجھ سے خفا ہو جائیں اور مجھے چھوڑ دیں تو میں (ہجر) سے مر جاؤں گی تو میں اپنی ذات پورے طور پر ان سے لطف اندوز ہونے سے روک لیتی ہوں تاکہ زندگی گزار سکوں۔ تو مہدی نے یہ اشعار کہے ؎

ظفرت بالقلب منّی غادۃٌ مثل الھلال

(ترجمہ) میرا دل مجھ سے چھین لے گئی ایک نازک بدن جو چاند کی مانند ہے۔

کلما صبح لھا ودِ یْ جاءت باعتدال

(ترجمہ) جب اس کے ساتھ میری محبت کامل ہو گئی تو اس نے حیلے بہانے شروع کر دیے۔

لاتحبُّ الھجر منّی والتنائی عن وصالی

(ترجمہ) اور وہ مجھ سے جدائی پسند نہیں کرتی اور نہ میرے وصل سے پہلو بچانا اس کو پسند ہے۔

بل لأنھا علی حُبّی لھا خوف الملال

(ترجمہ) بلکہ اس کا اندازہ اس بنا پر ہے کہ اس کو میری محبت سے رنج پہنچنے کا

اندیشہ ہے۔

• ابو نواس نے بیان کیا کہ میرے سامنے ایک عورت آگئی اس نے
(۲۸) اپنے چہرہ سے نقاب ہٹادیا تو وہ انتہا درجہ خوبصورت تھی اس نے مجھ سے کہا آپ کا کیا نام ہے؟ میں نے کہا، آپ کی صورت، بولی کہ اچھا آپ کا نام "حسن" ہے (ابو نواس کا نام حسن بن ہانی تھا)

• قبیلہ تغلب کے ایک شخص نے ہم سے بیان کیا کہ ہم میں ایک شخص تھا،
(۲۹) جس کی بیٹی جوان تھی۔ اور اس شخص کا ایک بھتیجہ تھا جو اس لڑکی پر فریفتہ تھا اور لڑکی بھی اس پر فریفتہ تھی۔ اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا۔ پھر اس لڑکی سے ایک شریف آدمی نے پیغام بھیجا۔ اور اس نے اچھے مہر سے رغبت دلائی تو اس لڑکی کے باپ نے اسے منظور کر لیا اور لوگ نکاح کے لیے جمع ہو گئے۔ تو لڑکی نے اپنی ماں سے کہا کہ اے ماں! ابا کو اس بات سے کیا امر مانع ہے کہ میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیں۔ ماں نے کہا کہ یہ تو ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس نے کہا واللہ کس عمدگی سے اس چھوٹے سے کو پالا اور پرورش کیا۔ جب وہ بڑا ہو گیا تو اس کو چھوڑ رہے ہو۔ پھر اس نے اپنی ماں سے کہا۔ ہائے میں حمل سے ہوں اگر تم چاہو تو چھپا لو اور چاہو تو مشہور کر دو۔ یہ سن کر اس کی ماں نے اس کے باپ کو بلا کر پورا حال بیان کر دیا۔ ماں نے کہا، اس بات کو چھپا لو۔ پھر وہ ان لوگوں کے پاس گیا (جو نکاح کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ اور ان سے کہا اے لوگو! میں نے آپ کا پیغام قبول کر لیا تھا اور اب ایک ایسی چیز پیش آگئی ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ مجھ کو اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ آپ سب گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح جس کا نام یہ ہے اپنے فلاں بھتیجے سے کر دیا۔ جب نکاح سے فراغت ہو گئی تو قاضی نے

کہا کہ لڑکی کو اس کے پاس بھیجدیا جائے۔ اس پر لڑکی نے کہا کہ واللہ وہ کافر ہوجائے اگر ایک سال سے پہلے شوہر سے تخلیہ کرے۔ یا اس کا حمل ظاہر ہوجائے تو وہ ایک سال گزرنے سے پہلے شوہر کے پاس نہ گئی اور ماں باپ کو معلوم ہوگیا کہ اس نے (نکاح کے لیے) ان کے ساتھ یہ حیلہ کیا تھا۔

• صولی نے ذکر کیا کہ عتبیٰ نے بیان کیا کہ میں نے (جب کہ گھوڑے پر سوار تھا) (۲۹) ایک عورت کو دیکھا جس کی صورت مجھے بھلی معلوم ہوئی میں نے اس سے کہا کہ کیا تیرا کوئی شوہر ہے۔ عورت نے انکار کیا۔

میں نے کہا کیا تجھ کو (مجھ سے) نکاح کی رغبت ہے۔ اس نے کہا ہاں، لیکن مجھ میں ایک ایسی صفت ہے کہ میں جانتی ہوں کہ آپ اس سے خوشی محسوس نہ کریں گے۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ کہنے لگی میرے سر میں سفیدی آچکی ہے۔ میں نے یہ سُن کر اپنے گھوڑے کی باگ کھینچی اور تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ اس نے مجھے آواز دی اور کہا کہ میں آپ کو قسم دیتی ہوں کہ آپ ذرا ٹھہر جائیں۔ پھر آئی اور (میرے ساتھ) ایسی جگہ تک چل جو (لوگوں سے) خالی تھا۔ پھر اس نے سر سے کپڑا ہٹا کر دکھایا۔ وہ بال ایسے سیاہ تھے جیسے (سونا کی) انگور سیاہ ہوتے ہیں) پھر بولی واللہ! میں ابھی بیس سال کی بھی نہیں ہوئی۔ لیکن میں نے تم کو اس امر سے آگاہ کرنا چاہا تھا کہ ہم بھی تمہاری اس صفت سے کراہت کرتی ہوں جس سے آپ مجھے دیکھ کر کراہت کرتے ہیں۔ مجھکو بہت شرمندگی ہوئی اور یہ کہتا ہوا روانہ ہوگیا۔

فجعلت اطلب وصلها یتملق والشیب ینھز ھابان لا تفعلی

(ترجمہ) میں چاپلوسی کے ساتھ اس سے وصل کا طالب ہو رہا تھا اور میرا بڑھاپا اس سے یہ غمازی کر رہا تھا کہ ایسا نہ کرنا۔

• عتبی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھا۔ اپنی بیوی سے کہدیا کہ تیرے اپنے لیے میں تجھکو (۳۱) اختیار دیتا ہوں"۔ (اس طرح عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگیا) پھر وہ پچھتایا تو بیوی نے کہا کہ دیکھئے آپ کے ہاتھ میں اختیار بیس سال سے تھا۔ آپ نے اس کی اچھی طرح حفاظت کی اور اس کو برقرار رکھا تو میں دن کی ایک گھڑی بھی ضائع نہ کروں گی۔ جب یہ اختیار میرے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ اب یہ اختیار میں آپ ہی کو واپس کرتی ہوں۔ اس کی گفتگو نے اس شخص کو حیرت میں ڈال دیا اور اس کو طلاق نہیں دی۔

• یہ ذکر کیا شعیب نے ایک عورت سے نکاح کا ارادہ کیا۔ پھر اس سے (۳۲) کہا کہ میری عادت خراب ہے تو اس نے کہا کہ آپ سے زیادہ بری عادت اس کی ہوگی جو آپ کو بری عادت اختیار کرنے پر مجبور کردے شعیب نے کہا کہ بس تو اب میری بیوی ہے۔

• عتبی نے ذکر کیا کہ میں نے فضل بن ابراہیم سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ ایک (۳۳) شاعر کا کچھ عورتوں پر گزر ہوا تو اس کو ان کی شان کچھ عجیب معلوم ہوئی۔ اس نے کہنا شروع کیا:

ان النساء شیاطین خُلقن لنا نعوذ باللہ من شرّ الشیاطین

(ترجمہ) عورتیں ہمارے لیے شیاطین پیدا کی گئی ہیں۔ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں شیاطین کے شر سے۔

تو ان عورتوں میں سے ایک نے اس کا جواب دیا اور یہ کہنا شروع کیا

ان النساء ریاحین خُلقن لکم وکُلّکم تشتھو اشرّ الریاحین

(ترجمہ) یہ عورتیں تمہارے لیے گلدستہ ہیں جو پیدا کی گئی ہیں اور تم سب ہی

• ابوعبداللہ بن محمد العباس یزیدی سے منقول ہے کہ اعراب میں سے (۳۴) ایک شخص کی ایک لڑکی تھی۔ اور ایک اس کا غلام تھا۔ غلام نے اس لڑکی کو پھسلایا تو اس نے غلام سے رات کا وعدہ کرلیا اور اس کے لیے ایک چھری تیار کرلی۔ اور خوب تیز کرلی۔ جب وہ اس کے پاس وعدہ کے مطابق آیا تو اس نے اس کا جسم کاٹ دیا تو وہ ایڑاتا ہوا نکلا۔ اس کے آقا نے سن کر پوچھا کہ تجھ سے ایسا کس نے کیا۔ اس نے کہا کہ تمھاری بیٹی نے وہ بیٹی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اس غلام کے ساتھ تو نے یہ کیا کیا۔ تو اس نے کہا:

یا ابت العبد من نوکہ

یشرب من شقاء لم یوکہ

ومن ورد غیر ماء گہ

صدر بمثل دائہ

(ترجمہ) اے باپ غلام نے اپنی حماقت سے ایسے ظرف سے پانی پینا چاہا، جس کا بند نہیں کھولا گیا۔ اور جو غیر کے پانی پر تصرف کرے گا اس کو ایسی تکلیف ہی پہنچے گی۔

باپ نے سُن کر کہا تو کوئی حرج نہیں۔

• شرقی بن قطامی نے بیان کیا کہ شثن عرب کے بڑے دانشمندوں میں تھا (۳۵) اس نے قسم کھائی تھی کہ میں سفر میں ہی اپنا وقت گزارتا رہوں گا جب تک مجھے کوئی عورت اپنی جیسی نہ ملے اور اس سے نکاح کروں۔

وہ سفر میں تھا کہ اس کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو ایسی بستی میں جارہا تھا جہاں پہنچنے کا شثن نے ارادہ کیا تھا۔ تو یہ اس کا ساتھی ہوگیا۔ جب دونوں روانہ ہوئے تو اس سے شثن نے کہا تو مجھے اٹھا کر لے چلے گا یا میں

تجھے اٹھاؤں؟ تو اس سے ساتھی نے کہا "جاہل! ایک سوار دوسرے سوار کو کیسے اٹھا سکتا ہے۔"

پھر دونوں چل رہے تھے تو انھوں نے ایک کھیت کو دیکھا جو پکا ہوا کھڑا تھا تو شمن نے کہا تم کو اس بات کی خبر ہے کہ یہ کھیت کھایا جا چکا ہے۔ یا نہیں؟ اس نے کہا، اے جاہل! کیا تو دیکھتا نہیں کہ یہ کھڑا ہوا ہے۔"

پھر دونوں کا گزر ایک جنازہ پر ہوا تو مشن نے کہا کیا تمھیں خبر ہے کہ صاحب جنازہ زندہ ہے یا مُردہ؟ اس نے کہا میں نے تجھ سے زیادہ جاہل نہیں دیکھا کیا تیرا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ زندہ ہی کو دفن کرنے جا رہے ہیں۔

وہ شخص پھر اس کو اپنے گھر لے گیا اور اس شخص کی ایک لڑکی تھی جس کا نام طبقہ[1] تھا۔ اس شخص نے پورا قصہ اس کو سنایا۔ اس لڑکی نے کہا کہ اس کا یہ قول کہ "تو مجھے اٹھائے گا یا میں تجھے اٹھاؤں گا" اس نیت سے تھا کہ تو مجھے کوئی بات سنائے گا یا میں تجھے سناؤں، تاکہ ہم اپنا راستہ (تفریح کیتھا) پورا کر لیں۔

اور اس کا یہ کہنا کہ کھیت کھایا جا چکا ہے یا نہیں" اس کا مقصد اس سے دریافت کرنا تھا کہ کھیت والوں نے اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت خرچ کر لی یا نہیں۔ اور میت کے بارے میں اس کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ آیا اس نے اپنے پیچھے کوئی ایسا بھی نہیں چھوڑا ہے جو اس کے نام کو زندہ رکھ سکے یا نہیں؟

پھر یہ شخص گھر سے نکل کر شمن سے ملا اور اس سے باتیں کیں اور اس کو اپنی بیٹی کی گفتگو سنائی تو اس نے اسی سے نکاح کا پیغام دیا۔ اور اس کے ساتھ اس نے نکاح کر لیا۔ اور وہ اس کو لے کر اپنے عزیزوں سے جا ملا۔ جب انھوں نے

[1] طبقہ حی من ایاد ۱۲ تلقیح

بھی اس عورت کی عقل و دانائی کو پہچان لیا تو کہا وافق شنّ طبقة (شن نے طبقہ کو گلے سے لگا لیا) اس ضرب المثل کی وجہ یہ ہے وافقہ اعتنقہ۔

(۳۶) • شرقی نے ذکر کیا کہ ابو محمد بن واسۃ نے بیان کیا کہ ایک شخص کا راستہ میں ایک جاریہ سے آمنا سامنا ہو گیا۔ اس شخص نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تیرے ہاتھ میں کوئی صنعت ہے؟ اس نے کہا نہیں؟ لیکن پاؤں میں ہے۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ رقاصہ ہے۔

(۳۷) • محسن سے منقول ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر سے لڑ کر طلاق طلب کی۔ اس نے کہا کہ تو حاملہ ہے جب تو بچہ جن لے گی تو میں تجھ کو طلاق دے دوں گا اس نے کہا کہ تجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی (کہ تجھ سے حق پرورش کا کوئی معاوضہ طلب کیا جا سکے) شوہر نے کہا، تو اس سلسلہ میں کیا کرے گی۔ اس نے کہا کہ میں اس کو جنت کے دروازہ پر کبوتر بنا کر بٹھا دونگی (اس کے شوہر کا کہنا ہے کہ) میں نے اس بڑھیا سے دریافت کیا کہ جو ہماری گفتگو میں واسطہ بنی ہوئی تھی اس کا مطلب کیا ہے؟ اس نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ سداب کا مطبوخ پی لے گی اور سداب کے ساتھ دوسری اسقاط کرنے والی دوائیں ملا کر رکھے گی تاکہ حمل ساقط ہو جائے اور بچہ کی روح اڑ کر کبوتر کی طرح جنت میں پہنچ جائے۔

(۳۸) • ابو بکر بن الازہر نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے بعض دوستوں نے ذکر کیا کہ ایک شخص اہواز میں تھا اور یہ صاحب ثروت و دولت اور بیوی والا تھا۔ وہ ایک مرتبہ بصرہ گیا اور وہاں ایک عورت سے نکاح کر لیا اور یہ معمول رکھا کہ) سال میں ایک یا دو مرتبہ اس عورت کے پاس جایا کرتا تھا اور اس بصرہ والی بیوی کا چچا اس شخص سے خط و کتابت کیا کرتا تھا (اتفاق

ایسا ہوا کہ) اس کا ایک خط اس اہواز والی بیوی کے ہاتھ لگ گیا۔ جس سے اس کو حقیقتِ حال کا علم ہوگیا تو اس نے اپنے رشتے دار سے جو بصرہ میں تھا اس مضمون کا خط لکھوا کر شوہر کے پاس بھجوایا کہ آپ کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ یہاں پہنچے (جب یہ خط اہواز میں اس کو ملا) تو اس نے پڑھ کر سفر کی تیاری شروع کردی، پھر اہواز والی بیوی نے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ تمہارا دل کہیں اور لگا ہوا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ بصرہ میں کوئی بیوی آپ کی موجود ہے تو اس نے کہا معاذ اللہ۔ عورت نے کہا میں اتنا کہنے سے مطمئن نہیں ہوسکتی بغیر قسم کے آپ یہ حلف کریں کہ میرے سوا جو بھی آپ کی بیوی ہو غائب ہو یا حاضر، اس پر طلاق ہے۔ تو اس نے سمجھتے ہوئے کہ اس کا انتقال ہو ہی چکا ہے یہ حلف کرلیا۔ پھر اس نے کہا اب سفر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب وہ عورت آپ سے الگ ہوگئی اور وہ زندہ ہے۔

• علی بن الجہم نے بیان کیا کہ میں نے ایک کنیز خریدی اس سے میں نے (۳۹) کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ تو کنواری ہے تو اس نے کہا اے میرے سردار! دائق کے زمانہ میں فتوحات بہت ہوئی ہیں (اشارہ اس طرف ہے کہ وہ کنواری نہیں ہے)

میں نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ صبح میں کتنی دیر ہے تو اس نے جواب دیا، مشتاق کی گردن کے برابر (جو ابھرتی رہتی ہے یعنی زیادہ دیر ہے اور ایک مرتبہ اس نے سورج کو چھپتے ہوئے دیکھا تو بولی کہ میرے حسن سے شرما کر منہ پر نقاب ڈال لی۔ میں نے اس سے ایک رات میں کہا کہ آج رات ہم مجلس چاندنی میں کریں گے تو جواب دیا (کیا حرج ہے) یہ جمع بین الضرائر نہیں ہے (یعنی دو سوکنوں کو ایک جگہ جمع کرنا نہیں۔ یہ بات شرعاً مکروہ ہے کہ ایک

بیوی سے ہمبستری ہوا اور دوسری بھی وہیں موجود ہو۔ اس نے چاند کو اپنی سوت سے متخیل کر کے یہ جواب دیا) اور وہ زیور سے نفرت کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ عورت کا چھپانا قبائح (برائیوں کے چھپانے جیسا ہے۔

• متوکل کے سامنے ایک کنیز پیش ہوئی تو اس نے اس سے پوچھا تو (۴۰) کنواری ہے یا اور کچھ تو اس نے جواب دیا یا اور کچھ اے امیرالمومنین! یعنی مجھے اور کچھ والی قسم میں شامل سمجھیے) اس جواب سے متوکل ہنسا اور اُسے خرید لیا۔

• معتضد علے اللہ نے اپنا سر ایک جاریہ کی گود میں رکھ کر (اور سو گئے) (۴۱) اس نے اس کے سر کے نیچے تکیہ لگا دیا اور چلی گئی۔ جب وہ بیدار ہو گئے تو اس سے کہا کہ ایسا کیوں کیا؟ اور اس سے بُرا اثر لیا۔ اس نے کہا کہ ہم کو ایسی ہی تعلیم دی گئی کہ کوئی بیٹھنے والا سونے والے کے پاس نہ بیٹھے اور کوئی شخص کسی بیٹھے ہوئے کے پاس نہ سوئے۔ تو معتضد کو اس کی بات بھلی معلوم ہوئی اور اس کو عقل کی بات قرار دیا۔

• ہم کو ایک اجنبی عورت کی حکایت معلوم ہوئی اور اس کے بارے میں (۴۲) یہ کہا جاتا ہے کہ یہ جعفر بن یحیے برمکی کی بیٹی ہے اور وہ مغنیہ اور بڑی زیرک اور شاعرہ تھی۔ اس کو معتصم باللہ نے (ایک لاکھ درہم) میں خرید کر آزاد کر دیا تو اس نے ایک شخص کو خط لکھا اردت ولولا ولعلی (میں نے ارادہ کیا اور اگر نہ اور شاید میں) پھر اس شخص نے اردت کے نیچے لیت (کیا اچھا ہوتا) اور لولا کے نیچے عاذا (یہ کیا ہے) اور لعلی کے نیچے ارجوا (میں امید کرتا ہوں) لکھا اور بھیج دیا۔ پھر اس کے پاس چلی گئی۔

(۴۳) • ابوالحسن بن ہلال الصابی نے بیان کیا کہ ہم سے ابواحمد الحارثی نے

ذکر کیا کہ ہمارے قریب واسط میں ایک خوش حال شخص تھا جس کا نام ابو محمد تھا اس کے پاس ایک مغنیہ گا رہی تھی۔ خلیلی ھیا نصطبح بسواد (میرے پیارو آجاؤ صبح کی شراب اندھیرے ہی میں پی لیں) اس نے اس سے کہا تجھے خدا کی قسم میرے لیے اس طرح کا خلیلی ھیا نصطبح بسہاد (میرے پیارے آصبح کردیں جاگ کر) اس نے جواب دیا جب تم نے ارادہ کیا تو اکیلے ہی آجانا۔

• امام ابوحنیفہؒ نے ذکر کیا کہ ایک عورت دھوکہ دے گئی۔ ایک تھیلی کی (۴۴) طرف اس نے اشارہ کیا جو راستہ میں پڑی ہوئی تھی۔ میں نے خیال کیا کہ اسی کی ہے۔ میں تھیلی اٹھا کر اس کے پاس لے گیا تو کہنے لگی کہ اس کو محفوظ رکھیے جب تک اس کا مالک ملے۔

• جب کسریٰ نے بزرجمہر کو قتل کردیا تو ارادہ کیا کہ اس کی بیٹی سے نکاح (۴۵) کرے تو اس نے خاص عورتوں سے کہا کہ اگر تمھارا بادشاہ محتاط ہوتا تو اپنے اندر باہر کے کپڑوں میں اپنے سے زخم خوردہ کو داخل کرنے کا کبھی خیال نہ کرتا۔

• ایک شخص نے ایک کنیز سے کہا کہ جس کو خریدنے کا ارادہ کیا تھا تجھ کو (۴۶) میرا یہ بڑھاپا جس کو تو دیکھ رہی ہے ناگوار نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ میرے پاس آنکھوں کی ٹھنڈک موجود ہے تو اس نے کہا کہ کیا آپ بھی خوش ہوسکتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی شہوت پرست بڑھیا ہو۔

• ابن المبارک بن احمد نے بیان کیا کہ ایک شخص بطور دل بستگی نکل کر پل پر (۴۷) جا بیٹھا۔ پھر ایک عورت رصافہ کی طرف سے آئی جو غربی سمت جانے لگی پھر سامنے سے ایک جوان آیا اور اس نے عورت سے کہا اللہ رحمت نازل کرے علی بن الجہم پر عورت نے فوراً جواب دیا اللہ رحمت نازل کرا بو العلاء المعری

پر اور ٹھہرے نہیں اور مشرق و مغرب کی طرف چل دیے میں فوراً عورت کے پیچھے ہولیا اور میں نے اس سے کہا تو مجھے اس گفتگو کا مطلب بتا جو تم دونوں میں ہوئی تھی ورنہ میں تجھے رسوا کر دوں گا۔ اور تجھ سے لپٹ جاؤں گا تو اس نے کہا مجھ سے اس جوان نے کہا تھا اللہ رحمت نازل کرے علی بن الجہیم پر۔ اس سے اُس کا یہ قول مراد تھا۔

عیون المھا بین الرصافۃ والجسر جلبن الھوی من حیث ادری ولا ادری

(ترجمہ) نیل گایوں (خوب صورت عورتوں) کی آنکھوں سے رصافہ اور جسر کے درمیان محبت کو کھینچ لیا اور اس صورت سے کہ میں محسوس کر رہا ہوں اور اس کو نہیں جانتا۔

اور میں نے جو کہا تھا اللہ رحمت بھیجے ابو العلاء المعریٰ پر میں نے اس قول کی طرف اشارہ کیا:

فیا دارجًا بالعزم ان مزارھا قریبٌ ولٰکن دون ذلک اھوالُ

(ترجمہ) تو اے معشوقہ کے گھر ہوشیار رہ۔ اس سے ملاقات قریب ہے مگر اس کے پیچھے خطرات بہت ہیں۔

(۴۸) ابن الزبیر نے خارجیوں کی ایک عورت سے کہا کہ وہ مال نکال جو تو نے اپنی سُرین کے نیچے دبا رکھا ہے تو اس نے ان لوگوں سے جو اس کے پاس تھے مخاطب ہو کر کہا۔ میں تم کو خدا کی قسم دیتی ہوں کیا خلفاء کا کلام ایسا ہوتا ہے؟ سب نے کہا نہیں۔ پھر اس نے ابن الزبیر سے کہا آپ اس میں کیا رائے رکھتے ہیں اس خفی قسم کی (خلافت) سے دست برداری میں؟

(۴۹) متنبّی نے بیان کیا کہ مجھ سے بنی ہاشم سے ایک شخص نے ذکر کیا کہ جب میں سفر میں تھا تو میں نے اپنی بیوی کو ایک خط میں بطور تمثیل کے آپ کا

یہ شعر لکھ کر بھیجا ؎

بہ التعلل لا اھلٌ ولا وطنٌ ولا ندیمٌ ولا کاسٌ ولا سکنٌ

(ترجمہ) کس چیز سے دل بہلاتا ہے (ایسے شخص کا جس کا یہاں) نہ کوئی اہل ہے اور نہ وطن اور نہ ہم پیالہ اور نہ دلی سکون کا سامان۔

تو اس نے لکھا واللہ آپ کا حال اس بیت کے مطابق نہیں ہے جو آپ نے لکھا ہے بلکہ اس بیت کے مثل ہے جو کسی شاعر نے کہا ؎

سھرت بعد رحیلی ووحشۃٍ لکمُ ثم استمرّ منامی وارعوی الوسنُ

(ترجمہ) کوچ کرنے کے بعد اور (تم سے جدائی کی بنا پر) وحشت میں مبتلا ہو کر میں بیدار رہا اس کے بعد پھر میری نیند دائمی ہو گئی اور نیند کی کمی رُک گئی۔

(۵۰) • یہ حکایت شیخ ابوالوفا، ابن عقیل کی تحریر سے میں نے نقل کی ہے کہ ایک حنفی قاضی تھے جن کا مسلک یہ تھا کہ جب ان کو گواہوں پر شک ہوتا تو ان کو الگ الگ کر دیتے تھے (تاکہ ایک کی شہادت دوسرا نہ سُن سکے) تو ایک مرتبہ ایک ایسے معاملہ میں جس میں عورتوں کی شہادت ضروری ہوتی ہے ان کے سامنے ایک مرد اور دو عورتیں گواہی کے لیے پیش ہوئیں تو انھوں نے حسبِ عادت دونوں عورتوں کو الگ کرنا چاہا تو ان میں سے ایک عورت نے قاضی صاحب سے کہا کہ آپ سے غلطی ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَتُذَكِّرَ إِحْدٰىهُمَا الْأُخْرٰى (تاکہ ایک دوسری کو یاد دلائے) جب آپ نے الگ الگ کر دیا تو وہ مقصد ہی فوت ہو گیا جو شریعت کو مطلوب تھا۔ تو وہ رک گئے۔

(۵۱) • منقول ہے کہ ایک شخص نے مبرّد کو مع جماعت کے بصرہ بلایا۔ انکے سامنے ایک جاریہ نے پردہ کے پیچھے سے گانا شروع کیا اور اُس نے

یہ اشعار پڑھ کر سنائے۔

وقالوا لما ھذا حبیبک معرضًا فقالت إلیّ اعراضہ أیسر الخطب

(ترجمہ) اور انھوں نے محبوبہ سے کہا تیرا چاہنے والا کنارہ کش جارہا ہے۔ تو اس نے جواب دیا اس کا اعراض میرے لیے سب سے زیادہ آسان معاملہ ہے۔

فما ھی الا نظرۃ بتبسم فتصطک رجلاہ ویسقط للجنب

(ترجمہ) اور اس کی حقیقت محض یہ ہے کہ تبسم کے ساتھ صرف ایک نگاہ جس سے اس کے پاؤں ڈگمگا جائیں گے اور پہلو پر گر پڑے گا۔ ؎

ایک تجلی، ایک تبسم اک نگاہ بندہ نواز
اس سے زیادہ اے غم جاں دل کی قیمت کیا کہیے

یہ سن کر تمام حاضرین جھوم گئے سوائے مبرد کے۔ تو ان صاحب مجلس نے پوچھا، تمام لوگوں سے زیادہ طرب آپکو ہونا چاہیے تھا۔ یہ سنکر جاریہ بولی اے میرے آقا! اس کو چھوڑو انھوں نے سنا کہ میں کہہ رہی ہوں، ھذا حبیبک معرضًا تو انھوں نے خیال کر لیا کہ میں نے معرضٌ کے بجائے معرضًا کہہ کر نحوی غلطی کر رہی ہوں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ ابن مسعودؓ کی قراءت میں ہے وھذا بعلی شیخًا۔ اب یہ سن کر مبرد پھڑک اٹھے اور حالت یہ ہوگئی کہ انھوں نے اپنے کپڑے بھی پھاڑ ڈالے۔

• کچھ لوگوں نے بیان کیا کہ دوگانے بجانے والی عورتیں آئیں۔ ان میں سے (۵۲) ایک کا حال یہ تھا کہ جس سے بھی موقع ملتا تھا ہنسی مذاق کرتی تھی اور دوسری خاموش تھی۔ میں نے خاموش رہنے والی سے کہا کہ تیری یہ رفیقہ کسی ایک سے قرار نہیں پکڑتی۔ اس نے کہا ہاں! یہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ پر ہے (کہ بندہ کاسب ہے) اور میں قدریہ عقیدے پر ہوں۔

(کہ کسب کچھ نہیں جو مقدر میں ہے وہ خود ہی پورا ہو جائے گا)

(۵۳) • مامون ایک دن عبداللہ بن طاہر پر غضبناک ہو گیا۔ اور طاہر نے اس پر حملہ کا ارادہ کیا (یہ طاہر مامون کا کمانڈر تھا۔ اس واقعہ کی اطلاع عبداللہ کے ایک دوست کو ہو گئی جو درباریوں میں سے تھا اس نے اس کو مطلع کرنا چاہا) تو عبداللہ کے پاس اس کے دوست کا خط پہنچا جس میں صرف السلام علیکم لکھا تھا۔ اور خط کے حاشیہ پر صرف یا موسیٰ تو یہ دیکھ کر اس نے سوچنا شروع کیا اور اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آرہا تھا (اس خط کو دیکھ کر) اس کی ایک جاریہ نے کہا جو بہت ذہین تھی یا موسیٰ سے مراد ہے یَامُوْسٰی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ کہ آپ کو مامون کے ارادہ سے ہوشیار ہو جانا چاہیے۔

(۵۴) • ایک شخص کے سامنے دو جاریہ پیش کی گئیں ایک کنواری تھی دوسری ثیبہ۔ اس شخص کو کنواری کی طرف رغبت ہوئی تو ثیبہ نے کہا اس کی طرف آپ کیوں راغب ہوئے میرے اور اس کے درمیان صرف ایک ہی دن رات کا فرق ہے۔

کنواری نے جواب دیا وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (اور ایک دن تیرے رب کے نزدیک تمہارے شمار کے حساب سے ہزار سال کے برابر ہے) اس پر اس کو دونوں ہی پسند آگئیں تو دونوں ہی کو خرید لیا۔

(۵۵) • ایک عورت اپنے شوہر سے اس بنا پر جھگڑی کہ وہ اخراجات میں اس پر تنگی کرتا تھا اور اپنی ذات پر بھی۔ تو کہنے لگی خدا کی قسم تیرے گھر میں جو ہے بھی وہ صرف وطن کی محبت کی وجہ سے مقیم ہے ورنہ وہ تو

پڑوسیوں کے گھروں سے پیٹ بھرتے ہیں۔

• جاحظ نے بیان کیا کہ میں نے بغداد میں ایک جاریہ سے یہ پوچھا کیا
(۵۶) تو کنواری ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی پناہ! کھوٹ سے۔ کھوٹ سے ثیبہ ہونا مراد لیا ہے (ثیبہ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے ہم بستری ہو چکی ہو۔)

• ایک دلاّلہ (یعنی ایک ایسی عورت جو کسی شخص کے نکاح کے لیے
(۵۷) کوشاں تھی) چند لوگوں کے پاس پہنچی اور ان سے کہا کہ میرے پاس ایسا شوہر (امیدوار) ہے جو لوہے لکھتا ہے اور شیشہ سے مہر کرتا ہے۔ وہ راضی ہو گئے اور نکاح کر دیا۔ تو وہ نائی ثابت ہوا۔

• ایک دلاّلہ نے ایک شخص سے کہا میرے پاس ایک ایسی عورت
(۵۸) ہے گویا وہ نرگس کی طاق ہے۔ اس نے اس سے نکاح کر لیا جب دیکھا تو وہ بدصورت بڑھیا نکلی۔ اس شخص نے دلاّلہ سے کہا کہ تو نے ہم سے جھوٹ کہا اور دھوکا دیا۔ اس نے کہا نہیں خدا کی قسم میں نے ایسا نہیں کیا میں نے اس کو نرگس کی طاق سے تشبیہ دی تھی کیوں کہ اس کے بال سفید اور چہرہ زرد اور پنڈلیا سبز ہیں (اور یہ سب باتیں نرگس میں موجود ہیں)

• ایک عورت نے اپنی باندی کو ایک درہم دیا اور کہا حلیم (کھچڑا)
(۵۹) خرید لا۔ اس نے واپس آ کر کہا اے میری سردار! درہم میرے ہاتھ سے گر پڑا اور گم ہو گیا۔ اس نے کہا بدکار سارا منہ کھول کر کہہ رہی ہے کہ درہم جاتا رہا۔ باندی نے اپنا ہاتھ آدھے منہ پر رکھ کر دوسری آدھی طرف سے کہا کہ میری آقا! وہ مٹی کا پیالہ ٹوٹ گیا۔

(۶۰) • ایک شخص ایک عورت کے گھر کے روشندان کے نیچے کھڑا رہتا

تھا اور یہ اس عورت کو ناگوار تھا۔ اس عورت نے بیان کیا کہ وہ ایک روز آیا اور اس کے بدن پر دیبا کی قمیص تھی جس کو دھلوایا اور خوب کلف دلوایا گیا اور اس کے نیچے ایک ردّی قمیص تھی۔ اور کچھ لوگوں کے سنگتروں میں سے گلے ہوئے سنگترے تیس رطل (تقریباً ۱۵ کلو پھینکدیے گئے تھے جو ہم نے اٹھالیے تھے تو وہ جب آیا) تو میں نے ایک خربوزہ نکالا اور اس کی طرف اشارہ کرکے کہا آ، یہ لے لے تو وہ اسی روشندان کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ عورت نے کہا اپنا دامن مضبوطی سے سنبھال لے تاکہ نیچے گر کر پھوٹ نہ جائے تو اس نے مضبوطی سے اپنا دامن سنبھال لیا۔ پھر میں نے خربوزہ نکالا گویا وہ اس پر پھینکا ہی جانے والا تھا۔ لیکن پھر (پھرتی سے وہ سب گلے سڑے سنگترے اس کی گود میں پھینک دیے (پندرہ کلو بھاری وزن گرنے سے دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اور اس کے ہاتھ کچھ نہ لگا سب زمین پر بکھر گیا اس نے ان کو جمع کرنا چاہا اور پھر شرمندہ ہو کر بھاگ گیا اور اس کے بعد پھر کبھی نہیں آیا۔

• ایک بڑھیا ایک شخص کی میت پر رونے لگی۔ اس سے پوچھا گیا (۶۱) کہ اس میت کو یہ حق کیسے مل گیا کہ تم اس پر روؤ۔ اس نے کہا ہمارے پڑوس میں رہتا تھا اور اس کے سوا یہاں کوئی بھی ایسا نہیں تھا کہ جس کو لینا جائز ہو اور وہی انتقال کر گیا (اس لیے روتی ہوں) اور ہم میں اور جو کوئی بھی ہے وہ سب ایسے ہیں کہ خود ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی۔

• ایک بڑے مرتبہ کے شخص کی ایک کنیز تھی اور پاک دامن تھی مگر (۶۲) مذاق میں فحش بات بھی کہہ جاتی تھی اس سے اس کے آقا نے کہا کہ لوگوں کے مجمع میں ایسی فحش باتیں نہ کیا کرو اس نے کہا اس سے بھی زیادہ فحش بات یہ ہے کہ آپ سب کے سامنے میری وجہ سے سب سے دراہم وصول کریں (بظاہر یہ معلوم

یہ معلوم ہوتا ہے کہ گانا سننے والے جو اس جاریہ کو انعام کے طور پر دیتے ہیں تو وہ بوجہ مالک ہونے کے اس کو دیتے ہوں گے) ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک شخص جو بوڑھا تھا اس سے کہا:

یا احسن الناس وجھًا مُنِّیْ عَلَیَّ بقبلة

(ترجمہ) اے سب سے زیادہ خوب صورت۔ ایک بوسہ دے کر مجھ پر احسان کر اس نے فوراً جواب دیا ؎

یا اسبح الناس وجھًا واسخن الخلق مقلة

(ترجمہ) اے سب سے زیادہ قبیح صورت والے اور سب سے زیادہ سڑے سڑے ہوئے گوشۂ چشم والے (جس سے گندہ پانی بہہ رہا ہے)

انا سمعت لما وتہ فانی بذلہ

(ترجمہ) اگر میں سخاوت کروں اس امر میں جس کا تو نے قصد کیا تو میں گری پڑی ہوں گی۔

وکیف یوجد بین الحمار والخشف وصلہ

(ترجمہ) اور گدھے اور ہرنی کے بچے میں ملاپ کیسے پایا جا سکتا ہے۔

فلا تطف بالغوانی فما یردنک خملہ

(ترجمہ) اس لیے خوب صورت لڑکیوں میں چکر نہ لگا وہ ہرگز تجھے ایک رُواں بھی نہ دیں گی۔

وکل شیخ تصابیٰ علی الصبایا فاسلہ

(ترجمہ) اور جو بوڑھا، عاشق بنتا ہے۔ لڑکیوں پر وہ بڑا احمق ہے۔

(۶۳) ○ ایک شخص نے ایک کنیز سے جس کو خریدنے کا ارادہ کیا تھا، اس کی قیمت کے بارے میں سوال کیا کہ یا جاریۃ کم دفعوا فیکِ (اے

لڑکی تجھ پر کتنے لگ چکے ہیں) تو اس نے جواب دیا وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔

(ترجمہ) تیرے رب کے لشکروں کا حال اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

• ابو قاسم عبداللہ بن محمد کاتب نے بیان کیا کہ مجھ سے کوفہ کے بعض

(۶۴) بڑے لوگوں نے بیان کیا کہ کوفہ میں ایک شخص حسنی جو ادرع کے نام سے مشہور تھا۔ نہایت ہی مضبوط دل کا انسان تھا۔ اور کوفہ کے ایک ویران علاقہ میں ایک چیز گزرنے والے پر ظاہر ہوا کرتی تھی۔ ایک آگ نظر آتی تھی جو خوب اُونچی ہو جاتی تھی اور کبھی نیچی ہو جاتی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ غولِ بیابانی ہے۔ اور اس سے گھبراتے تھے۔ ایک رات یہ واقعہ پیش آیا کہ ادرع اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ مجھ سے ادرع نے ذکر کیا کہ میرے سامنے ایک سیاہی اور آگ نمودار ہوئی پھر وہ وجود میرے سامنے لمبا ہو گیا تو میں اس سے جھجکا۔ اب میں نے اپنے دل میں سوچا اور کہا کہ یہ کوئی شیطان اور غولِ بیابانی یہ سب فضول کی باتیں ہیں۔ یہ آدمی کے سوا اور کچھ نہیں تو میں نے اللہ کو یاد کیا اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، اور اپنے گھوڑے کی باگ سنبھالی اور اس کے چابک مارا اور اس شخص طرف بڑھا دیا تو اس کی لمبائی اور بڑھ گئی اور روشنی بھی زیادہ ہو گئی تو گھوڑا بدکا اور میں نے پھر اس کے چابک مارا تو ——— اس نے اپنے آپ کو اس پر چڑھا تو اس کا وجود چھوٹا ہو گیا۔ یہاں تک کہ بقدر انسان کے قد ہو گیا۔ قریب تھا کہ گھوڑا اس سے جا ملے تو وہ بیٹھ پھیر کر بھاگا۔ میں نے گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا۔ تو وہ ایک ڈھنڈ کی طرف جا کر رُکا اور اس میں گھس گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے وہیں پہنچا۔ وہاں ایک تہ خانہ محسوس ہوا جس میں

وہ گھسا۔ میں نے اپنے گھوڑے سے اتر کر اسے باندھا اور تہ خانے میں اُتر گیا اور میرے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ تو میں جب تہ خانے پہنچا تو (اندھیرے میں) میں نے اس شخص کی حرکت محسوس کی کہ وہ مجھ سے بھاگنا چاہتا ہے تو میں نے اپنے آپکو اس پر ڈال دیا تو میرا ہاتھ ایک آدمی کے بدن پر پڑا تو میں نے اس کو قابو میں کر لیا اور باہر کھینچ کر لایا تو وہ کالے رنگ کی لڑکی نکلی تو میں نے کہا، بتا تو کیا چیز ہے؟ ورنہ تجھے ابھی قتل کر ڈالوں گا۔ اس نے کہا پہلے تو یہ بتا کہ تو آدمی ہے یا جن؟ کہ میں نے تجھ سے زیادہ طاقت ور کوئی نہیں دیکھا۔ پھر میں نے کہا تو کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں کوفہ کے فلاں خاندان کی باندی ہوں بہت سال ہوئے کہ میں ان سے بھاگ کر اس ویرانہ میں آ چھپی تھی۔ پھر میں نے یہ سوچا کہ یہ حیلہ کروں اور (اس کے نتیجہ میں) لوگوں میں یہ وہم پھیل گیا کہ میں ایک بھوت ہوں یہاں تک کہ کوئی اس مقام کے قریب نہیں آتا اور میں رات کو نوعمروں کے سامنے آتی رہی ہوں اور بسا اوقات (گھبراہٹ میں) ان میں سے کوئی اپنا رومال یا لنگی چھوڑ جاتا ہے تو میں اس کو لے کر دن میں بیچ کر اس سے اپنے چند دن کے کھانے کا انتظام کر لیتی ہوں۔ میں نے کہا یہ وجود کیسا تھا جو بڑھتا گھٹتا تھا۔ اور وہ کیسی آگ تھی جو ظاہر ہو رہی تھی۔ تو اس نے کہا، میرے پاس سیاہ رنگ کی لمبی چادر ہے اور وہ اس کو تہ خانے سے لے آئی اور یہ چند چھڑیاں ہیں جن کے سروں پر لوہے کی شامیں لگی ہوئی ہیں کہ چادر کے اندر دے کر ایک چھڑی میں دوسری دے کر اس کو اونچا کرتی رہتی ہوں تو کافی اونچی ہو جاتی ہے۔ جب کم کرنا چاہتی ہوں تو ان کے سروں کو ایک ایک کر کے سُراخوں میں سے الگ کر دیتی ہوں تو وہ چھوٹی ہو جاتی ہے۔ اور آگ جو ہے وہ ایک موم بتی ہے جو میرے ہاتھ میں ہے میرے ساتھ ہوتی ہے

میں صرف اس کا سر اتنی مقدار میں نکالتی ہوں جس سے چادر روشن ہو جائے اور اُس نے مجھے موم بتی اور چادر اور چھڑیں سب دکھائیں۔ پھر کہنے لگی کہ یہ حیلہ بیس برس سے کچھ زیادہ عرصہ سے چل رہا ہے۔ اور میں کوفہ کے سواروں کے سامنے بھی آئی ہوں۔ اور بہادروں کے بھی، ہر ایک ہی کے سامنے آئی ہوں۔ مگر تیرے سوا کوئی بھی میرا پیچھا نہ کر سکا اور میں نے تیرے سے زیادہ سخت دل کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر ادرع اس کو کوفہ لے کر آیا اور اس کو اس کے موالی کے حوالہ کیا اور وہ اپنا یہ پورا قصہ سُنایا کرتی تھی اور اس کے بعد پھر وہ بھوت کا اثر کبھی نظر نہیں آیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب واقعہ سچا ہے۔

(۶۵) • قاضی ابو حامد خراسانی نے بیان کیا کہ ابن عبدالسلام الہاشمی نے بصرہ میں اپنا محل بنانا شروع کیا اور اس کی چاروں جانبیں ٹھیک نہیں ہوتی تھیں۔ جب اس کا اس میں برابر برابر کا ایک چھوٹا گھر بھی شامل کر لیا جائے جو ایک بڑھیا کا تھا۔ اس نے اپنا گھر فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود ہاشمی نے اس کی قیمت کئی گنا زیادہ لگا دی۔ مگر وہ اپنے انکار پر قائم رہی انھوں نے اس کی شکایت مجھ سے کی۔ میں نے کہا کہ یہ تو آسان بات ہے۔ ہم اس کو فروخت کر دیں گے کہ وہ خود آپ سے کہے گی اور آپ اس کو اصلی قیمت ہی پر خریدیں۔ پھر میں نے اس کو بلایا اور اس سے کہا کہ اے عورت تیرے گھر کی قیمت اس سے کم ہے جو تجھے دی جا رہی ہے۔ اور اصل سے کئی گنا زیادہ ہے اگر اس کو تو قبول نہ کرے گی تو میں تجھ پر حجر کا حکم نافذ کر دوں گا (یعنی پابندی لگا دی جائیگی تو اپنا مال فروخت نہ کر سکے)

قاضی کو اختیار ہوتا ہے کہ بڑھاپے یا دیوانگی کی وجہ سے کسی پر بھی ایسی

پابندی عائد کردے کہ وہ اپنے چیز ضائع کرکے ورثاء کا حق تلف کرنے سکے اس کو حجر کہتے ہیں۔) کیوں کہ تیری طرف سے مال کا ضائع ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس عورت نے کہا کہ میں آپ کے قربان جاؤں۔ قاضی صاحب یہ حجر اس شخص پر نافذ کیوں نہیں ہوتا جو ایک درہم کی چیز دس درہم کی دینا چاہتا ہے اور (بہت اچھا) میں نے اپنا (حق) گھر (سے) چھوڑا۔ پھر مجھے اس کی فروخت کا اختیار ہی نہیں رہا۔ اب میں اس کے ہاتھ میں بندھ کر رہ گیا (کوئی جواب ہی نہ بن پڑا)

(۶۶) • اہلِ حجاز میں سے ایک شخص (دورانِ سفر میں) ملل میں اتر گیا اور اس نے لوگوں سے پوچھا یہ کون سی بستی ہے؟ تو اس کو بتایا گیا ملل اور اس کے سامنے ایک سیاہ رنگ کی لڑکی کھڑی ہوئی تھی جو عجم کے لب و لہجہ میں بولتی تھی۔ وہ کہیں دور جانے والی تھی تو حجازی نے (ملل کا نام سنکر) کہا خدا قتل کرے اس شخص کو جس نے یہ شعر کہا ؎

اخذت الیٰ ملل الشعیرۃ والھویٰ علی ملل یا لھف قلبی علی ملل

(ترجمہ) میں نے ملل کی محبت میں (یہاں) جو کے پانی (ستو) پر اکتفار کیا۔ دلی افسوس ہے ملل پر کہ تمام راحتیں قربان ہو گئیں! اور کون سی چیز ہے ملل کی جس پر وہ فریفتہ تھا۔ یہ محض ایک سیاہ پتھریلی جگہ ہے۔

اس لڑکی نے کہا، ہاں! باپ کی قسم اس شخص کے لیے یہاں اس طرح کا غم موجود تھا جس سے تو آشنا ہے۔

(۶۷) • مبرّد نے بیان کیا کہ یسار الکواعب بنی حرث بن سعد بن قضاعہ کے لوگوں کا غلام تھا اور یہ ان کے اونٹوں کا چرواہا تھا۔ اس نے قبیلہ کی بعض عورتوں سے چھیڑ کی اور یہ غلام سیاہ رنگ کا تھا۔ تو ان میں سے ایک عورت نے اس کو فریب دیا اور ایسا انداز اختیار کیا کہ گویا اس نے اپنے بعض

چرواہے دوستوں سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کو اس حرکت سے منع کیا اور اس سے کہا یا یسار کل من لحم الحوار واشرب من لبن العشار ودع عنك بنات الاحرار۔

(ترجمہ) اے یسار اونٹنی کے بچہ کا گوشت کھا تارہ اور قریب الولادت اونٹنی کا دودھ پیتا رہ۔ آزاد عورتوں کا خیال چھوڑ) اس پر یسار نے کہا۔ اذا جئتنا ضحکت اس نے ضحکت کہنا چاہا (یعنی جب میں اس کے پاس پہنچا وہ ہنسی) مجھ پر خفا نہیں ہوئی۔ پھر جس روز اس عورت نے وعدہ کیا تھا اس کے مطابق یسار پہنچ گیا۔ اس نے کہا ٹھہر جا پہلے تجھے سنوار دوں۔ اس کے بعد اس کو پکڑا کر اس کی ناک کان کاٹ ڈالے پھر یسار اپنے ساتھی کے پاس گیا جس نے اس کو منع کیا تھا تو اس کو نہیں پہچانا اور کہا تو کون ہے کم بخت؟ اُسنے کہا یسار، ساتھی نے کہا، یسار تو ایسا ہو گیا۔ نہ تیری ناک باقی رہی اور نہ کان" یسار نے کہا، تجھے کیا دکھائی دے رہا ہے۔ تجھ پر افسوس ہے کھلی آنکھوں والے تو یہ ایک ضرب المثل بن گئی (یعنی یہ جملہ فما تری ویحك وبیض العینین) تو کیا دیکھ رہا ہے تجھ پر افسوس ہے آنکھوں کی روشنی کے ہوتے ہوئے (یعنی یہ تو موجود ہیں) اور یہ غلام یسار الکواعب کے نام سے مشہور ہو گیا اور جریر نے ایک شعر میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ جب کہ فرزدق نے بنی شیبان کی ایک عورت سے نکاح کیا تھا اور (پیغام کے وقت) مہر میں اضافہ کیا تھا تو جریر نے اس سے عار دلاتے ہوئے کہا تھا ؎

وانی لاخشیٰ ان خطبت الیهموا علیك الذی لاقی یسار الکواعب

(ترجمہ) اور مجھے تجھ پر بڑا اندیشہ ہے کہ اگر تو نے ان کے پاس پیغام نکاح بھیجا تو تیرے ساتھ وہی معاملہ پیش آئے جو یسار الکواعب نے بھگتا تھا۔

(۶۸) ابن قتیبہ نے بیان کیا کہ میرے پاس ایک کنیز ہدیہ لے کر آئی۔ میں نے کہا کہ تیرے آقا کو معلوم ہے کہ میں کوئی ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ اس نے کہا کہ کیوں؟ میں نے کہا اس سے ڈرتا ہوں کہ اس ہدیے کی بنا پر ہدیہ لانے والے مجھ سے پڑھنے کیلیے مدد مانگنے آجائیں گے۔ اس نے کہا جس قدر لوگوں نے امداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لی ہے وہ کہیں زیادہ ہے۔ آپ ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے۔ تو میں نے اس کا ہدیہ قبول کر لیا اور وہ کنیز مجھ سے زیادہ دین میں سمجھدار نکلی۔

• ہم کو حکایت پہنچی کہ ایک شخص ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہو گیا

(۶۹) اس نے امام ابوحنیفہ کے پاس آکر عرض کیا کہ میرے پاس تھوڑی پونجی ہے اور (وہ لوگ محض دنیا پرست ہیں) اگر ان کو ان کا علم ہو گیا تو وہ نکاح نہ کریں گے (یہ سُن کر ابوحنیفہ اس کی امداد کے لیے آمادہ ہو گئے)

اور اس سے انھوں نے کہا کہ میرے ہاتھ اپنا حشفہ بارہ ہزار درہم میں بیچنے کے لیے تیار ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اب (اس وقت تم ان لوگوں کو پیغام بھیجو تو) ان سے کہدینا کہ ابوحنیفہ میرے حالات سے واقف ہیں۔ اس شخص نے جاکر اپنا رشتہ پہنچا دیا۔ ان لوگوں نے اس کے بارے میں ابوحنیفہ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا میں اس کو اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ ایک دن میرے پاس آیا تو اس سے ایک چیز کا جو اسکے پاس تھی بارہ ہزار درہم پر معاملہ کیا مگر اس نے نہیں بیچی۔ تو انہوں نے کہا، یہ بات دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ وہ مالدار شخص ہے تو اس سے نکاح کر دیا۔ اس کے بعد جب عورت کو اس کا حال پورے طور پر معلوم ہوا تو اس نے اپنے شوہر سے کہا۔ تمھیں مال نہ ہونے سے تنگ دل نہ ہونا چاہیے اور میرا پورا مال تمھارے اختیار میں ہے۔ پھر وہ عورت اپنا زیور اور خاص جوڑا پہن کر ابوحنیفہؒ

کے پاس گئی اور یہ ظاہر کیا کہ وہ ایک فتوے کی وجہ سے آئی ہے۔ اور انکے گھر میں داخل ہو گئی اور اپنا منھ کھول دیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ تو پردہ کر۔ اس نے کہا ایسا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ میں ایک ایسی بات میں مبتلا ہو گئی ہوں کہ اس سے خلاصی صرف آپ ہی دلا سکتے ہیں۔ میں اس بقال کی لڑکی ہوں جس کی دکان اس گلی کے سرے پر ہے۔ اور میری عمر اچھی خاصی ہو گئی ہے۔ مجھے شوہر کی ضرورت ہے۔ وہ میرا نکاح نہیں کرتا۔ اور جو شخص رشتہ لے کر آتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ میری بیٹی کانی ہے، گنجی ہے، اور لنجی ہے اور پھر اس نے اپنے منھ سے اور سر سے اور ہاتھوں سے کپڑا ہٹا کر دکھایا۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ میری بیٹی لنگڑی ہے اور اس نے (یہ کہہ کر) پنڈلی سے کپڑا ہٹایا اور کہا میں چاہتی ہوں کہ آپ کوئی تدبیر میرے لیے کر دیں۔

انھوں نے کہا کیا تو میری زوجہ بننے پر رضامند ہے تو اس نے اُنکے پیر چوم لیے اور کہنے لگی میں تو آپ کے غلام کے قابل بھی نہیں۔ آپ نے کہا اب تم جاؤ۔ فی امان اللہ! وہ چلی گئی۔

پھر ابو حنیفہؒ نے بقال کو بلایا۔ اور اس کو پچاس دینار دیے اور کہا کہ اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دے۔ اور ایک سو دینار مہر کا بیعنامہ لکھ دیا۔ اسنے کہا، اے میرے سردار! آپ اس امر کی پردہ پوشی فرمائیں گے، کیونکہ اللہ نے مجھے ایک ہی بیٹی دی ہے۔ جس کا نکاح آپ سے کر رہا ہوں۔ انھوں نے کہا یہ بات چھوڑو، میں تمھاری بیٹی سے جو گنجی، لنجی اور لنگڑی ہے راضی ہوں۔ اب اس نے ڈیڑھ سو دینار مہر پر ان سے نکاح کر دیا اور چلا گیا۔ اور اپنی بیوی کو پورا واقعہ سُنایا اس نے کہا، واللہ (بہت اچھا ہوا) سوائے ابو حنیفہ کے کسی اور پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ پھر جب عشاء کا وقت ہو گیا تو

اس کے باپ نے اس لڑکی کو ایک ٹوکرے میں اٹھایا۔ وہ اور اس کا غلام لگوا کر لائے۔ جب ابو حنیفہؒ نے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا بات ہے (اور لڑکی کے آنے کا واقعہ سُنایا) تو بقال نے کہا کہ اس کی ماں پر طلاق ہو اگر اس کے سوا میری اور کوئی بیٹی بھی ہو۔ تو ابو حنیفہؒ نے کہا میں اس کو تین طلاق دیتا ہوں۔ تم میری تحریر واپس کردو اور وہ پچاس دینار میں نے تم کو دیے۔

اس بارے میں ابو حنیفہؒ ایک ماہ تک سوچتے رہے کہ (یہ کیا راز تھا) پھر وہ عورت ان کے پاس آئی تو انھوں نے اس سے کہا کہ کس چیز نے تجھے اس بات پر اُکسایا جو تو نے میرے ساتھ ایسا کیا اُس نے کہا اور آپ کو کس نے اس امر پر اُکسایا کہ ایک فقیر شخص کے بارے میں ہم کو دھوکے میں ڈالا۔

ضروری نوٹ

اس واقعہ کا انتساب امام ابو حنیفہؒ جیسے امام پر عقل کیسے قبول کر سکتی ہے۔ اور آپ کے معاصرین میں سے کسی نے بھی کوئی ایسی روایت نہیں کی۔ یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کیتھا انھوں نے اپنی عادت کے مطابق کوئی سند بیان نہیں کی۔ صرف بلغنا لکھ دیا۔

اس کہانی کی حیثیت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ عوام کی عادت ہے کہ جو شخص کسی صفت میں مشہور ہوتا ہے اگر کوئی شخص اسی صفت سے تعلق رکھنے والی داستان تصنیف کرتا ہے یا واقعہ کسی سے متعلق ہوتی ہے۔ مگر لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ قصہ کس کا ہے تو اس کا ہیرو اسی مشہور شخصیت

کو تجویز کرنے میں تامل نہیں کرتا۔ جیسا کہ مسخرے پن کے سیکڑوں واقعات کا ہیرو مُلّا دوپیازہ کو اور حاضر جوابی کی داستانوں کیلیے بیربل کو اور عیاشیوں کی داستانوں کے لیے ہارون رشید وغیرہ کو بنا لیا جاتا ہے۔

چونکہ امام صاحب کی ذکاوت مسلّم تھی اور ہر زمانہ میں مسلّم رہی۔ اور آپ کو بھی نہ بخشا گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایسے واقعات کا منشا عوام کو مسلکِ حنفیہ سے متنفر کرنا ہو۔"

واللہ اعلم بالصواب

(۷۰) • ابوالحسن السیبی نے بیان کیا کہ جو مسترشد باللہ کے مؤذن تھے کہ بعض چلتے پھرتے تاجروں نے ذکر کیا کہ ہم مختلف شہروں سے آکر (مصر کی) جامع عمرو بن العاص میں جمع ہو جاتے اور باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن ہم بیٹھے تھے اور باتیں کر رہے تھے کہ ہماری نظر ایک عورت پر پڑی جو ہمارے قریب ایک ستون کے نیچے بیٹھی تھی۔

ایک آدمی نے جو کہ بغداد کے تاجروں میں سے تھا اس عورت سے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ میں ایک لاوارث عورت ہوں۔ میرا شوہر دس سال سے مفقود الخبر ہے، مجھے اس کا کوئی حال معلوم نہیں ہوا۔ میں قاضی صاحب کے یہاں گئی کہ وہ میرا نکاح کر دیں مگر انھوں نے روک دیا اور میرے شوہر نے کوئی سامان بھی نہیں چھوڑا کہ جس سے گزر اوقات کر سکوں۔ میں کسی ایسے آدمی کی تلاش میں ہوں کہ جو میری امداد کے لیے گواہی دے دے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ واقعی میرا شوہر مر گیا یا اس نے مجھے طلاق دے دی تاکہ میں نکاح کر سکوں۔

یا وہ شخص یہ کہہ دے کہ میں اس کا شوہر ہوں۔ اور پھر مجھے قاضی کے سامنے طلاق دے دے تاکہ میں عدت کا زمانہ کسی طرح گزار کر نکاح کرلوں تو اس شخص نے اس سے کہا کہ تو مجھے ایک دینار دے دے تو میں تیرے ساتھ جاکر قاضی سے کہہ دوں گا کہ میں تیرا شوہر ہوں اور تجھے طلاق دے دوں گا۔

یہ سُن کر وہ عورت رونے لگی اور اس نے کہا خدا کی قسم میرے پاس اس سے زیادہ نہیں ہے۔ اور اس نے چار رباعیاں نکالیں (یہ کوئی سکہ تھا۔ غالباً چوتھائی درہم ہوگا۔ دس پیسے جیسا) تو اس شخص نے وہی اس سے لے لیے اور اس عورت کے ساتھ قاضی کے یہاں چلا گیا۔ اور پورے دن ہم سے نہیں ملا۔ اگلے دن اس سے ہماری ملاقات ہوگئی۔ ہم نے اس سے پوچھا (تم کہاں رہے) اتنی دیر کیسے ہوگئی؟ تو اس نے کہا، چھوڑو بھئی میں ایک ایسی بات میں پھنس گیا تھا جس کا ذکر بھی رسوائی ہے۔

ہم نے کہا، کچھ تو بتاؤ؟ اس نے بیان کیا کہ میں اس عورت کے ساتھ قاضی کے یہاں گیا تو اس نے مجھ پر زوجیت کا دعویٰ کیا اور دس سال تک غائب رہنے کا۔ اور درخواست کی کہ میں اس کا راستہ صاف کردوں۔ میں نے اس کے بیان کی تصدیق کردی۔ تو اس سے قاضی نے کہا کہ تو (ابھی) علیحدگی چاہتی ہے اس نے کہا واللہ! نہیں۔ اس کے ذمہ میرا مہر ہے اور دس سال کا خرچہ جو میرا حق ہے۔ تو مجھ سے قاضی نے کہا کہ اس کا حق ادا کر۔ اور تجھے اختیار ہے اسکو طلاق دینے یا روکے رکھنے کے بارے میں۔ تو میرا حال یہ ہوگیا کہ میں حیرت میں پڑ گیا اور ہمت نہ ہوسکی کہ اصل صورتِ واقعہ بیان کرسکوں۔

اب قاضی نے یہ اقدام کیا کہ مجھے کوڑے مارنے والے کے حوالے کردیا۔ بالآخر دس دینار پر باہمی تصفیہ ہوا جو اس نے مجھ سے وصول کرلیے اور وہ چاروں

رباعیاں جو اس نے مجھے دی تھیں وہ وکلاء اور قاضی کے اہل کاروں کو دینے میں خرچ ہوگئیں، اور اُتنی ہی میری جیب سے خرچ ہوئیں۔ ہم نے اس کا بہت مذاق اُڑایا۔ وہ شرمندہ ہوکر مصر ہی سے چلا گیا اور اس کا کوئی حال معلوم نہیں ہو سکا۔

• یہ حکایت شیخ ابوالوفا ابن عقیل کی تحریر سے نقل کی گئی ہے۔

(۷۱) لکھتے ہیں بعض دوستوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک عورت ایک پنساری کی دکان پر جو رنڈوا تھا آکر بیٹھ گئی اور شام تک بیٹھی رہی۔ جب اس نے دکان بند کرنے کا ارادہ کیا تو اس عورت نے اپنا چہرہ اس کے سامنے کر دیا۔۔۔۔ دکان دار نے اس سے کہا اب شام ہوگئی کیا ہوگا؟ عورت نے جواب دیا واللہ! میرا کوئی مکان نہیں ہے جس میں رات گزار سکوں تو دکان دار نے عورت سے کہا تو میرے ساتھ گھر چل۔ وہ آمادہ ہوگئی۔ اور اس کے ساتھ گھر چلی گئی۔ اور اس شخص نے اس کو نکاح کا پیغام دیا جو اس نے قبول کر لیا۔ اور اس سے نکاح ہوگیا۔ اور وہ اس کے پاس تین دن رہی جب چوتھا دن ہوا تو ایک آدمی آیا۔ اس کے ساتھ کچھ عورتیں بھی تھیں جو اس عورت کی تلاش میں آئے تھے۔ دکاندار نے ان کو گھر بلایا اور تعظیم کی اور پوچھا کہ تمھارا اس سے کیا تعلق ہے۔ انھوں نے کہا ہم اس کے رشتہ دار ہیں، چچا کا لڑکا اور چچا کی لڑکیاں ہیں۔

جب ہم کو اس تعلق کی خبر ہوئی تو ہم کو بہت خوشی ہوئی۔ ہم صرف آپ سے اتنا چاہتے ہیں کہ آپ اس کو ایک شادی میں شرکت کے لیے اور چلنے کی اجازت دے دیں جو ہمارے عزیزوں میں ہے۔ یہ شخص اس عورت کے پاس گیا تو اس نے کہا تم ان کی بات نہ ماننا اور میری طلاق کا حلف کر لینا اور مجھ سے کہہ دینا کہ اگر تو میرے گھر سے ایک مہینہ تک باہر نکلی تو تجھ پر طلاق۔ تاکہ شادی کا زمانہ گزر جائے

اس میں میری بھلائی ہے اور تمہاری بھی۔ ورنہ یہ لوگ مجھے لے جاکر تمہاری طرف سے خراب کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیوں کہ میں ان سے ناخوش تھی اور تم سے بغیر ان کے مشورہ کے نکاح کرلیا۔ اور مجھے نہیں معلوم کہ کس نے ان لوگوں کو تم تک پہنچادیا۔ اس شخص نے آکر ان کے سامنے جس طرح اس نے سمجھایا تھا حلف کرلیا۔ تو جب یہ لوگ مایوس ہوکر واپس چلے گئے اس نے دروازہ بند کردیا۔ اور وہ دکان پر چلا گیا مگر اس کا دل عورت ہی میں اٹکا رہا۔ اور وہ عورت وہاں سے روانہ ہوگئی۔ اور اپنے ساتھ گھر میں سے کوئی چیز لے کر نہیں گئی۔ جب وہ دکان سے واپس آیا تو عورت اس کو نہ ملی۔ ایک شخص نے (شیخ ابوالوفاء سے) پوچھا کہ اس عورت کا مقصد کیا تھا۔ تو شیخ ابوالوفاء نے کہا غالباً اس عورت نے حلالہ کی یہ صورت نکالی ہو۔ اس وجہ سے کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں۔ تو چاہیے کہ اس قسم کے معاملات میں آدمی بے خوف نہ ہو اور لوگوں کو گھر کے حیلوں سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

اگر عورت نہ ہوتی زندگی بے نور ہو جاتی
مصائب ہائے لامحدود سے معمور ہو جاتی

(لامعلوم)

باب ۳۰

ایسے چوپائے (جانوروں) کا بیان جن کی حرکتیں انسانوں کے مشابہ ہیں

(۱) • ابو سعید روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکھی کے دونوں پروں میں سے ایک میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفا ہے اور وہ اپنا بچاؤ اس طرف کے پر سے کرتی ہے جس میں بیماری ہے (یعنی جب کسی چیز میں گرتی ہے تو اسی طرف سے کرتی ہے) تو جب وہ تمھارے کسی برتن میں گر جائے (جس میں شوربہ وغیرہ ہو) تو چاہیے کہ اسے پوری کو غوطہ دو پھر نکال کر پھینک دو (یہ مکھی کی ذکاوت ہے کہ وہ اچھے حصے کو نقصان سے بچانا چاہتی ہے)

(۲) • ابو صالح ابو ہریرہؓ سے اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص کشتی میں شراب بیچا کرتا تھا اور اس میں پانی ملا دیا کرتا تھا۔ اور اس کے ساتھ کشتی میں ایک بندر بھی تھا۔

ایک مرتبہ اس کی تھیلی جس میں اس کے دینار تھے اس بندر کے ہاتھ آگئی وہ اس کو لے کر کشتی کے مسئول کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ اور تھیلی کھول کر ایک دینار

دریا میں پھینکتا اور یک کشتی میں ڈالنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ تھیلی میں کچھ باقی نہ رہا (بندر کی ذکاوت نے کمال عدل کا تماشا دکھا دیا کہ پانی کے حصہ کی قیمت دریا کے حوالے کر دی اور اصل شئی کی قیمت مالک کے حوالے کر دی۔

• محمد بن ناصر نے بیان کیا کہ ایک شخص بعض سلاطین کی طرف پہنچا تھا (۳) اور اس کے ساتھ ارمینیہ کا حاکم تھا۔ یہ اپنے جائے اقامت پر واپس ہو رہا تھا اس کا گزر ایک مقبرہ پر ہوا) اس میں ایک قبر پر ایک قبہ تعمیر کیا گیا تھا جس پر لکھا تھا کہ یہ کتے کی قبر ہے۔ جو شخص اس کا حال معلوم کرنا چاہے اس کو چاہیے کہ فلاں بستی میں جائے جو ایسی اور ویسی ہے (یعنی بستی کا محل وقوع پتہ اور نام و نشان دیا گیا تھا) وہاں ایک شخص اس کا حال بتائے گا۔

اس شخص نے بستی کا راستہ معلوم کیا تو لوگوں نے راستہ بتا دیا یہ بستی میں پہنچا اور بستی والوں سے معلوم کیا تو انھوں نے ایک بوڑھے کا پتا بتا دیا جس کی عمر سو برس سے زیادہ تھی۔ اس نے بوڑھے سے مل کر سوال کیا۔ تو اس نے یہ قصہ سنایا، کہ میرے نواح میں ایک عظیم الشان بادشاہ تھا اور وہ سیر و شکار اور سفر میں مشہور تھا اور ایک کتا تھا جو پلا ہوا اور اس سے جدا نہ ہوتا تھا۔ ایک دن وہ اپنی کسی شکارگاہ کی طرف جانے لگا تو اس نے اپنے بعض غلاموں کو اس نے حکم دیا کہ باورچی سے کہدیں کہ ہمارے لیے دودھ کی کھیر تیار کرے کیونکہ ہمیں اس کی خواہش ہے۔ یہ بنا لینا۔ یہ کہہ کر وہ اپنی سیرگاہ کو روانہ ہو گیا، باورچی نے اس کی تیاری شروع کر دی۔ دودھ لایا اور اس نے بادشاہ کے لیے کھیر تیار کر دی۔ اور اس کو ڈھکنا بھول گیا۔ اور پھر دوسرے کھانوں کی تیاری میں مشغول ہو گیا۔ تو دیوار کے سوراخ سے ایک زہریلا سانپ نکلا اور اس نے اس دودھ میں منھ ڈال دیا اور کھیر میں اپنا زہر چھوڑ دیا۔ کتا کھڑا ہوا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اگر اس کے

اختیار میں سانپ بھگانے کا کوئی حیلہ ہوتا تو وہ اس کو دور کر دیتا۔

اور وہیں ایک باندی بھی تھی کمزور، نازک، گونگی، جس کی ٹانگیں ماری ہوئی تھیں اس نے بھی سانپ کی یہ حرکات دیکھ لی تھیں۔

جب بادشاہ شکار سے آخر دن میں واپس آیا۔ تو اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ پہلے میرے پاس کھیر لاؤ۔ جب کھیر اس کے سامنے رکھی گئی تو گونگی نے اس کو اشارہ کیا مگر وہ نہیں سمجھا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے اور کتّے نے بھوکنا اور چلّانا شروع کر دیا، مگر اس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ کتا اور زور سے چلّایا پھر بھی وہ اس کا مطلب نہیں سمجھا۔ اور اس کے سامنے کھانے کے لیے جو روزانہ ڈالا کرتا تھا ڈال دیا۔ مگر کتّا اس کے قریب بھی نہیں گیا اور چلاتا ہی رہا تو اس نے غلاموں سے کہا کہ اس کو ہمارے سامنے سے ہٹا دو۔ یہ اس کی عادت ہے۔ اور کھیر کی طرف ہاتھ بڑھا دیا جب کتّے نے دیکھا کہ بادشاہ نے کھانے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو دسترخوان پر چڑھ گیا اور اپنا منھ اس پیالے میں ڈال دیا اور اس میں سے ایک گھونٹ ہی پیا تھا کہ فوراً مر گیا۔ اور بادشاہ کتّے کی اس حالت اور اس کی حرکات سے حیران رہ گیا پھر ان کو گونگی نے اشارے کئے۔ اس وقت وہ کتّے کا مطلب سمجھے۔

بادشاہ نے اپنے مصاحبوں اور خادموں سے کہا کہ جس نے اپنی جان کو مجھ پر قربان کر دیا وہ خاص سلوک کا حق دار ہے۔ اس کو میرے سوا کوئی نہ اٹھائے اور دفن نہ کرے تو بادشاہ نے اس کو دفن کیا اور اس پر یہ قبّہ تعمیر کرایا اور اس پر وہ تحریر لگائی گئی جو تم نے پڑھی۔

• ابو عثمان مدائنی نے بیان کیا کہ بغداد میں ایک آدمی ہمارے پڑوس (۴) میں رہتا تھا جس نے بہت سے کتّے کھیل کے لیے پال رکھے تھے۔

ایک دن علی الصباح اس نے کسی ضرورت کے لیے جانا چاہا۔ اس کے پیچھے اس کا ایک کتا بھی چل دیا۔ جو اس کے اور دوسرے کتوں کی بہ نسبت ان سے زیادہ خصوصیت رکھتا تھا۔ اس نے اس کو لوٹانا چاہا مگر وہ نہیں لوٹا۔ اس شخص نے چلدیا۔ اور یہاں تک کہ چند ایسے لوگوں تک پہنچ گیا جن سے اس کی دشمنی تھی۔ تو انھوں نے اس پر حملہ کردیا اور اس کو قابو میں کرلیا۔ اور کتا بھی ان کو دیکھ رہا تھا تو کتا وہاں سے نکلا، اور (مالک کی حمایت میں) اس پر بھی ایک زخم لگا۔ وہ مالک کے مکان پر آیا اور بھونکتا رہا۔ اور اس شخص کی ماں اپنے بیٹے کو ڈھونڈھ رہی تھی۔ کتے کے زخم کو دیکھکر اس کو یقین ہوگیا کہ بیٹے کو قتل کردیا گیا۔ اور قتل کے نتیجہ ہی میں اس کے زخم لگا ہے۔ اور پورا یقین ہوگیا کہ وہ ختم ہو چکا ہے، تو وہ اس پر ماتم کرنے لگی۔ اور سب کتوں کو گھر سے باہر نکال دیا اور وہ کتا برابر اس کی فکر میں لگا رہا۔

ایک روز ایسا ہوا کہ یہ قاتل ادھر سے چلا جارہا تھا۔ اور وہ کتا بھی کھڑا ہوا تھا۔ کتے نے اس کو پہچان لیا اور اس کو جھنجھوڑ ڈالا اور چمٹ گیا۔ راستہ چلنے والوں نے اس کو چھڑانے کی ہر چند کوشش کی مگر کوئی تدبیر نہ چلی تو ایک شور مچ گیا۔ اور گلی کا محافظ آیا تو اس نے دیکھ کر کہا کتے کا اس کو لپٹ جانا یوں ہی بے معنی نہیں۔ ضرور اس میں کوئی خاص راز معلوم ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے یہی وہ شخص ہو جس نے اس کو زخمی کیا تھا۔ اور (شور وشغب کو سن کر) اس مقتول کی ماں بھی نکل آئی اس نے کتے کو دیکھا کہ وہ اس شخص کو چمٹا ہوا ہے۔ اور محافظ کی گفتگو بھی اس کے کانوں میں پڑی تو اس کو یاد آگیا کہ یہی وہ شخص ہے جو اسکے بیٹے کا دشمن تھا تو وہ بھی اس کو لپٹ گئی۔ اس نے اس پر دعوئ قتل دائر کردیا۔ دونوں پولیس افسر کے سامنے پیش ہوئے۔ تو حاکم نے اس شخص کو مار پیٹ کر کے قید کردیا۔ مگر اس نے اقرار نہ کیا۔ کتا قید خانہ کے دروازے پر بیٹھا ہی رہا۔

(اور پیچھا نہ چھوڑا) جب چند روز گزر گئے (اور ثبوت نہ ملا) تو اس شخص کو چھوڑ دیا گیا۔

جب یہ شخص نکلا تو کتا پھر لپٹ گیا۔ دونوں کو علیحدہ کیا گیا۔ لیکن وہ مستقل اس کے پیچھے چلتا رہا اور بھونکتا رہا۔ یہاں تک کہ جب وہ شخص اپنے گھر میں داخل ہوا تو کتا بھی اس کے پیچھے پیچھے گھر میں جا گھسا اور اس کے ساتھ ساتھ ایک پولیس افسر اسی طرف جا رہا تھا۔ یہ شخص نہیں سمجھ سکا۔ اور وہ بھی گھر میں گھس گیا۔ کتے نے (اندر جا کر) جس جگہ مقتول دبا ہوا تھا اس نے اپنے پنجوں سے وہاں کی مٹی ہٹانا شروع کر دی۔ پھر اس جگہ کو کھودا، تو لاش دستیاب ہوگئی پھر اس قاتل کو گرفتار کر کے زدوکوب کیا گیا تو اس نے اقبالِ جرم کر لیا۔ اور دوسروں کے نام بھی بتا دیے۔ تو یہ شخص قتل کیا گیا اور ان کو بھی سولی دی گئی

• محمد بن الحسین بن شداد نے بیان کیا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے (۵) یہاں ایک کتا تھا۔ اس کو اپنے قریب بٹھا رکھا تھا۔ اور خوبصورت دیباج سے اس کی پشت کو ڈھانپ رکھا تھا میں نے (اس قدر محبت کا) سبب پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ میرا ایک ساتھی تھا جس کا رہنا سہنا میرے ساتھ تھا۔ ہم دونوں ایک سفر کے لیے روانہ ہوئے (اور کتا بھی ساتھ تھا) میری کمر میں ایک ہمیانی بندھی ہوئی تھی جس میں دینار ہی دینار بھرے ہوئے تھے

ے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کو خلیفہ راضی باللہ کے سامنے پیش کیا گیا اور اس کے حکم سے قید کیا گیا پھر جب اس نے اقرار نہ کیا تو رہا کر دیا گیا۔ پھر آگے وہی صورت پیش آئی جو یہاں تحریر کی گئی اور لکھا ہے کہ خلیفہ نے اپنے غلام کو تفتیش کے لیے قاتل کے ساتھ بھیجا بالآخر قاتل کو اقرار کرنا پڑا اور دوسرے قتل کے شریک بھاگ گئے۔

اور میرے ساتھ کافی قیمتی سامان تھا ہم نے دوران سفر میں ایک جگہ قیام کیا۔ میرے ساتھی نے مجھ پر حملہ کر دیا اور میری مشکیں کس دیں اور مجھے وادی میں ڈال دیا اور جو کچھ میرے ساتھ تھا سب چھین کر چلتا بنا۔ یہ کتا میرے ساتھ بیٹھا رہا۔ پھر مجھے چھوڑ کر بھاگا اور جلد ہی میرے پاس واپس پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ ایک روٹی تھی جس کو اس نے میرے سامنے ڈال دی۔ میں نے اسے کھالیا اور گھسٹتا ہوا ایسی جگہ پہنچا جہاں پانی تھا۔ میں نے اس میں سے پانی پی لیا اور کتے نے باقی تمام رات میرے ساتھ گزاری۔ پھر میں سو گیا۔ جب میں جاگا تو کتے کو نہ پایا پھر کچھ دیر کے بعد وہ میرے پاس آ گیا۔ وہ روٹی لیے ہوئے تھا میں نے اسکو کھالیا۔ پھر جب تیسرا دن ہوا تو وہ پھر میرے پاس سے غائب ہو گیا۔ میں نے خیال کیا کہ وہ میرے واسطے روٹی لے کر آجائے گا۔ چنانچہ وہ روٹی لے کر آ گیا ابھی میں وہ روٹی پوری کھانے نہ پایا تھا کہ میں نے اپنے سرہانے اپنے بیٹے کی رونے کی آواز سنی اور اس نے گھبرا کر کہا یہاں آپ کیا کر رہے ہیں۔ اور آپ کو کیا واقعہ پیش آیا۔ وہ سواری سے اتر گیا اور اس نے میری مشکیں کھولیں۔ اور مجھے اس بندش سے نکالا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ میرے یہاں موجود ہونے کا علم تم کو کیسے ہوا۔ اور کس نے تمہیں مجھ تک پہنچایا۔

اس نے کہا کہ کتا ہمارے پاس روزانہ آتا رہا ہے۔ ہم اس کو اس کے حصے کی روٹی ڈالتے تھے وہ روٹی کو کھاتا نہیں تھا اور لے کر بھاگ جاتا تھا چونکہ وہ آپ کے ساتھ تھا تو اس سے ہم کو تشویش پیدا ہوئی کہ وہ بغیر آپ کے تنہا کیسے آتا ہے اور وہ روٹی کو اپنے منہ میں اٹھا کر کہاں لے جاتا ہے؟ اور اس کو چکھتا بھی نہیں۔ پھر اگلے دن بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ اس بات سے ہم کو سخت تشویش ہو گئی۔ پھر میں اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ یہاں تک کہ

آپ کے پاس پہنچ گیا۔ یہ ہے میرا اور اس کتے کا واقعہ۔

• یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ حارث بن صعصعہ کے چند ایسے دوست تھے جو (۶) ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے۔ ان میں سے ایک دوست نے انکی بیوی سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی اور اس سے راہ ورسم پیدا کی۔ حارث کے پاس ایک کتا تھا۔ جس کو اس نے پال رکھا تھا۔ ایک مرتبہ حارث ایک سیرگاہ کی طرف چلا گیا۔ اور وہ آدمی اس کے ساتھ نہیں گیا۔ وہ اس کی بیوی کے پاس پہنچا اور اس سے اختلاط شروع کردیا۔ اور جب اس کے ساتھ جماع میں مشغول ہوگیا تو کتے نے دونوں پر حملہ کردیا، اور دونوں کو پھاڑ ڈالا جب حارث واپس لوٹا تو اس نے ان دونوں کو دیکھا اور تمام ماجرا سمجھ گیا اس کے بعد تمام دوستوں سے تعلقات ترک کردیے اور صرف کتے ہی کو اپنا ہمدرد بنالیا۔ عرب میں واقعہ مشہور ہوگیا۔ اس نے یہ شعر کہے ؎

فللکلب خیر من خلیلی یخونني ویلکح عرسی بعد وقت رحیلی

(ترجمہ) یقیناً کیا بہتر ہے اس دوست سے جو میرے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ اور میری بیوی سے میرے کوچ کرنے کے بعد ہمبستری کرتا ہے۔

؎ دمیری نے اس قصہ پر صعصعہ کی طرف ان اشعار کو منسوب کیا ہے:

ومانزل یرعی ذمتی ویحوطني ویحفظ عرسی والخلیل یخونُ

کتا ہمیشہ میرے حق کی مراعات کرتا ہے اور میرا پہرہ دیتا ہے اور میری بیوی کی نگہداشت کرتا ہے اور دوست خیانت کرتا ہے۔

فیا عجبًا للخل یھتك حُرمتی ویا عجبًا للکلب کیف یصوف

(ترجمہ) تعجب ہے دوست پر کہ وہ میری عزت کو بٹہ لگاتا ہے اور حیرت ہے کتے پر کہ وہ کس طرح حفاظت کرتا ہے

ساجعل کلبی ماحییت منادمی وامنحہ ودّی وصفو خلیلی

(ترجمہ) اب میں جب تک رہوں گا کتے ہی کو اپنا ہمدم بنائے رکھوں گا اور اپنی تمام محبّت اور دل کا لگاؤ اسی کو بخشوں گا۔

(۷) ابن ابو عُبیدہ نے بیان کیا کہ ایک شخص بصرہ سفر کو نکلا تو اس کے پیچھے پیچھے ایک کتا بھی ہولیا (راستہ میں) اس پر چند آدمیوں نے حملہ کر دیا۔ اور زخمی کر کے ایک گہرے گڑھے میں ڈال دیا۔ اور اس کو مٹی سے پاٹ دیا۔ وہ لوگ جب وہاں سے چلے گئے تو کُتّے نے اس گڑھے پر آکر پنجوں سے مٹی ہٹانا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اس شخص کا سر ظاہر ہو گیا۔ اس میں جب تک سانس کی آمد و رفت باقی تھی۔ پھر کچھ اور لوگوں کا گزر اُدھر سے ہوا تو انھوں نے اس کو نکال لیا۔

(۸) • ابن خلف نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے دوستوں نے بتایا کہ میں باغ میں گیا۔ اور میرے دو کُتّے میرے ساتھ تھے جو میرے پالے ہوئے تھے۔ میں باغ میں سو گیا۔ تو اچانک دونوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ جس سے میں بیدار ہو گیا تو میں نے کوئی خطرناک چیز نہ دیکھی۔ وہ پھر بھونکے، میں نے ان کو مارا اور پھر سو گیا۔ تو اچانک دونوں نے اپنے ہاتھوں اور ٹانگوں سے مجھے اس طرح ہلانا شروع کر دیا جس طرح سونے والے کو جگایا جاتا ہے۔ تو میں فوراً اٹھ بیٹھا تو دیکھا کہ ایک کالا زہریلا سانپ میرے قریب آچکا ہے۔ میں فوراً اٹھا اور اس کو مار ڈالا تو یہ دونوں کُتّے میری سلامتی کے باعث ہوئے۔

(۹) • حکماء کا مقولہ ہے کہ کُتّے کی ذہانت کی ایک بات یہ ہے کہ جب وہ ہرن کو دیکھتا ہے، چاہے وہ قریب ہو چاہے دور پہچان جاتا ہے کہ وہ ہماری طرف آنے والا ہے یا بیٹھ پھیر کر دوسری طرف جانے والا ہے

اور نر یا مادہ کو پہچان لیتا ہے تو شکار کا صرف نر ہی کا پیچھا کرتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی جانتا ہے کہ نر زیادہ تیز دوڑتا ہے اور مادہ کی بہ نسبت بڑی چوکڑی لگاتا ہے۔ اور مادہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس کی دوڑ میں تیزی کم ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کو معلوم ہے کہ نر جب جنگل کے ایک دو چکر لگاتا ہے تو اس کا پیشاب زور کرنے لگتا ہے۔ ایسا ہی ہر ایک حیوان کا حال ہے کہ جب اس کی گھبراہٹ بڑھ جاتی ہے تو اس کا پیشاب بھی زور کرنے لگتا ہے اور جب نر کا پیشاب زور کرنے لگتا ہے اور تیز دوڑنے کی وجہ سے کرنے کا موقع نہیں ملتا تو اس کی دوڑ سُست اور چوکڑی گھٹ جاتی ہے۔ تو کتا اسے دبوچ لیتا ہے۔ لیکن ہرنی کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا پیشاب آسانی سے نکال دیتی ہے۔ کُشادہ سوراخ اور نرمیٔ مخرج کی وجہ سے۔ تو وہ پھر تازہ دم ہو جاتی ہے۔ اور کُتے کی ایک بڑی سمجھداری یہ ہے کہ جب شکار کے لیے نکلتا کہ پالا اور برف پڑا ہو اور زمین پر اس کی تہ جم گئی ہو اور شکاری ایسے وقت میں نہیں پتہ لگا سکتا کہ ہرن کی کھوری کدھر ہے اور خرگوش کا سوراخ کہاں؟ تو کتا دوڑتا دیکھتا ہوا اور وہیں سوراخ پر جا کر ٹھہرتا ہے اور اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ حیوانات کے سانس اور پیٹ کے بخارات سُراخ کے منہ پر جس قدر برف کا جماؤ ہوتا ہے اس سے ٹکرا کر گلاتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ رقیق ہو جاتا ہے۔ یعنی برف کی ایک تہ پتلی ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی باریک اور گہری بات ہے جس کو کتا ہی پہچانتا ہے۔ اور جب کتا کسی کو پورے طور پر گھیر لیتا ہے تو تو اس سے بچنا مشکل ہے سوائے اس کے زمین پر اس کے سامنے عاجزی سے بیٹھ جائیں تو وہ اس پر بھونکنا بھی بند کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس کو بالکل اپنے قابو میں بیٹھنے کو عاجزی کی علامت قرار دیتا ہے۔

• ابوبکر بن الحاضنہ نے اپنے اتالیق ابی طالب المعروف بابن الدلو
(۱۰) سے نقل ہے اور وہ ایک نیک مرد تھے۔ مقام نہر طابق میں رہتے تھے کہ وہ ایک رات بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے انہوں نے بیان کیا کہ: میں اس وقت تنگ دست تھا تو ایک بڑا چوہا نکلا اور اس نے گھر میں دوڑنا شروع کیا۔ پھر دوسرا نکل آیا۔ دونوں نے کھیلنا شروع کر دیا۔ اور میرے ساتھ ایک طشت تھا میں نے ان میں سے ایک پر اسے الٹا کر دیا۔ دوسرا چوہا آیا اور طشت کے گرد پھرنے لگا اور میں خاموش (دیکھتا رہا) پھر وہ اپنے بل میں گھسا اور منہ میں ایک کھرا دینار لے کر نکلا اور اس کو میرے سامنے ڈال دیا میں لکھنے میں مشغول رہا اور وہ کچھ دیر تک بیٹھا ہوا انتظار کرتا رہا۔ پھر واپس چلا گیا اور ایک چمڑے کی خالی تھیلی کھینچ کر لایا جس میں یہ دینار رکھے ہوئے تھے اور اس کو ان دیناروں کے اوپر رکھ دیا۔ تو میں سمجھ گیا کہ اب اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہا۔ میں نے طشت اٹھا دیا تو دونوں بھاگ کر بل میں گھس گئے اور میں نے دینار اٹھا لیے۔

• محمد بن عجلان نے بیان کیا جو زیاد کے آقا تھے۔ زیاد ایک دن ان کی
(۱۱) بیٹھک میں آیا تو اس کی نظر ایک بلاؤ پر پڑی جو کمرے کے ایک گوشہ میں بیٹھا تھا۔ میں اس کو بھگانے کے لیے گیا۔ تو زیاد نے کہا کہ اسے چھوڑ دیجیے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ یہاں کیوں بیٹھا ہے۔ پھر زیاد نے ظہر کی نماز پڑھی اور واپس بیٹھک میں آ گیا۔

پھر عصر کی نماز پڑھی اور واپس آ گیا اور مستقل وہ بلاؤ کو دیکھتا رہا (وہ اسی جگہ جما ہوا بیٹھا تھا) پھر جب غروب شمس سے کچھ پہلے کا وقت ہوا تو ایک موٹا چوہا (گھونس) نکلا اور اس پر بلاؤ جھپٹا اور اس کو پکڑ لیا۔ تو زیاد نے

کہا کہ جو شخص کوئی کام کرنا چاہے تو چاہیے کہ اس پر استقلال کے ساتھ جم جائے جس طرح بلاؤ جما رہا تو وہ ضرور کامیاب ہوگا۔

• قاسم بن ابی طالب السقوخی نے بیان کیا کہ میں انبار میں سلطان کے (۱۲) بازدار کے ساتھیوں کے ساتھ (شکار میں) جا رہا تھا۔ انھوں نے ایک مرتبہ ایک تیتر پر چھوڑا۔ باز اڑ کر تیتر کے قریب پہنچ گیا۔ تیتر نے فوراً ایک جھنڈ میں گھس کر خود کو کانٹوں کے درمیان پہنچا دیا جو وہاں پڑے ہوئے تھے اور ان بیر کے کانٹوں کی دو لمبی شاخوں کو اپنے پنجوں سے پکڑ کر گدی کے بل زمین پر لیٹ گیا اور ٹانگیں اُلال دیں اور اس طرح سے باز سے چھپنا چاہا جب بازدار اس کے قریب آ گیا تو اُڑا اور اس کا باز نے شکار کر لیا۔ سب لوگوں نے کہا کہ ہم نے اس سے زیادہ بچاؤ کرنے والا کوئی تیتر نہیں دیکھا۔

• مصنف فرماتے ہیں کہ عرب بولتے ہیں احذر من غراب (کوّے سے (۱۳) زیادہ محتاط) احذر من عقعق (عقعق سے زیادہ محتاط کوّے کی صورت کا ایک پرندہ ہے) احذر من ذئب (بھیڑیے سے زیادہ محتاط) اور لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ بھیڑیا اس حد تک بچاؤ کرتا ہے کہ وہ اپنی دونوں آنکھوں کو بھی بچاؤ میں اپنا ساتھی بنا لیتا ہے۔ جب سوتا ہے ان میں سے ایک آنکھ کھولے رکھتا ہے تاکہ وہ اس کی نگہبان رہے۔ حمید بن ہلال نے بھیڑیے کے بارے میں کہا ہے ؎

ینام باحدیٰ مقلتیہ ویتقی باخریٰ الاعادی فھو یقظان ھاجع

(ترجمہ) (بھیڑیا) اپنی ایک آنکھ سے سوتا ہے اور دوسری آنکھ سے اپنا بچاؤ کرتا ہے تو وہ بیک وقت جاگتا بھی ہے اور سوتا بھی ہے۔

عسکری نے کہا کہ "یہ محال ہے کیوں کہ نیند ہر زندہ پر چھا جاتی ہے۔"

مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیند کے شروع ہونے کے وقت ایک آنکھ بند کرتا اور دوسری کھولے رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ نیند اس پر غالب آجائے تو ان کا کلام صحیح بن جائے گا۔

عرب کا یہ مقولہ بھی ہے احذر من ظلیم (ظلیم سے زیادہ محتاط) ظلیم نر شتر مرغ کو کہتے ہیں۔

(۱۴) • ابن الاعرابی نے ہشام بن سالم سے نقل کیا کہ ایک سانپ نے مکار کا انڈا کھالیا (مکار ایک سفید رنگ کا خوش آواز پرندہ ہے) مکار نے اس کے سر پر پھڑ پھڑانا شروع کیا اور اس کے قریب ہو جاتا تھا حتیٰ کہ جب سانپ نے اپنا منہ کھولا اور اس کو پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے اس کے منہ میں ایک چھوٹی سی ہڈی ڈال دی جو اس کے حلق میں اٹک گئی۔ یہاں تک کہ سانپ اس سے مر گیا۔

(۱۵) • مروی ہے کہ ہُدہُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ سلیمانؑ نے پوچھا میری تنہا کی؟ اس نے کہا کہ نہیں پورے لشکر کی۔ فلاں جزیرہ میں فلاں دن۔ تو حضرت سلیمانؑ وہاں پہنچ گئے۔ تو ہُدہُد نے فضا میں اُڑ کر ایک ٹڈی کا شکار کیا اور توڑ مروڑ کر دریا میں ڈال دیا۔ اور کہا کہ اے اللہ کے نبی اگرچہ گوشت تھوڑا ہے۔ مگر شوربا بہت ہے۔ سب کھاؤ جس کو گوشت نہیں ملے گا شوربا تو مل ہی جائے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ایک سال تک (جب اس کو یاد کرتے) تو ہنستے۔

(۱۶) • میں کہتا ہوں کہ ایک ٹھکانے پر رہنے والے جانوروں میں سے جن کے افعال ان کی ذہانت پر دلالت کرتے ہیں ایک یہ ہے کہ

چڑیاں صرف اس گھر میں رہتی ہیں جو آباد ہو۔ اگر لوگ اس گھر میں رہنا ترک کردیں تو وہ بھی نہیں ٹھیرتیں۔ اور بلی کو گھر سے محبت ہوتی ہے وہ اس کو نہیں چھوڑتی چاہے گھر والے وہاں سے چلے جائیں۔ اور کتا گھر والوں کے ساتھ جاتا ہے اور گھر کی طرف التفات نہیں کرتا اور جب چڑیا پر کوئی آفت آتی ہے تو اس کے شور مچانے پر تمام چڑیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اگر اس کا بچہ گھونسلے سے گر جائے گا تو وہ فریاد کرتی (یعنی شور مچاتی) ہے تو کوئی چڑیا باقی نہیں رہتی جو سُنکر نہ آجائے اور سب اس بچے کے گرد اُڑتی ہیں اور اس کو اپنے افعال سے حرکت دیتی ہیں اور اس میں قوت اور حرکت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں حتےٰ کہ وہ ان کے ساتھ اُڑنے لگتا ہے۔

بعض شکاریوں نے بیان کیا کہ میں نے بسا اوقات چڑیوں کو دیوار پر دیکھ کر اپنے ہاتھ کو اس طرح حرکت دی کہ گویا میں ان کے لیے کچھ ڈالنا چاہتا ہوں مگر وہ نہیں اڑتیں پھر میں زمین کی طرف ہاتھ لے جاتا ہوں گویا کوئی چیز اُٹھا رہا ہوں۔ پھر بھی حرکت نہیں کرتیں۔ لیکن اگر میں اپنے ہاتھ سے کوئی کنکری چھو بھی لوں گا تو اس کو ہاتھ میں لینے سے پہلے اُڑ جاتی ہیں۔

• کبوتر کو جب معلوم ہو جاتا ہے کہ کبوتری بار دار ہو گئی تو کبوتر اور کبوتری (۱۷) دونوں اپنے نشیمن کو ٹھیک کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ اس کے لیے تنکے جمع کرتے ہیں جن سے انڈے محفوظ رہیں۔ پھر ان کو گرم کرتے (سیتے ہیں) اور اس عمل سے ان کے مزاج میں تغیر پیدا کرتے ہیں اور ان کے لیے دوسرا مزاج پیدا کرتے ہیں جو ان کے جسم کی بو سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد ان انڈوں کا رُخ بدلتے ہیں تاکہ انڈے کے تمام حصے پر سینے کا اثر ہموار ہو جائے اور سینے کے اوقات کا زیادہ حصہ مادہ کے ذمہ ہوتا ہے جس طرح

عورت بچے کو پالنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ پھر جب انڈے میں بچہ بن گیا تو چگا دینے کا کام زیادہ نر کے ذمہ ہوتا ہے اور جب بیضہ پھٹ کر بچہ باہر آجاتا ہے تو وہ بھی جانتے ہیں کہ بچہ کا پپوٹا غذا کی گنجائش نہیں رکھتا تو بچوں کے حلق میں اپنے حلق سے پھونکتی ہیں تاکہ پپوٹا پھول جائے اور اس میں وسعت پیدا ہو جائے۔ پھر وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ابھی اس میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ کھانے کو سہار سکے اور وہ ایسا چگا دیتے ہیں جس میں کھانے کی قوت کے ساتھ ان کی طبعی قوت بھی مخلوط ہوتی ہے جس میں تھن کا کھیس۔ پھر یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ پپوٹے کو پختگی کی اور ضرورت ہے تو دیواروں کا شورہ کھلاتے ہیں اور وہ ایک ایسی چیز ہے جو خالص نمک اور مٹی کی درمیانی چیز ہے تو وہ اس کو چگا دیتے ہیں جب یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب پپوٹا مضبوط ہو گیا۔ پھر دانے کو چگا دیتے ہیں۔ پھر جب یہ جان لیتے ہیں کہ اب اس میں یہ طاقت بھی آگئی کہ وہ زمین سے چگ لے تو چگا دینے سے تھوڑا تھوڑا روکتے ہیں تاکہ وہ چگنے کی ضرورت محسوس کرے اور اسکو اٹھانے کے لیے چونچ لے جائے پھر جب جان لیتے ہیں کہ اب اس میں طاقت پیدا ہو چکی ہے تو اگر وہ پھر بھی ان سے چگا لینا چاہتا ہے تو اس کو مارتے ہیں اور اس کو چگا نہیں دیتے۔

پھر دوسرے بچے پیدا کرنے کی تیاری میں لگ جاتے ہیں تو نر کی طرف سے بلانے کی ابتدا ہوتی ہے اور مادہ کی طرف سے دیر لگانے کی اور بلاتے رہنے کی خواہش ہوتی ہے پھر نرم ہو جاتی ہے اور طرح طرح سے پہلو بدلتی ہے پھر رکتی ہے پھر محبت کرتی ہے پھر دونوں میں عشق بازی شروع ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کی مانتا ہے اور دونوں سے محبت کی باتیں بھی ظاہر ہوتی ہیں بولی سے بھی اور جفتی سے بھی۔

• اژدہا کی مادہ جب ہلاک ہوجاتی ہے تو وہ دوسری مادہ سے میل
(۱۸) نہیں کھاتا۔ یہی حال مادہ اژدہا کا ہے۔

• مکڑی کی ہوشیاری یہ ہے کہ وہ) اپنے رہنے کا گھر ایسا جال بناتی
(۱۹) ہے جس میں مکھی پھنس جائے تو جب کوئی مکھی اس میں اُلجھ جاتی ہے تو اس کا شکار کرلیتی ہے۔

اور بیان کیا جاتا ہے کہ لَیث جو مکڑی کی ایک قسم ہے زمین سے چمٹ کر اور سانس روک کر بیٹھ جاتی ہے اور جب اندازہ کرلیتی ہے کہ مکھی اس سے غافل ہے تو چیتا کی طرح جست لگا کر اس کا شکار کرلیتی ہے۔

اور لومڑی کی (ہوشیاری یہ ہے کہ) جب اس کو غذا کی دشواری پیش
(۲۰) آتی ہے تو مردہ بن جاتی ہے اور پیٹ پھلا لیتی ہے تو کوئی پرندہ اسکو مردہ سمجھ کر اس پر آپڑتا ہے تو اس پر حملہ کردیتی ہے۔

• اور چمگادڑ کی ہوشیاری یہ ہے کہ اس کی نگاہ کمزور ہے وہ صرف
(۲۱) غروب ہی کے وقت اُڑتا ہے کیونکہ وہ ایسا وقت ہے کہ جس میں نہ اتنی روشنی ہوتی ہے جو اس کی نظر پر غالب آجائے اور نہ اندھیرا ہوتا ہے

• اور چیونٹی اور چوہے گرمی کے موسم میں سردی کے لیے ذخیرہ کرتے
(۲۲) ہیں۔ پھر ذخیرہ کیے ہوئے دانوں کے بارے میں ان کو سڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو ان کو نکال کر پھیلاتی ہیں تاکہ ہوا لگ جائے اور اکثر یہ کام چاندنی راتوں میں کرتی ہیں۔ کیونکہ اس میں ان کو اچھی طرح نظر آتا ہے پھر اگر رہنے کی جگہ میں نمی ہے اور یہ اندیشہ کرتی ہے کہ بیج پھوٹ آئے گا تو بیج کے وسط میں سوراخ کردیتی ہے گویا وہ یہ جانتی ہے کہ وہ اسی جگہ سے پھوٹا کرتا ہے اور اس کو چیر کر دو ٹکڑے کردیتی ہے۔ پھر اگر دھنیے کا بیج ہے تو اس کے چار

ٹکڑے کرتی ہے۔ کیونکہ تمام بیجوں میں سے دھنیے کا بیج ایسا ہوتا ہے کہ اسکے آدھے آدھے حصے بھی پھوٹ آتے ہیں تو وہ اس حیثیت سے ہوشیاری میں تمام حیوانات سے بڑھ گئی اور باوجود بہت چھوٹا جسم ہونے کے اس کے سونگھنے کی طاقت اس قدر قوی ہے اور کسی کی نہیں۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کوئی ٹڈی وغیرہ کھاتا ہے اور وہ اس کے ہاتھ سے پوری یا اس کا کوئی حصہ گر جاتا ہے اور اس کے قریب میں کوئی بھی چیونٹی نہیں ہوتی تو زیادہ دیر نہیں لگتی کہ کوئی چیونٹا یا چیونٹی لے جانے کے ارادہ سے آلیتی ہے اور اس کو اپنے ٹھکانے پر لے جانے کی کوشش کرتی ہے، تو اگر عاجز ہو جاتی ہے تو اپنے سوراخ میں پلٹ جاتی ہے، تو پھر کچھ دیر نہیں لگتی کہ وہ آگے آگے ہوتی ہے اور اس کے پیچھے پیچھے ایک لمبے ڈورے کی طرح چیونٹیوں کی قطار چلتی ہوتی ہے اور انکی امداد سے اٹھائے جاتی ہے تو غور کیجیے کہ کتنی اعلیٰ قوتِ شامہ ہے جو انسان کو بھی میسّر نہیں۔ پھر خالص ہمت و جرأت پر نظر کیجیے کہ ایسی چیز کو لے جانے کی کوشش کر رہی ہے جو اس کے وزن سے کم و بیش پانچسو گنا زیادہ ہوتی ہے اور کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ دوسری چیونٹی سے ملتے وقت ٹھہر کر کچھ بات نہ کرتی ہو اور اس کے کلام کرنے پر تو یہ آیت دلالت کرتی ہے قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ (ایک چیونٹے نے کہا: اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔)

(۲۳) • اور سانپوں میں سے ایک قسم کا سانپ (یہ ہوشیاری کرتا ہے کہ) اپنی دُم ریت میں ٹھونس دیتا ہے (تاکہ وہ نظر نہ آئے) اور سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے (یہ کام) دوپہر کے وقت شدّت کی گرمی میں (کرتا ہے) تو کوئی پرندہ جو اُڑتا ہوا نیچے اُترنا چاہتا ہے وہ ریت کی گرمی کی وجہ سے ریت پر بیٹھنے سے اعراض کر کے اس کو درخت کا ٹھنٹھ سمجھ کر اس کے سر پر آکر بیٹھتا ہے اور یہ اس کو

دبوچ لیتا ہے۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ان کے شہروں میں سانپ گائے کے پاس آکر اس کی ٹانگوں سے لپٹ جاتا ہے اور تھن کو مُنہ میں دبا لیتا ہے تو گائے (ایسی بے حس و حرکت ہو جاتی ہے کہ) آواز نکالنے پر بھی قادر نہیں رہتی اور یہ دودھ چوس جاتا ہے۔

(۲۴) • (چوہے کی طرح ایک جانور ہے جس کی دُم لمبی ہوتی ہے اس کو یربوع اور جنگلی چوہا کہتے ہیں اس) یربوع کی بات یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنا بِل کدوہ یعنی سخت قسم کی زمین میں بناتا ہے جو عام سطح سے بلند ہوتا کہ اس کا بھٹ پانی کے بہاؤ سے بچا رہے اور جانوروں کے کھروں کی ٹھوکروں سے خراب نہ ہو۔ یہ جانور سخت زمین کو گہرا کھود کر اپنے گھر میں مختلف گوشے بناتا ہے بعض کو طویل رکھتا ہے اور بعض کو آنے جانے کا راستہ بناتا ہے اور بعض کو ایسا بناتا ہے کہ باہر کی طرف اس سے دیکھ سکے اور بعض اس لیے ہوتا ہے کہ اس میں سے اندر کی مٹی باہر نکال کر پھینک دے اور یہ سب اس کے گھر ہیں جن کے راستے چھوٹے رکھتا ہے۔ تو جب بھی کسی طرف سے خطرے کا احساس کرتا ہے دوسرے راستہ سے نکل جاتا ہے اور اس کو اپنی ذات کے بارے میں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ بہت بھولنے والا ہے تو اپنا بھٹ ہمیشہ کسی ٹیلے یا پتھر کی چٹان یا درخت کے پاس ہی بناتا ہے تاکہ اگر وہ اپنی غذا کی جستجو میں یا کسی خطرہ کی وجہ سے دور نکل جائے تو آسانی کے ساتھ پھر وہاں واپس آجائے۔

(۲۵) • اور ہرن ہمیشہ اپنی کھوری میں پچھلے پاؤں داخل ہوتا ہے اور اپنی آنکھوں کو باہر کی طرف رکھتا ہے تاکہ اپنی ذات کو اور بچہ کو اگر کوئی خطرہ واقع ہو سکتا ہے تو اس کا علم ہو جائے۔

• مادۂ بجو ساٹھ انڈے دیتی ہے پھر (جس سوراخ میں انڈے دیتی ہے اس) سوراخ کا دروازہ بالکل بند کر دیتی ہے اور اس کو چالیس دن بالکل بند چھوڑے رہتی ہے پھر کھود کر راستہ کھول دیتی ہے تو بچے پھٹ چکے ہوتے ہیں۔ (۲۶)

• اور گدھ بہت حریص ہے جب مردار گوشت سے خوب ٹٹ جاتا ہے تو اُڑنے کی قوت نہیں رہتی تو جب اُڑنا چاہتا ہے بوستعد بار کودتا رہتا ہے اور اس میدان کے گرد جہاں مردار پر گرا تھا چند بار کودتا ہوا گھومتا ہے پھر آہستہ آہستہ چکر باندھ کر اپنے کو ہوا میں اٹھاتا ہے یہاں تک کہ ہوا کی بڑی مقدار اُس کے جسم کے نیچے آجائے پھر بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ (۲۷)

• اور بلی چوہے کو چھت میں دیکھتی ہے تو اپنے ہاتھ کو اسی طرح حرکت دیتی ہے گویا اس کو نیچے اُترنے کا اشارہ کر رہی ہے۔ بار بار ایسا ہی کرتی ہے تو وہ واپس آجاتا ہے اور وہ ایسا اپنی نگاہ کا اثر ڈالنے کے لیے کرتی ہے اور اس وقت تک کرتی رہتی ہے کہ وہ گر پڑے (یہ ضروری نہیں کہ تمام اقسام ایسا ہی کیا کرتی ہوں ایسی کوئی خاص قسم ہوگی (مترجم) (۲۸)

• اور شیر اکثر اوقات بکری کو اپنے دائیں پنجے سے تھام کر بائیں پنجے سے اس کا سینہ پھاڑتا ہے اور اس کو اُس کے پچھلے حصہ پر جھکا لیتا ہے تو اس کے خون کی دھار اس کے منھ میں جانے لگتی ہے گویا وہ کسی فوارہ کے پاس کھڑا ہے یہاں تک کہ جب پی لیتا ہے اور اس کو خون سے خالی کر لیتا ہے تو پھر اس کا پیٹ پھاڑتا ہے۔ (۲۹)

• اور مچھر جب اپنے رزق کی جستجو میں نکلتا ہے تو وہ پہچانتا ہے کہ اس کو جو چیز زندہ رکھنے والی ہے وہ خون ہے تو جب بھینسے کو دیکھتا (۳۰)

جانتا ہے کہ اس کی جلد کے نیچے اس کی غذا ہے تو اس پر جا پڑتا ہے اور اپنی سونڈ اس میں چھو دیتا ہے اور اپنے ہتھیار کے پہنچا دینے پر بھروسہ رکھنے والا ہے۔

(۳۱) • اور شہباز شکاری کی جستجو کی پرواہ بھی نہیں کرتا بلکہ کسی اونچے مقام پر ٹھہر جاتا ہے جب کوئی جانور شکار کرتا ہے تو اس پر دفعتًا ٹوٹ پڑتا ہے جب وہ اس کو دیکھتا ہے، تو اس کی ہمت اس سے زیادہ نہیں ہوتی کہ بھاگ نکلے اور شکار کو اس کے ہاتھ میں چھوڑ جائے۔

اور اسی طرح سانپ اپنے رہنے کے لیے جگہ نہیں کھودتا اور اس کا کوئی اہتمام نہیں کرتا۔ بلکہ دوسرے جانوروں کی کھودی ہوئی جگہ (بل) میں گھس جاتا ہے اور اس میں رہنا شروع کر دیتا ہے تو وہ جانور اس جگہ سے بھاگ جاتا ہے۔

(۳۲) • اور بارہ سنگھے کے سینگ ہر سال گر جاتے ہیں تو جب جانتا ہے کہ اب اس کا ہتھیار جاتا رہا تو درندوں کے خوف سے ظاہر نہیں ہوتا تو جب وہ ایک ہی مقام میں ٹھہرا رہتا ہے تو موٹا ہو جاتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ موٹا ہونے کی وجہ سے اس کی حرکت سست ہو چکی ہے اس لیے چھپے رہنے کی اور زیادہ کوشش کرتا ہے پھر جب اس کے سینگ نکل آتے ہیں تو دھوپ اور ہوا میں آتا ہے اور حرکت اور دوڑ شروع کرتا ہے تاکہ چربی پگھل جائے اور گوشت کم ہو جائے۔ پھر جب اس کے سینگ پورے اور پختہ ہو جاتے ہیں تو اپنی پچھلی عادت پر لوٹ جاتا ہے اور یہ جانور سانپوں کو کھاتا ہے تو اس کو سخت پیاس لاحق ہوتی ہے تو وہ پانی کے گرد پھرتا ہے (مگر پیتا نہیں) اور پانی سے صرف اس وجہ سے رُکا رہتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ پانی زہروں کو جسم میں پھیلا دیتا ہے پھر ہلاکت جلد واقع ہو جاتی ہے۔

• اور شہد کی مکھیوں کے چھتے سیلابوں کے جھاگ سے بنے ہوئے
(۳۳) ہوتے ہیں اور سیہ اور نیولا جب افعی اور دوسرے زہریلے سانپوں سے لڑ کر ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں تو یہ دونوں اپنا علاج جنگلی شاہترہ سے کرتے ہیں۔

• اور شہباز کو جب جگر کی تکلیف ہوتی ہے تو وہ خرگوش اور لومڑی کا جگر
(۳۴) کھاتا ہے اور اس طرح حاصل کرتا ہے کہ ان کو اٹھا کر ہوا میں لے جاتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے چند بار ایسا کر کے صرف جگر نکال کر کھاتا ہے اور اس سے تندرست ہو جاتا ہے۔

• اور جب چوہے اور بچھو کو ایک شیشے کے برتن میں بند کر دیا جاتا ہے
(۳۵) تو چوہا بچھو کے ڈنک کی سمت کو پہلے کاٹ دیتا ہے۔ اب اس کے شر سے بے خوف ہو کر جس طرح چاہتا ہے مار دیتا ہے۔

• اور جب ریچھنی جب بچہ دیتی ہے تو وہ اس وقت گوشت کی ہنڈیا جیسا
(۳۶) ہوتا ہے ہاتھ پاؤں کچھ نظر نہیں آتے تو اس کو چیونٹیوں کے چمٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے چند دنوں تک ہوا میں اٹھائے ایک جگہ سے دوسری جگہ لیے لیے پھرتی ہے یہاں تک کہ اس میں سختی آجائے۔

• اور مچھلی جب جال میں پھنس جاتی ہے اور نکل نہیں سکتی تو وہ جانتی ہے کہ اب بچنے
(۳۷) کی کودنے کے سوا اور کوئی صورت نہیں تو بقدر نیزے کے اُچھل جاتی ہے پھر کوشش کرنے لگتی ہے اور بقدر دس ہاتھ اُچھل جاتی ہے جس سے جال پھٹ جاتا ہے۔

• اور چیتا جب موٹا ہونے لگتا ہے تو جانتا ہے کہ اب موسمی اثر سے مجبور ہوا
(۳۸) چاہتا ہے اور اگر اس کی حرکت سُست پڑ گئی تو وہ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ گزر جائے جس میں چیتے موٹے ہو جاتے ہیں۔

قصص الاولیاء عکسی مکمل

تقویۃ الایمان

جس میں مشرکانہ خیالات اور جاہلی رسوم و بدعات کو بے نقاب کیا گیا ہے خالص توحید کا درس اور صحیح اسلام کی طرف دعوت ہے۔ یہ کتاب اعتقاد میں بینظیر ہے۔

دو جلدوں میں

مواعظ اشرفیہ (۳۰ جلد) قسط وار

بہشتی زیور مکمل مدلل

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

حضرت تھانوی کی مکمل سوانح حیات

اشرف السوانح

اگلی کا فذ — خوبصورت جلدیں

کشف المحجوب، تصوف کی اصل حقیقت

اسی کتاب کو پڑھ کر معلوم ہو سکتی ہے

علمی لطائف

معرفت الٰہیہ یعنی خدا کی پہچان

تسہیل المواعظ

حضرت حکیم الامت تھانوی کے مواعظ کی آسان تشریح

۵ جلدوں میں

مقررین و مبلغین اور طلباء کے لئے بہت مفید

قیمت کامل سیٹ

مکتبہ تھانوی دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

Thanvi

Designed By
Thanvi Graphics
DEOBAND-247554 -PH.(01336)222053

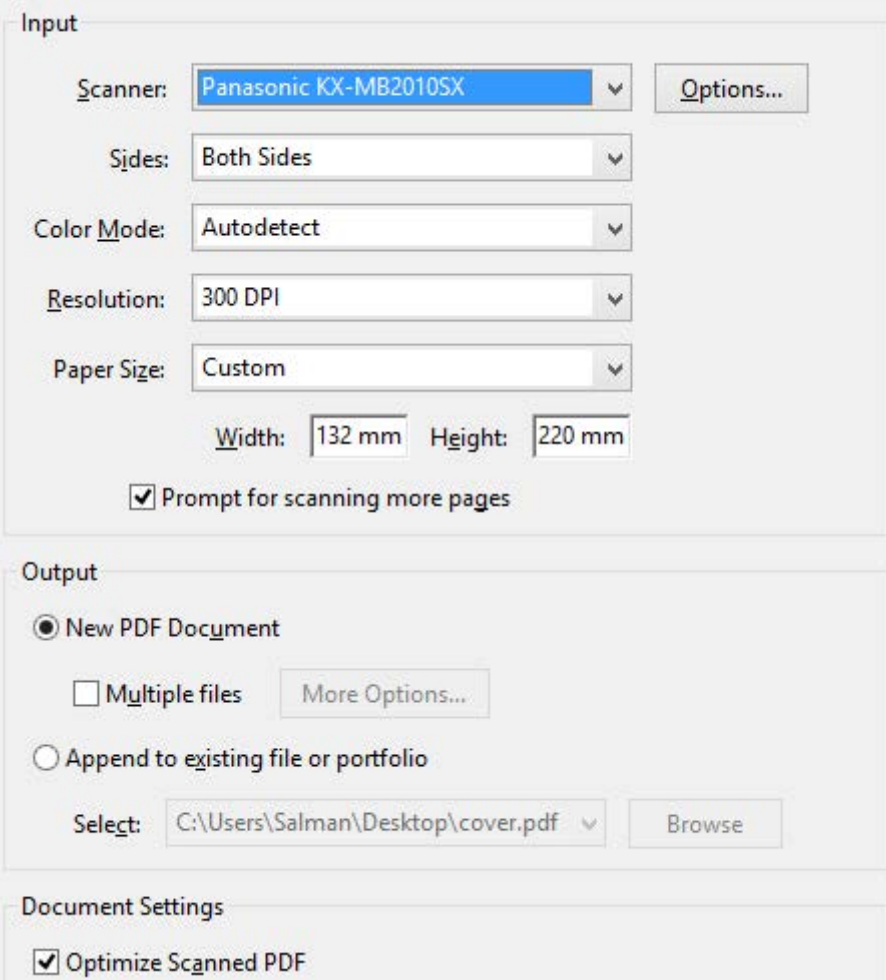
Input
Scanner:
Panasonic KX-MB2010SX
Options...
Sides:
Both Sides
Color Mode:
Autodetect
Resolution:
300 DPI
Paper Size:
Custom
Width:
132 mm
Height:
220 mm
Prompt for scanning more pages
Output
New PDF Document
Multiple files
More Options...
Append to existing file or portfolio
Select:
C:\Users\Salman\Desktop\cover.pdf
Browse
Document Settings
Optimize Scanned PDF